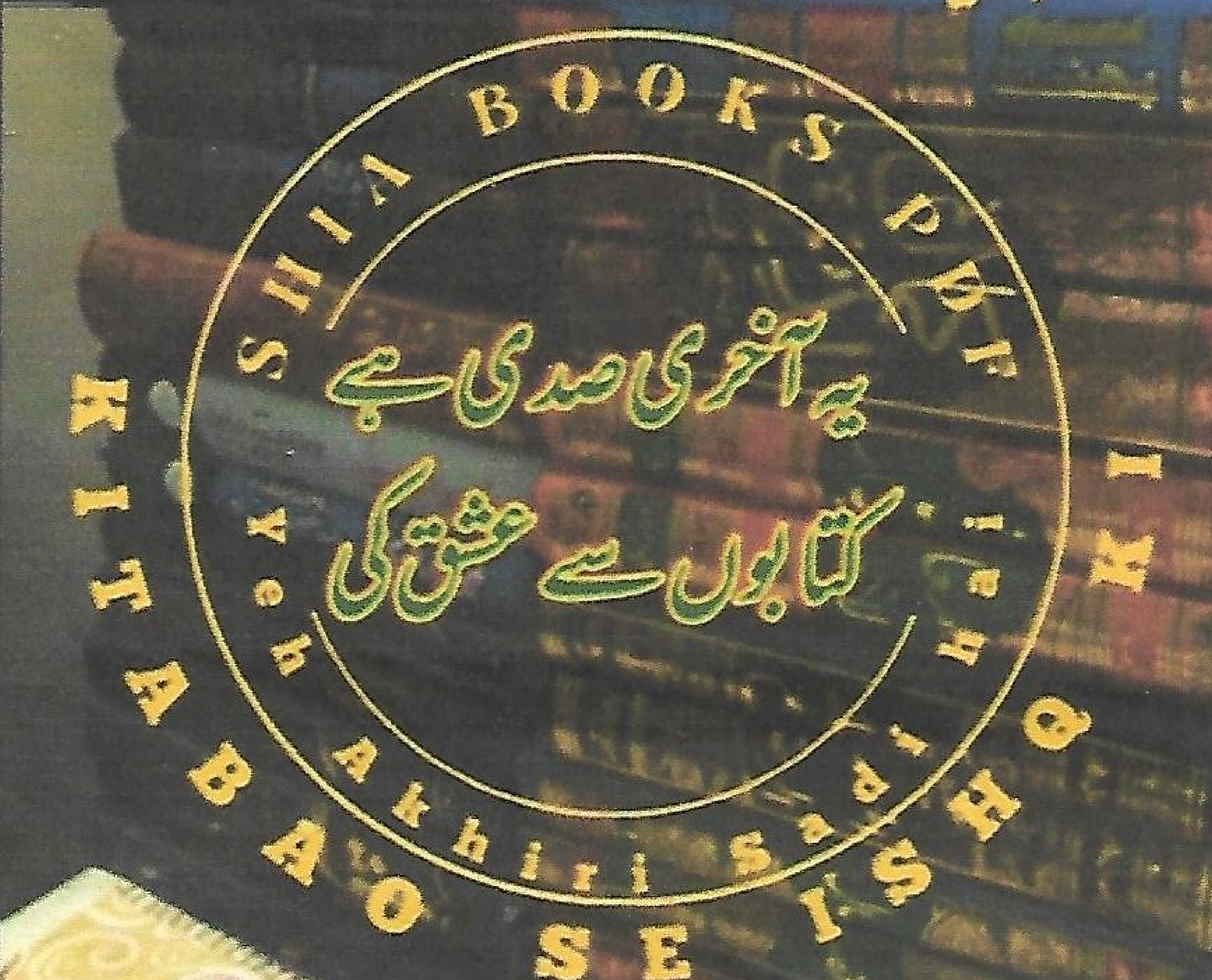

SHIA BOOKS PDF
KITABAO SE ISHQ KI
Yeh Akhiri Sadi hai
یہ آخری صدی ہے
کتابوں سے عشق کی

خطیب کعبہ

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے

کعبے کی چھت پر دیے گئے پُراسرار خطبے کی شرح



تالیف

استاد علی اصغر یونسیان

ترجمہ

سید فواد حیدر کاظمی

رحمت اللہ بُک ایجنسی
کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی 74000
فون: 0341-7234330, 32431577
موبائل: 0332-3670828, 0314-2056416

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطیبِ کعبہ

"یعنی"

(اَبُو الْفَضْلِ الْعَبَّاس عَلَیْہِ السَّلَام)

مؤلف

علامہ علی اصغر یونسیان "تہران"

مترجم

علامہ سید فواد حیدر کاظمی "قم المقدسہ"

تراب پبلیکیشنز لاہور

دکان نمبر 8، فرسٹ فلور، الحمد پلازہ۔ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

فون: 042-37112972
0345-8512972

نوٹ: التماس سورۂ فاتحہ برائے بانی ادارہ تراب پبلی کیشنز شہید ولایت علامہ ناصر عباس، ملتان

کتاب	:	خطیب کعبہ
تالیف	:	علامہ علی اصغر یونسیان تہران
مترجم	:	علامہ سید فواد حیدر کاظمی قم المقدسہ
پروف ریڈنگ	:	شیر محمد عابد مولائی
کمپوزنگ	:	سیّد وسیم حیدر نقوی ملتان
تعدادِ اشاعت	:	۵۰۰
سالِ اشاعت	:	مارچ ۲۰۲۲ء
ہدیہ	:	۷۰۰/= روپے

ملنے کا پتہ

تراب پبلیکیشنز لاہور

دکان نمبر 8، فرسٹ فلور، الحمد پلازہ۔ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

فون: 0345-8512972 — 042-37112972

email: molai512@gmail.com , facebook.com/turabpublishers

انتساب

بَقِيَّةُ اللهِ الْاَعْظَمُ رُوْحِي وَاَرْوَاحُ الْعَالَمِيْنَ الْفِدَاءُ

آقا و مولا اِمام صاحبُ العصرِ والزّمان

صلواتُ اللہِ وسلامہٗ علیہ کے نام

❖

اَللّٰهُمَّ عَجِّلْ فَرَجَهُ وَسَهِّلْ مَخْرَجَهُ وَاجْعَلْنَا

مِنْ خَيْرِ اَعْوَانِهِ وَاَنْصَارِهِ وَالذَّابِّيْنَ

عَنْهُ وَالْمُسْتَشْهَدِيْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

آمِيْنَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ

❖

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

سَلَامُ اللّٰهِ وَسَلَامُ مَلَآئِكَتِهِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَاَنْبِيَآئِهِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ وَجَمِيْعِ الشُّهَدَآءِ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالزَّاكِيَاتُ الطَّيِّبَاتُ فِيْمَا يَغْتَدِيْ وَتَرُوْحُ عَلَيْكَ يَابْنَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

’’سلام ہو آپؑ پر اللہ کا اور سلام ہو اُس کے مقرّب فرشتوں کا، اُس کے بھیجے ہوئے انبیائے مرسلینؑ کا، اُس کے نیکوکار بندوں کا، اور تمام شُہدآء اور صِدّیقین کا سلام ہو، پاک و پاکیزہ اور نیک سیرت کا سلام ہو ہر صبح اور ہر شام آپؑ پر اے امیر المؤمنینؑ کے فرزند!‘‘۔

(مفاتیح الجنان۔ اَز امام جعفر صادق علیہ السلام)

معزّز قارئین!

یہ کتاب ’’خطیبِ کعبہ‘‘ بَابُ الْحُسَیْنِ، بَابُ الْحَوَآئِجِ، اَلسَّقَّاءُ، سَاقِیِ عَطَاشَاءِ کَرْبَلَاءِ، قَمَرِ بَنِی ہَاشِمِ آقَا وَ مَوْلَا اَبُو الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ علیہ السلام کے اُس خطبہ پر مشتمل ہے جو آپؑ نے اپنے وقت کے امام اور کائنات پر اللہ کی حجت، اپنے بھائی امام حُسین علیہ السلام کی صداقت و حمایت میں بیت اللہ کی چھت پر ارشاد فرمایا تھا۔ اور اقلیمِ وفا کے تاجدار نے عہدِ وفا کی تجدید کرتے ہوئے کلیمِ طورِ وفا ہونے کا اعلان کیا۔

کہ جب تک عباس علیہ السلام موجود ہے اُس وقت تک کوئی بھی امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اہل بیتؑ اور آپ علیہم السلام کی سپاہ کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

جی ہاں!

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک شمسِ وفا طلوع رہا، شریکۃُ الحُسین علیہ السلام، سالارِ خواتین، سیّدہ عالیہ جنابِ زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا تمام مستوراتِ عصمت وطہارت اور معصوم بچوں کو دلاسہ دیا کرتی تھیں کہ جب تک میرے بھائی عباس علمبردار علیہ السلام کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ہے، تمہیں کسی قسم کا کوئی خوف وخطر نہیں ہے اور ہم سب محفوظ ہیں۔

لیکن! افسوس کہ جب اس شمسِ وفا نے عالَمِ غربت میں غروب کیا تو اس شہزادی سلام اللہ علیہا نے مستورات اور بچوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے فرمایا ہوگا کہ اَب میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتی ہوں۔

یقیناً! مولا عباس علیہ السلام سپاہِ مظلومِ کربلا علیہ السلام کی لازوال ڈھارس تھے اور اُنؑ کی نگاہیں سلطانِ وفا پر مرکوز تھیں۔

پس! کتاب ہٰذا ’’خطیبِ کعبہ‘‘ جو ’’آیت اللہ مہندس علی اصغر یونسیان تہران‘‘ کی عقیدت کا شاہکار ہے اور صرف یہ نہیں کہ یہ ایک عظیم کتاب ہے بلکہ عالمِ انسانیت کے لئے درسِ وفا بھی ہے۔

جی ہاں!

اس کتاب میں عَلَم بردارِ حُسینی علیہ السلام کی اعلیٰ ترین وفا، مضبوط قوتِ ارادی وشجاعت اور خطبہ کے ساتھ ساتھ دیگر عنوان بھی اَز نظرِ قرآن واَحادیث سپردِ قلم کئے گئے ہیں، جن کے مطالعہ سے ایک انسان پر حقیقت عیاں ہوتی ہے اور ہر غیور کو درسِ وفا ملتا ہے۔

قارئینِ گرامی قدر!

اس کتاب کے فارسی سے اُردو کے ترجمہ کے فرائض علّامہ السیّد فواد حیدر کاظمی قُم المقدسہ نے سرانجام دیئے ہیں۔ اللہ رحمن ورحیم آغا صاحب کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور آپ اسی خاندانِ تطہیر علیہم السلام کے مشن پر اپنے کام کو جاری وساری رکھیں۔

ہم امیدوار ہیں کہ قاری حضرات اس کتاب کے مطالعہ سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے ادارہ ہٰذا کے حق میں دعا فرمائیں گے۔

=❖=

عباسؑ علم و فکر کی ساعت کا نام ہے
عباسؑ کبریا کی اطاعت کا نام ہے
عباسؑ کوہسارِ شجاعت کا نام ہے
عباسؑ روزِ حشر شفاعت کا نام ہے
کیا غم یہ کائنات، اگر بے ثبات ہے
عباسؑ کا کرم ہی حقیقی حیات ہے

=❖=

سائلِ درِ عباسؑ علم بردارؑ
الحقیر پُرتقصیر!
علی ابوتراب خان نوانی
سربراہ! ادارہ تُراب پبلشرز لاہور

عرضِ مترجم

ایک خطبہ کہ جس کا ایک ایک لفظ ترجمانِ وحی ہے اور اس خطبہ کا خطیب کوئی عام خطیب نہیں بلکہ خطیب کعبہ ہے۔

یہ خطیب اعلان کر کے بتا رہا ہے کہ تم نے صرف صفین میں میرے ہاتھوں کی شجاعت دیکھی تھی تو کیا تم نے یہ سمجھا کہ عباس علیہ السلام نے اپنی والدہ اور والدِ بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام سے صرف قوتِ بازو وراثت میں لی ہے، نہیں! بلکہ عباس علیہ السلام نے وراثت میں فصاحت و بلاغت بھی لی ہے۔ عباس علیہ السلام وہ ہستی ہیں جو منصب امامت نہیں رکھتی لیکن امامت کے لئے مطلوبہ ہر شئے کے حامل ہیں۔

آج حیدری لہجہ میں اس خطیب سے خطبہ سنو تاکہ تمہیں پھر سے میدانِ صفین یاد آجائے۔

اس خطبہ کی شرح کا ترجمہ میرے نصیب میں آیا ہے کہ جس کا ایک ایک لفظ حیدری فصاحت و بلاغت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

عباس علیہ السلام وہ ہیں جو ایک تکبیر بلند کریں تو لاکھوں شامی لشکریوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔

عباس علیہ السلام نے ایسی وفا نبھائی کہ آج لفظ "وفا" جب بھی لیا جاتا ہے تو فوراً ذہن

میں عباس علیہ السلام آتے ہیں۔

ہاں عباس علیہ السلام کون ہیں؟

جس سیدہ نساء العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق مہر شفاعت امت ہو، وہ بی بی سلام اللہ علیہا کہیں:

یا امیرالمؤمنین[1] کَفانا لِاَجلِ هٰذا المَقامِ الیَدانِ المَقطوعَتانِ مِن اِبنِی العَبّاسُ۔

"یا امیرالمؤمنین علیہ السلام شفاعت کے لئے میرے لئے میرے بیٹے عباس علیہ السلام کے کٹے ہوئے بازو کافی ہیں"۔[2]

جو خود عالمین کی ملکہ ہو مگر ان کو بھی شفاعت کرنے کے لئے جس کی ضرورت پڑے، اُسے عباس علیہ السلام کہتے ہیں۔

محبانِ اہل بیت علیہم السلام کی اکثریت اپنی حاجات کے لئے جس کی طرف رجوع کرتی ہے، اُسے عباس علیہ السلام کہتے ہیں۔

میری یہ چھوٹی سی کاوش مالک، امام زمانہ علیہ السلام کی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمیں امام زمانہ علیہ السلام کے اعوان وانصار میں شمار فرمائے۔

خطیبِ درِ بتول سلام اللہ علیہا

علامہ سید فواد حیدر کاظمی، "قم المقدسہ"

۱۔ انوار الشہادہ = ص ۱۵۱

۲۔ سوگنامہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم = ص ۲۳۱، ویژگی ھا و فضائل حضرت عباس علی علیہ السلام = ص ۱۱۱

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

تقریظ از قلم آیت اللہ آقائے حاج شیخ جواد کربلائی دام عزہ

الحمد للہ رب العالمین و صلی علی محمد و آلہ الطاہرین و لعنۃ اللہ علی اعدائہم اجمعین الی یوم الدین۔

ایک خطبہ اور بیان کہ جس کی شرح آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

جنہوں نے وجود مقدس دامان ولایت مولی الموالی حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہم السلام میں تربیت پائی اور وہ اُم البنین سلام اللہ علیہا کے بزرگ ترین میوۂ قلبِ حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام ہیں۔

اور ان بزرگوارؑ کے القاب میں سے سقاء اور ان کی کنیتوں میں سے "ابوالقربۃ"[1] ہے۔ مولا عباس علیہ السلام بہت خوبصورت اور خوش منظر اور از نظر قد و قامت رشید تھے۔ اس طریقہ سے کہ جب آپؑ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو آپؑ کے دونوں پاؤں زمین پر کھنچتے آتے تھے اور ان کو قمرِ بنی ہاشمؑ بھی کہتے ہیں کیونکہ آپؑ جب بنی ہاشم کے مجمع میں کھڑے ہوتے تو ایک سر اور گردن کے اندازے کے مطابق ان سے بزرگ اور چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے۔ امام حسین علیہ السلام

۱۔ یعنی مشک کا باپ

کا علَم مولا عباس علیہ السلام کے ہاتھوں میں تھا اور جب تک آپؑ زندہ رہے مقامِ والا حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے محافظ رہے۔

جب آپؑ گھوڑے سے زمین پر گرے تو ولایت و امامت علیہ السلام کے چمکتے ہوئے سورج نے اپنے لشکر کے سردار کے نیم جان بدن کے کنارے پر کھڑے ہو کر اظہار انکسار کیا اور فرمایا:

أَلانَ إِنْكَسَرَ ظَهْرِیْ وَ قَلَّتْ حِيلَتِیْ۔

لیکن مولا عباس علیہ السلام کی شجاعت کے بارے میں کہا جائے گا۔

آپؑ کی شجاعت امور معنوی سے ہے جو نفسِ انسانی سے متعلق ہے اور اس کو بصیرتِ قلبی سے درک کیا جا سکتا ہے اور اس کے آثار دشمن کے ساتھ یا میدانِ مبارزہ میں ظاہر ہوتے ہیں یا خصوصاً نفسِ امارہ کے غلبہ میں۔ خصوصاً اخراج حبّ ریاست و دنیا دل سے یا اپنے نفس پر دوسروں کو قربان کرنا جو اس شجاعت سے قلبی اور باطنی شجاعت سے تعبیر ہوا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام لوگوں میں سے سب سے شجاع ترین لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَشْجَعُ النَّاسِ مَنْ غَلَبَ هَوَاهُ۔

"لوگوں میں سب سے بہادر وہ ہے کہ جو اپنے نفس پر غلبہ کرے"۔

اور یہ شجاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں جہادِ اکبر کے ساتھ تعبیر ہوئی ہے

اور شجاعت اوّل کے مقابلہ میں وہ جہاد جہادِ اکبر سے تعبیر ہوا ہے

لیکن حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کے بارے میں لازماً کہا جائے گا کہ آپؑ

الحق دونوں شجاعتوں کے مالک تھے اور اس کے بھی اعلیٰ ترین درجات پر فائز تھے اور ان کی نشانیوں میں سے ایک اس خطبہ کا کعبہ کی چھت پر خطاب کرنا ہے اور وہ بھی اپنے والد بزرگوارؑ اور بھائی والا مقام حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے سخت دشمنوں کے سامنے کمال قدرت اور قوتِ قلبی اور بدنی شجاعت کے اظہار کی آمادگی میں۔ حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کا یہ عمل قضاء و قدر الٰہی کے سامنے تسلیم مطلق سے ہے۔

اس خطبہ بلیغہ و نورانی سے آپؑ کے علم و کمالات اور معارفِ الٰہی سے اتصاف اور ولی اللہ حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کا اخلاق بھی ظاہر ہوتا ہے اور کیوں نہ اس طرح ہو در حالانکہ آپؑ نے ولایتِ الٰہی والدؑ اور اپنے بھائیوں کے دامن میں پرورش پائی ہے جو مظہرِ معارفِ الٰہی تھے۔

اور یہ خطبہ یہ بیان کرتا ہے کہ یہ ستارۂ درخشاں، خورشید درخشان امامت و ولایت سید الشہداء علیہ السلام میں فانی تھے۔

آپؑ بابُ الحسین علیہ السلام اور مرجع اولیائے الٰہی ہیں اور بہت سے مقربان اور بزرگانِ دین ان کے توسل اور ان کی عنایات سے مقامِ تقرب اور معرفتِ الٰہی کی طرف مائل ہوئے ہیں اور سوائے خدا اور اہل بیت علیہم السلام کے، کوئی بھی مولا عباس علیہ السلام کے مقام کی کنہ حقیقت سے آگاہ نہیں ہے۔

بحمد اللہ و المنہ برادر ارجمند جناب آقائے مہندس علی اصغر یونسیان جن کے حال میں لطفِ الٰہی شامل ہوا کہ جنہوں نے خود کو معارفِ اہل بیت علیہم السلام کی ترویج میں وقف کیا، یہاں تک کہ انہوں نے اس خطبہ کی فقرات کے اعلیٰ مضامین کے ساتھ بہترین طریقہ سے شرح فرمائی اور اس اہم امر میں مصداق "رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَأً أَحْيَى

"أَمْرَنَا" ہوئے۔

اسی طرح "مَنْ أَحْيَا أَمْرَنَا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ" کے مصداق ہوئے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے محبوں کے لئے سزاوار ہے کہ وہ اس خطبہ اور اس کی شرح سے حد اکثر استفادہ کریں اور شارح محترم کی قدردانی کریں۔ اور امیدوار ہوں کہ حقیر وفقیر سراپا تقصیر کو بھی اس خطبہ اور اس کے بیانات سے بہرہ وافر نصیب ہو

اور خاتمہ میں لازماً اس کا اعتراف کروں گا کہ شیعیان کے مہم ترین وظائف میں سے اہل بیت علیہم السلام کے آثار و معارف کی ترویج ہے اور اس امر مہم میں علماء و محققین محترم زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں۔

اور میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ ہم سب کو اپنے اولیاء کے فرمانِ نورانی کو ترویج دینے والے مومن اور مخلص میں سے قرار دے۔

شیخ جواد کربلائی تہران

سوم شعبان المعظم ۱۴۲۲ق

استاد محقق، حجۃ الاسلام والمسلمین جناب آقائے علی اکبر مہدی پور دام عزہ کا مقدمہ

ہزار کلمات سے ایک کلمہ:

اگر لکھنے والا اپنے ہاتھ میں قلم لے اور تاریخ کے واقعات میں سے کسی ایک موضوع پر ایک کتاب لکھے تو بہ تعبیرِ معروف ستر من کاغذ ہوگا اور تاریخ کے بہترین واقعات کی قسم اہل بیت عصمت طہارت علیہم السلام ہے۔

تاریخ کے تمام صفحات بھرنے والے بالکل تھوڑوں کے علاوہ زر وزور اور تزویر کے پیروکار اور حقوقِ بگیران بادشاہوں کے ہاتھوں میں تھے۔ اس لحاظ سے شرح زندگی اور لشکرکشی اور ظالموں کے ملک فتح کرنے کو شرح و باب اور لازم توجیہات کے ساتھ تاریخ کے صفحاتِ زریں میں سونے کے پانی سے لکھا گیا۔ اور شرح زندگی اُسوۂ بشریت اور اللہ کے برگزیدہ کو تو فراموش کر دیا گیا۔ لیکن دو صدیوں کی تھوڑی سی مدت میں (Napoleon Bonaparte)(۱۷۶۹-۱۸۲۱) کے بارے میں اور اس کی زندگی کے بارے میں ایک لاکھ کتابوں سے زیادہ کتب لکھی گئیں۔

حالانکہ آخری سفیرِ الٰہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے جو کتابیں چودہ صدیوں

میں تدوین ہوئیں، وہ بارہ ہزار کی تعداد تک بھی نہیں پہنچیں

آخری بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کو جو تدوین کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں وہ ۱۱۴۲۷ کتابیں بنتی ہیں۔[۱]

امیر المومنین علیہ السلام پر ۴۹۵۱ کتابیں لکھی گئیں۔[۲]

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا پر ۲۰۲۲ کتابیں لکھی گئیں۔[۳]

اور بقیۃ اللہ ارواحنا فداہٗ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں کی تعداد ۲۰۶۶ بنتی ہے۔[۴]

اور آئمۂ طاہرین علیہم السلام کی امہات میں سے کسی کی بھی والدہ کی تاریخ ولادت نہیں لکھی گئی، سوائے بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے۔

فقط تاریخ میں بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادت ثبت ہے اور وہ بھی دس اختلافات کے ساتھ۔[۵]

اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی تاریخ شہادت بھی بہت سے اختلافات کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔[۶]

۱۔ رفاعی۔ عبد الجبار معجم ماالف عن الرسول واہل بیتؑ = ج ۴، ص ۵۱۳

۲۔ رفاعی۔ عبد الجبار معجم ماالف عن الرسول واہل بیتؑ = ج ۶ ص ۵۲۹

۳۔ انصاری، اسماعیل، فاطمہ در آئینہ کتاب = ج ۴، ص ۷۳۰

۴۔ مہدی پور علی اکبر کتابنامہ حضرت مہدیؑ = ج ۲، ص ۷۹۷

۵۔ شیعہ محدثین اس کو بعثت کے پانچ سال بعد (کلینی، اصول کافی = ج ۱، ص ۴۵۸) اور عامہ مورخین بعثت سے پانچ سال پہلے مانتے ہیں۔ (ابن سعد، الطبقاتِ الکبریٰ = ج ۸، ص ۱۸)۔

۶۔ بی بی سیدہؑ کی شہادت کے بارے دس اقوال سے زیادہ ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور فقط وہ تاریخ روشن و آشکار جو بصورت شفاف معصومین علیہم السلام کی زندگی سے لحظہ بہ لحظہ تاریخ میں ثبت ہوئی ہے وہ عاشورِ کربلا کے حوادث ہیں۔ وہ بھی کئی گذارشیں تھیں جو حکمِ یزید پر سرزمین کربلا میں واقعات کے اتفاقات کو ثبت کرنے کیلئے موجود تھے وگرنہ ان تمام رشا، قربانیاں، رجز خوانی اور امام حسین علیہ السلام کے انصار کی مبارز طلبی بھی تاریخ میں چھپ جاتی اور ہم تک نہ پہنچتی۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: ۲۶)۔

۱۔ تین جمادی الثانی، شیخ طوسی مصباح المتہجد = ص ۹۳۔

۲۔ بیس جمادی الثانی، طبری، محمد بن جریر، دلائل الامامۃ = ص ۱۳۶

۳۔ تین ماہ رمضان، شبلنجی، محمد بن مومن، نور الابصار = ص ۷۰

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے چالیس دن بعد، مسعودی، مروج الذہب = ج ۱ ص ۴۰۳

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے دو ماہ بعد، شیخ احمد رحمانی، فاطمۃ الزہراءؑ = ص ۵۷۰

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے ۷۵ دن بعد، کلینی، اصول کافی = ج ۱، ص ۴۵۸

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے تین ماہ بعد، اصفہانی، ابوالفرج، مقاتل الطالبین = ص ۴۹

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے ۹۵ دن بعد، دولابی، ابوبشر، الذریۃ الطاہرۃؑ = ص ۱۵۲

۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے ۱۰۰ دن بعد، دینوری، ابن قتیبہ، المعارف [ص ۶۲

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے ۶ ماہ بعد، عسقلانی، ابن حجر، الاصابۃ [ج ۸، ص ۱۹۵

لامحدود سمندر سے ایک قطرہ

روایات کی سب سے بڑی قسمت جو اہل بیت علیہم السلام کے چشمے سے صادر ہوئیں۔ حاکموں اور ظالموں کے ظلم جوانہوں نے علمائے شیعہ اور ان کے گھروں اور کتب خانوں پر حملہ کر کے ضائع کردیں وگرنہ صرف جابر بن یزید جعفی نے امام باقر علیہ السلام کے محضر سے جو احادیث روایت کی ہیں وہ ستر ہزار (۷۰۰۰۰) ہیں۔[1]

بہت زیادہ سے صرف ایک مٹھی کے برابر اور بہت زیادہ سے بہت کم ہیں جو ہمارے شیعہ علماء کے آثار باقی رہ گئے ہیں۔

صرف امام جعفر صادق علیہ السلام کے درس میں ہزاروں محقق اور طلباء نے تربیت پائی کہ جن میں سے ۴۰۰۰ افراد کے نام "ابن عقدہ" نے اپنے رجال میں ذکر کئے ہیں۔

علامہ طہرانی نے تصریح کی ہے کہ یہ سب امام علیہ السلام کے شاگرد نہیں تھے بلکہ شیخ مفیدؒ اور دوسروں کی تصحیح کے مطابق یہ افراد امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب سے قابل اعتماد و استناد بھی تھے۔[2]

اور اخیراً محقق گرانمایہ علامہ قزوینیؒ نے ۵۰۰۰ افراد کے نام جو امام جعفر صادق علیہ السلام

۱۔ نیشابوری، مسلم، صحیح مسلم = ج ۱، ص ۲۰

۲۔ تہرانی، شیخ آقائی بزرگ، مصفی المقال = ص ۲۱

کے شاگرد ہیں، اپنے دائرۃ المعارف بزرگ میں ذکر کئے ہیں۔[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام کے شائستہ درس کے برجستہ اور فارغ التحصیل شاگردوں میں سے ایک "جابر بن حیان طوسی" ہے جو بابائے Chemistry کے نام سے مشہور ہیں جس کی کئی سو کتابوں کو ابن ندیم نے ثبت کیا ہے۔

ان کے طب و فلسفہ اور جبر و مثلثات فزکس Chemistry کے آثار کی تعداد کہ گنتی ۳۹۰۰ کو جمع کیا۔[2]

اور ان کے آثار میں حوزہ علمیہ میں اور اسلامی کتب خانوں میں آدھا حصہ بھی نہیں پایا جاتا۔

جلانے کا حکم:

غالباً یہ کتابیں آشوب میں اور ظالم حاکموں کے ہاتھوں سے شیعہ علماء کے گھروں میں آگ کے حوالے ہوگئیں۔

بیداد گران کے ایک حملہ میں جو ۴۴۹ھ میں شیخ طوسی کے گھر پر کیا گیا، اس میں گھر کے سب اثاثے، کرسی تدریس اور کتب وغیرہ مسجد نصر کے آگے لوگوں کے سامنے جلادیئے گئے۔

کہا گیا ہے = ان کتابوں کی تعداد جو اس میں جلائی گئیں تھیں، ۸۰۰۰۰

۱۔ سید محمد کاظم قزوینی، موسوعۃ الامام الصادق ۶۰ جلدوں میں ہے کہ جس کی ابھی تک صرف ۲۰ جلدیں شائع ہوئی ہیں۔

۲۔ ابن ندیم، الفہرست = ص ۴۲۰ تا ۴۲۳

جلدیں تھیں۔[1]

پھر ایک سال بعد ظالم بادشاہ اور پست فطرت نے شاپور بن اردشیر کے گھر وزیر علم دوست اور فضیلت پرور دیلمیوں کی نفیس کتب جن کی تعداد ۱۰۰۰۰، اور ۱۰۰ سے زیادہ قرآنِ پاک آگ کے حوالے کئے گئے۔[2]

اس آگ کا حکم سقیفہ میں خلیفہ کے ہاتھوں صادر ہوا اور اس نے پہلے پہل خانہ وحی کو جلایا۔[3]

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو جلایا گیا، اس کے بعد اہلِ مدینہ کے مصاحف کو جلایا گیا، اس کے بعد میراث فرہنگی عہد کہن کو جو اسکندریہ، فارس،

۱۔ عسقلانی، ابن حجر، الاصابۃ = ج ۵، ص ۱۵۳، ابن اثیر، الکامل = ج ۹، ص ۶۳۷، ابن جوزی، المنتظم = ج ۸، ص ۱۷۹، دوانی، علی ہزارہ، شیخ طوسی = ج ۱، ص ۱۷

۲۔ ابن اثیر، عزالدین شیبانی = ج ۹، ص ۳۵۰

۳۔ خانہ وحی کو آگ لگانے کے منابع بہت زیادہ ہیں۔ من جملہ ان میں سے یہ ہیں:

۱۔ ابن شیبہ، متوفا ۲۳۵ھ، المصنف = ج ۷، ص ۴۳۲

۲۔ ابن قتیبہ، متوفا ۲۷۶ھ، الامامۃ والسیاسۃ = ج ۱، ص ۱۹

۳۔ بلاذری، متوفا ۲۷۹ھ، انساب الاشراف = ج ۱، ص ۵۸۶

۴۔ طبری، ابن جریر، متوفا ۳۱۰ھ، تاریخ طبری = ج ۲، ص ۴۳۳

۵۔ مسعودی، متوفا ۳۴۶ھ، اِثبات الوصیۃ = ص ۱۴۲

۶۔ ابن عبدربہ، متوفا ۳۲۸ھ، عقد الفرید = ج ۳، ص ۶۴

۷۔ مقاتل، ابن عطیہ، متوفا ۵۰۳ھ، الامامۃ والخلافۃ = ص ۱۶۰

۸۔ شہرستانی، متوفا ۵۴۸ھ، الملل والنحل = ج ۱، ص ۵۷

۹۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ = ج ۲، ص ۵۶

۱۰۔ ابوالفداء، متوفا ۷۳۲ھ، المختصر فی تاریخ البشر = ج ۱، ص ۱۵۶

بغداد، اندلس اور اسی طرح کئی کتب خانوں کو خلیفہ کے پیروکاروں کے ہاتھوں، انہیں راکھ کے ڈھیر میں بدل دیا گیا۔[1]

اگر صدیوں کے دوران رونما ہونے والے المناک واقعات اور المناک برائیوں پر غور کیا جائے جو اہلِ بیت علیہم السلام کے محبوں پر آئیں اور جو کچھ آثار مکتوب ان حالات میں ہم تک صحیح وسالم پہنچے ہیں، تعجب کا مقام ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ ان میں سے بہت سے کام تمام تر وسیع امکانات کے باوجود، گھروں کے کونے کونے اور کتب خانوں میں نامعلوم ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی ناقص فہرست بھی ہم تک نہیں پہنچی۔

اور ان خزانوں میں صاحبِ "عبقات" مرحوم علامہ میر حامد حسین ہندی کا بے مثال کتب خانہ جو کہ ہند میں ہے، اِس کتب خانہ کی حدوداً ۲۰۰ سال پہلے سید محمد قلی (علامہ میر حامد حسین ہندی کے والد) کے توسط سے بنیاد رکھی گئی اور پھر ان کے بیٹے کے ہاتھوں میں اس کتب خانہ نے وسعت پائی اور پھر وہاں سے ان کے پوتے سید ناصر حسین کے توسط سے اس کتب خانہ نے اوج پایا اور پھر یہ کتب خانہ "ناصریہ" کے نام سے مشہور ہوا۔[2]

۱۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ = ج ۱، ص ۵؛ ابن السعد، الطبقات الکبریٰ = ج ۵، ص ۱۸۸؛ الطائی نجاح، السقیفہ = ص ۲۷۲

۲۔ ملیانی، سید علی نفحات الازھار = ج ۱، ص ۱۵۰

سوغاتِ ہند

یہ کتب خانہ لکھنؤ شہر میں قرار پایا۔ اس کتب خانہ میں میر حامد حسین ہندی کے دور میں نفیس کتب اور بے نظیر خطی و چاپی نسخوں کی تعداد ۳۰۰۰۰ تھی۔[۱]

اس کی تاسیس کے بعد دو صدیوں میں ہر سال ہزاروں کتابوں کا اضافہ ہوتا لیکن شیعیان ہند کی مشکلات کی وجہ سے جو ان کو پیش آتی تھیں، اس کتب خانہ کی فہرست شائع نہ ہو سکی۔

وہ رپورٹس جو اس لائبریری سے ہم تک پہنچی ہیں، اُن دوستوں کی طرف سے اطلاع دی گئی ہے جنہوں نے اس سرزمین کے قیمتی ذخائر کو تلاش کرنے کے لئے اس سرزمین کا سفر کیا اور ان نادر اور منفرد مخطوطات کی ایک بڑی تعداد کا جائزہ لیا ایک آرزو کی دنیا کے ساتھ کہ وہ تمام قیمتی کام ایک دوسرے پر ڈھیر ہو چکے ہیں، وہ اس کی بات کرتے ہیں اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ ایسے خزانے کو سینما گرانی کی بنیادی سہولیات حتیٰ کہ photocopy وغیرہ سے بھی محروم رکھا گیا ہے اور یہ اس انٹرنیٹ کے دور میں مظلومیتِ اہلِ بیت علیہم السلام کی دوسری گواہی ہے۔

انہی خزانوں میں سے ایک خزانہ کتاب "مناقب السادات الکرام" ہے جو سید

۱۔ تہرانی، شیخ آقا بزرگ، نقباء البشر، ج۱، ص۳۴۸

ین العارفین ہندی کی بہترین تحقیق کے ساتھ تالیف ہے۔

ہم مؤلف کے بارے میں مضمون کی تیاری کو ایک اور موقع پر اس امید کے ساتھ ملتوی کر رہے ہیں کہ ہم اس سسٹم کے ذرائع سے مزید معلومات عزیز قارئین کو فراہم کریں گے۔

ان قیمتی اشیاء میں سے ایک جو پوری تاریخ میں دردناک طور پر واقف محققین میں سے غائب ہے کہ جس کو اس محقق بے مثال نے بیان کیا ہے، وہ حضرت قمر منیر بنی ہاشمؑ کا کعبہ کی چھت پر خطبہ ہے۔ یہ خطبہ روزِ ترویہ "۸ ذوالحجہ ۶۰ ھ" میں کہ جب حسینیؑ قافلہ کوفہ (کربلا) کی جانب عازم ہونے لگا تو کعبہ کی چھت پر ہزاروں حاجیوں اور طواف کرنے والوں کے حضور میں دیا گیا کہ جس نے امام حسین علیہ السلام کے کعبہ کو چھوڑ کر کربلا کی جانب جانے کے راز سے پردہ ہٹایا اور قربانی کی جگہ منیٰ سے عشق کی قربان گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

خُطبہ کی خصوصیات

سردار کربلا کا ایک خطبہ کہ جس میں زمان و مکان کی خاص شرائط ہیں کہ جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ یہ خطبہ دینے والے حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام ابن امیر المومنین علی علیہ السلام ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں، جو بلا منازع صدیوں اور اعصار کے طول میں خطابت کے منبر کے استاد ہیں۔

اس خُطبہ میں جو حاضرین تھے، جنہوں نے اس خطبہ کو سنا، انہوں نے کئی سال ان کے والد گرامی یعنی امیر المومنین علیہ السلام سے خطبات سنے تھے۔ ان کے بیان کی کیفیت کے کلمات ادا کرنا یہاں تک کہ ان کو امیر المومنین علیہ السلام کا لہجہ بھی یاد تھا۔

۲۔ خطبہ دینے کا دن روزِ "ترویہ" یعنی آٹھویں ذوالحج کا دن ہے کہ جس دن حجاج بیت اللہ نے اپنے احرامِ عمرہ اُتار کر اعمالِ حج تمتع کے لئے احرام باندھے اور کنویں سے آبِ زمزم اٹھانے کیلئے کعبہ کے پاس آئے تو ان کو حضرت عباس علیہ السلام کا خطبہ سننا پڑا اور پھر سقائے کربلاؑ کے پاک صاف چشمے سے انہوں نے آبِ حیات اُٹھایا۔

۳۔ خطبہ کی جگہ کعبہ کی چھت ہے۔ یہ وہی نقطہ ہے جہاں سے اُن کے والد بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر سوار ہو کر اوپر گئے اور خدا کے گھر سے لکڑیوں اور پیتل کے بتوں کو چھت سے نیچے پھینکا اور خدا کے گھر کو بتوں سے پاک کیا۔[1]

اور آج ان کے فرزند دلبند اپنی شجاعت اور بے نظیری کے ساتھ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہیں اور اُموی سپاہی جنہوں نے لباس بدل کر اطراف کعبہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا، خطبہ دیا اور یزید کی شیطان صفت قدرت کو چکنا چور کر دیا اور سب گوشتی بتوں کو دلوں سے توڑ دیا اور معاویہ کے بیٹے کی خیانتوں سے پردہ اٹھالیا۔

۴۔ اور حاضرین کا ایک گروہ جو چار ماہ سے اِس انتظار میں تھا کہ ایامِ حج پہنچ گئے اور خوش تھے کہ اس سال سید الشہداء علیہ السلام کے محضر میں حج بجا لائیں گے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ حجتِ خدا، خدا کے گھر کو چھوڑ رہا ہے اور بیابان کی طرف جا رہا ہے، سب کے سب حیران تھے اور اِس اچانک سفر سے بے خبر تھے کہ اچانک امیر المومنین علیہ السلام کا بیٹا خانہ کعبہ کی چھت پر گیا اور اس پُرخطر سفر سے پردہ ہٹایا۔

۵۔ بنی ہاشم کا نوری چاند جو اُفقِ کعبہ سے چمک رہا تھا اور ہزاروں حاجیوں نے اپنی انگشت، حیرت سے اپنے دندان میں دی ہوئی ہے اور ان کو مخاطب کر کے آواز دیتے ہیں:

اے گروہ مہاجر و انصار! یہاں خدا کا گھر ہے یہ حرم امنِ الٰہی ہے،

۱۔ قندوزی، سلیمان بن ابراہیم = ج۱ ص۴۲۱

یہاں پر خدا کے فرمان سے پرندگان اور تمام جانور اس مکان میں ہر تعرض سے پاک ہوں لیکن فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار اور ابنِ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور فقط حجتِ خدا علیہ السلام یہاں پر امان میں نہیں۔

اور یہ حرمِ خدا کی رعایت کے لئے ناگریز ہے اور اس دن کہ سب عرفات کی طرف حرکت دے رہے ہیں اور یہ "امام حسین علیہ السلام" اس سرزمینِ مقدس کو ترک کر کے "مشعر" و "منیٰ" کی جگہ پر سرزمینِ کربلا میں وقف کرے گا۔

اور خانۂ خدا کی جگہ پر خیام کا طواف کرے گا اور "جمرات" کی جگہ پر پتھروں کو "جبت" و "طاغوت" کی طرف پھینکے گا۔ اور ایک قربانی کی جگہ پر اس دعا کو ۷۲ قربانیوں پر تلاوت کرے گا۔

یہاں تک کہ یہ "امام حسین علیہ السلام" اس وسیلہ سے اپنے جدّ بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی پسرِ ہند جگر خوار سے محافظت کرے گا۔

۶۔ خطیبِ کعبہ نے پہلے اپنی زبان پر حمد جاری کی اور اچانک ایک چھوٹا سا اشارہ کعبہ کی عظمت کی طرف کر کے ایک راز سے پردہ ہٹایا۔

اے خدا کے گھر کا طواف کرنے والو! کیا تم جانتے ہو سب نے خوشحال اور سبز زمینوں کو چھوڑ کر صرف اس زمین کو یہ شرافت اور اختصاص بخشا کہ تمام انسان تمام اقطار اور اکنافِ جہان سے عبادت کے وقت اس گھر کی طرف اپنا سر جھکاتے ہیں اور یہاں پر امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت کی جگہ ہے۔

اس عبد صالح علیہ السلام کی ولادت نے اس مکان مقدس کو یہ شرف و افتخار بخشا کہ اس مکان کو قبلہ بنا دیا۔

۷۔ اس وقت خطیبِ کعبہ نے حکومتی چیلوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کمال شجاعت وشہامت سے فرمایا:

أَيُّهَا الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ....

"اے بدترین کافرو اور فاجرو!"۔

یہ ان کے والد بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے کی شبیہ ہے جو انہوں نے جنابِ محسن علیہ السلام کی شہادت کے وقت دیا جب ملکۂ دو جہاں سیدہ نساء العالمین حضرت زہراء سلام اللہ علیہا زمین پر گریں، اس وقت آپؑ نے فدک کے چوروں اور جنابِ محسن علیہ السلام کے قاتلوں سے فرمایا:

أَيَّتُهَا الْغَدَرَةُ الْفَجَرَةُ، وَ النَّطَفَةُ الْقَذَرَةُ.

"اے دغاباز و پیمان شکن، اے تباہ کار حد شکن!"۔[1]

گویا کہ خطیبِ کعبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ بہت نزدیک ہے کہ گلستانِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نازک پھول محسن علیہ السلام کی طرح زمین پر گریں گے اور اس کے ذریعے ان کو اس دروازہ کے بارے میں پہلے سے آگاہ کر رہے ہیں۔

۸۔ ان ظالموں اور راہزنوں کے واقعات بتانے کے بعد حجت خداؑ کی عظمت بتاتے ہوئے فرمایا:

قَدِ اسْتَلَمَ النَّاسُ الْحَجَرَ وَ الْحَجَرُ يَسْتَلِمُ يَدَيْه.

"بے شک لوگ حجرِ اسود کو چومتے ہیں اور حجرِ اسود میرے مولا علیہ السلام کے ہاتھوں کو چومتا ہے"۔

۱۔ میر جہانی، سید محمد حسین طباطبائی، جنۃ العاصمہ = ص ۲۵۲؛ مستدرک، نہج البلاغہ = ج ۱ ص ۲۸۵؛

گویا فرزدق شاعر خطیبِ کعبہ کے اس اعلیٰ کلام سے متاثر ہوا۔ اور امام سجاد علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے:

يَكَادُ يُمْسِكُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهِ
رُكْنُ الْحَطِيمِ إِذَا مَا جَاءَ يَسْتَلِمُ

"وہ حجرِ اسود کو بوسہ دیتا ہے لیکن حجرِ اسود ہے جو اس کے ہاتھ کو اپنی جان کی طرح آغوش میں لیتا ہے"۔[1]

۹۔ اس وقت تقدیرِ الٰہی کے سامنے تسلیم کا اعلان کر کے فرماتے ہیں:

اگر لوح پر شہادت مقدر نہ ہوتی:

لَوَقَعْتُ عَلَيْكُمْ كَالسَّقْرِ الْغَضْبَانِ۔

"خدا کی قسم! اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تم پر اس طرح حملہ کرتا جیسے کہ عقاب غضبناک ہو کر اُڑتا ہوا چڑیوں پر حملہ کرتا ہے"۔

۱۰۔ اس وقت اپنے باباؑ کے دور میں بچپن کی جانبازیوں کو جو صفین میں جنگ لڑی، اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

کس طرح ایک شامی پہلوان "ابو شعثاء" کو اس کے سات بیٹوں کے ساتھ جہنم کی طرف روانہ کیا۔[2]

اور فرمایا:

أَتُخَوِّفُونَ قَوْماً يَلْعَبُ بِالْمَوْتِ فِي الطُّفُولِيَّةِ۔

۱۔ سبکی، ابونصر، الطبقات الشافعیة = ج ۱ ص ۱۵۳

۲۔ عبدالرزاق، العباس مقرم = ص ۱۵۳، بنقل از محمد باقر بیرجندی، الکبریت الاحمر = ج ۳ ص ۲۴

"کیا تم حیدر کرارؑ کے بیٹوں کو موت سے ڈراتے ہو جو بچپن میں موت سے کھیلتے تھے"۔

۱۱۔ پھر یاد دلا کر فرمایا: یہ سفر خطرے سے گریز کرنے کے لئے نہیں بلکہ "بہترین انتخابِ شہادت" ہے کیونکہ یہ سالارِ ابنِ مولا متقین علیہ السلام ہے۔ جو فرما رہا ہے:

لَأَلْفُ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ أَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ مِيتَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ۔

"میرے لئے تلوار کی ہزار ضربیں اطاعت خدا سے الگ ہو کر بستر پر مرنے سے بہتر ہیں"۔[1]

اگر سید الشہداء علیہ السلام آج خانہ کعبہ سے کوچ کر رہے ہیں تو یہ حریمِ کعبہ کی حفاظت کے لئے ہے کہ یہ امام حسین علیہ السلام کے قتل سے حریمِ خانہ خدا کو توڑیں گے ورنہ اس خاندان کے ساتھ شہادت جدا ہونے والی نہیں۔

اس وقت بیدار وجدانوں کو مخاطب قرار دے کر انصاف کے لئے طلب کیا کہ اب فیصلہ کرو کہ کون سا راستہ کرامت وفضیلت کا راستہ ہے؟۔

آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پُر افتخار پرچم کے نیچے قتل ہونا ہے یا پھر پسرِ ہند جگر خوار کی ذلت کے سائے میں زندہ رہنا ہے، جس نے مسندِ رسالتؐ پر تکیہ کیا ہوا ہے۔ اعلانیہ شراب پیتا ہے اور آشکارا شطرنج کھیلتا ہے؟۔

۱۲۔ اس وقت ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

اگر آج معاویہ کا بیٹا ابنِ فاطمہ سلام اللہ علیہا پر ناجوانمردانہ حملہ کرتا ہے تو یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔ یہ طریقہ تو انہوں نے سقیفہ سے وراثت میں لیا ہے جو انہوں

۱۔ سید رضی، نہج البلاغہ = خطبہ: ۱۲۳

نے "عقبہ" میں جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کیا لیکن اللہ نے وحی کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ارادوں سے آگاہ کیا۔[1]

اس کے بعد آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی بے دریغ حمایت میں تاکید کر کے فرمایا:

جب تک میرے بابا علیہ السلام زندہ تھے تو قریش کے تمام نقشوں پر پانی پھیر دیتے تھے اور جب تک اُم البنین سلام اللہ علیہا کا بیٹا زندہ ہے کسی میں جرأت نہیں کہ ابنِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس آسکے۔

۱۔ اس داستان کی تشریح اور اسناد اور منابع کے ساتھ کتاب (هل اغتیل النبی؟) نجاح الطائی کا مطالعہ فرمائیں

خُطبہ کی سند

اس توجہ کے ساتھ کہ کسی بھی صورت میں "مناقب السادات الکرام" تک ہماری دسترسی نہیں اور قمر منیر بنی ہاشم علیہ السلام کی طرف اس خطبے کے انتساب کے علاوہ ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں سوائے بلند تعبیرات اور نورانی الفاظ اور بہت مطالب رکھنے والا خطبہ جو مقام والا سے ادا ہونے کی حکایت کرتا ہے اور یہ بھی ایک اثبات کا راستہ ہے اور ایک ایک لفظ جو خطیب کی طرف نسبت دیتا ہے۔

جب مرحوم آیۃ اللہ کاشف الغطاء سے "دعائے صباح" کی سند کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

"صاحبانِ علم کے لئے ایک فرہنگ و اسلوب ہے۔۔۔۔اور خاندان عصمت و طہارتؑ کے لئے بھی ایک خاص شیوہ ہے اور جو ان کی پُرمخصوص گفتگو سے آشنا ہیں وہ صدورِ دعائے صباح کی اس خاندان سے رد کا راستہ نہیں دیتے"۔[1]

ابنِ ابی الحدید معتزلی بیار دلانی کے جواب میں جو خطبہ شقشقیہ کے انتساب کی تردید کرتے ہیں، لکھتا ہے:

۱۔ کاشف الغطاء، الفردوس الاعلیٰ=ص ۵۰

"۶۰۴ھ میں یہ خطبہ میں نے "ابن خشاب" کے محضر میں پڑھا اور اس سے اس خطبے کے انتساب کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا: خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ یہ خطبہ امیر المومنین علیہ السلام نے ہی بیان کیا ہے"۔[1]

وہ تفصیل جو اس خطبے کی پہچان کرواتی ہے۔ معارف والا، حقائق درخشاں، روشن معانی اور وہ مطالب جو خطیبِ کعبہ نے نادر اسلوب کے ساتھ اور شیوا بیان اور عالی تعبیرات اور منطقی استوار جو اس خطبے میں استعمال ہوا ہے، ہمیں ہر طرح سے سند و منبع سے بے نیاز کرتا ہے کہ ایسے روشن حقائق اور درخشاں دقائق جو ہرگز کسی بھی دوسرے منبع سے سوائے ولایت کے چشمے سے جاری نہیں ہو سکتے۔

شارحِ خطبہ:

مؤلف ارجمند کہ جس نے اس خطبے کی شرح کی توفیق حاصل کی، یہ اس سرحد اور ماحول کی معروف خصوصیات میں سے ایک ہے کہ عزیز قارئین کی اکثریت ان کے گراں قدر کاموں سے واقف ہے۔

ان کی ساری عمر پُر برکت تعلیم و تربیت اور تالیف و تحقیق کے سپرد ہوئی۔ کئی سال بارگاہِ ملکوتی حضرت ثامن الحجج علی ابن موسی الرضا علیہ السلام کے کنارے میں شاگردوں کی تربیت کی اور کئی سالوں تک حریم ولایت کی حمایت میں کوشش کی۔

اور حضرت احدیت کی نعمتوں میں سے جوان پر ہے طبع روان اور ذہن جو سبب ہوئی اہلِ بیت علیہم السلام کے گلستان کو خوبصورت انداز سے ان کے محبوں تک پہنچایا۔

۱۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ= ج ۱، ص ۲۰۵

من جملہ ان میں سے یہ ہیں:

۱۔ ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در مناقب و مصائب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا۔
۲۔ زمزمہ ی انتظار، یار کے منتظروں کا زبان حال۔
۳۔ نجوای منتظران، محبوب برہان کی آنکھوں کی زبان۔
۴۔ نغمہ ی انس، منتظران کے خلوت میں۔
۵۔ نوای فراق، دنیا کی جان کے ساتھ انس۔
۶۔ گردی از رہگذر دوست۔
۷۔ خطیبِ کعبہ (کتاب حاضر) اور دوسری تالیفات۔

خدا سے امید ہے کہ ان کی تمام توفیقات کو ترویج علوم نورانی اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام میں قرار دے اور آخرت میں بھی ان کے خاندان کے ساتھ محشور کرے۔

میلادِ مسعود "موعودِ کعبہ" کے آستانہ میں دعا کرتے ہیں کہ حضرت بقیۃ اللہ الاعظم حجۃ ابن الحسن المہدی علیہ السلام ارواحنا فداہ کے ظہور میں تعجیل فرمائے اور ظہور میں جو چیزیں مانع ہیں برطرف کرے اور تفضلاً اس کتاب لکھنے والے اور پڑھنے والوں کو فائزین کی لسٹ میں قرار دے۔

اور اس حقیر ناچیز کی خدمت پر بھی امام زمانہ علیہ السلام کے دستخط فرمائے آمین۔

علی اکبر مہدی پور

چہارم شعبان ۱۴۲۲ق

سال روز میلادِ مسعود قمر العشیرۃ خطیبِ کعبہ

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام، حوزہ علمیہ، قُم

مقدمۂ مؤلف ۔۔۔۔"اشاعتِ اوّل"

کَلَامُکُمْ نُورٌ وَ أَمْرُکُمْ رُشْدٌ وَ وَصِیَّتُکُمُ التَّقْوٰی۔

دین کے مقابلے میں ہماری ذمہ داری:

قدر مسلم صادق مکتب کے پیروکار۔اگر متعہد ہوں۔اس مکتب کے احکام کی ترویج اور اعتقادی و اخلاقی اجتماعی طور پر خود مختار مکلف جانتے ہیں

اور مکتب ہمیشہ کوشش میں ہیں کہ دوسرے مذاہب کا راستہ روکا جائے، ان کے عقائد اور افکار میں شدید اختلاف تھا۔انہوں نے کیا مال اور کیا جان کسی بھی معاملہ میں دریغ نہیں کیا، یہاں تک کہ اپنی جان قربان کر دیتے ہیں

ہزاروں قاطع و محکم دلائل جو ادیان سلف و مکاتب بشری میں موجود ہیں کہ فقط اسلام" آخری دینِ الٰہی" ہے اور اس کی اعلیٰ تعالیم تمام علوم و تعالیم کا سر آمد تھا اور اس کے پیروکار اس صورت میں کہ ان کے قلوب محبتِ خدا اور اولیاء اللہ سے سرشار ہو اور بغض دشمنِ خدا اور اولیاء خدا سے بھی سرشار ہو۔اپنی تمام ہستی کے ساتھ بقائے دین کی کوشش میں ہوتے ہیں اور ہر گز مخالف کے سامنے سرتسلیم و ذلت کو خم نہیں کرتے۔

وہ آگے بڑھتے ہوئے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹاتے، اسلام عالمی دین ہے۔اس میں جو پیشوا ہیں، وہ خدا کے پرورش یافتہ ہیں۔وہ تمام مخلوق پر اللہ کی حجت اور تراجم

وحی و معادن رحمت اور علم و معرفت الٰہی کے خزانے ہیں اور ان کے سب سے پہلے وجود نورانی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخری امام مہدی علیہ السلام ہیں۔جس نے ان کے آگے اوامر و نواہی میں سر تسلیم کیا، اُس نے دنیا و آخرت کی سعادت کو حاصل کرلیا۔

ہر مسلمان مومن متعہد ہو اور اپنی ذمہ داری میں علم نورانی پڑھے، پھر اس پر عمل کرے، پھر اس کی ترویج کرے، پھر اُسے پڑھائے چاہے وہ اپنے لوگ ہوں یا بیگانہ۔

احادیث معصومین علیہم السلام جو قرآن کی توضیح و شرح اور ہیں و تفسیر ہیں، سالکین الی اللہ کے لئے بہترین رہنما اور راہگشا ہیں۔

لازماً بہت بڑے اہتمام سے دوسروں کو پڑھانے کے لئے انتظام کئے جائیں دل دنیا کی مصروفیات کے اثر میں مرجاتے ہیں اور اپنی حیاتِ معنوی کو ضائع کر دیتے ہیں اور احادیثِ اہلِ بیت علیہم السلام یہ ہیں کہ ان دلوں کو حیات بخشتی ہیں۔

عامل حیات اور جلائے قلوب:

امام محمد باقر علیہ السلام نے فضیل سے فرمایا:

یَا فُضَیْلُ إِنَّ حَدِیْثَنَا یُحْیِی الْقُلُوبَ۔۔۔۔[1]

"اے فضیل! بیشک ہماری احادیث دلوں کو زندہ کرتی ہیں"۔

اور دوسری روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ ایمان وولایت سے فرماتے ہیں:

۔۔۔۔تَذَاکَرُوا وَ تَلَاقَوْا وَ تَحَدَّثُوا فَإِنَّ الْحَدِیْثَ جَلَاءُ الْقُلُوبِ

إِنَّ الْقُلُوبَ لَتَرِیْنُ کَمَا یَرِیْنُ السَّیْفُ وَ جَلَاؤُهُ الْحَدِیْثُ۔۔۔۔[2]

۱۔ بحار الانوار، الجامعة لدرر اخبار الأئمة الأطهار علیہم السلام = ج ۲،ص ۱۴۴، ح ۵

۲۔ بحار الانوار، الجامعة لدرر اخبار الأئمة الاطهار علیہم السلام = ج ۲،ص ۱۵۲، ح ۴۵

"آپس میں مذاکرہ وملاقات کرواور ایک دوسرے کو ہماری احادیث سناؤ کیونکہ ہماری احادیث دلوں کو جلاء وشفافیت بخشتی ہیں۔ بیشک دلوں کو زنگ (غفلت و گناہ) لگتا ہے جیسے تلوار کو زنگ لگتا ہے اور وہ زنگ اتارنے کا عمل ہماری احادیث کرتی ہیں"۔

یہ ایک شرعی حکم ہے کہ ایک دوسرے کے پاس ملاقات کو جائیں اور کلام نورانی اہلِ بیت علیہم السلام کا افراد کے درمیان ردوبدل ہو اور وہ جو اطلاع نہیں رکھتے وہ حاصل کرلیں۔

احیائے امر:۔

احیائے امر آلِ محمد علیہم السلام جو احادیث میں بہت زیادہ تصریح ہوا ہے، یہی تعلیم و تعلم اور ان علوم پر عمل ہے جو عین علوم قرآن ہے۔

ابا صلت ہروی ثامن الآئمہ امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے قول سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بزرگوار فرماتے ہیں:

.... رَحِمَ اللّٰهُ عَبْداً أَحْيَا أَمْرَنَا فَقُلْتُ لَهُ فَكَيْفَ يُحْيِي أَمْرَكُمْ قَالَ يَتَعَلَّمُ عُلُومَنَا وَ يُعَلِّمُهَا النَّاسَ فَإِنَّ النَّاسَ لَوْ عَلِمُوا مَحَاسِنَ كَلَامِنَا لَاتَّبَعُونَا.... [1]

"اللہ اس بندے پر رحم کرے جو ہمارا امر زندہ کرے۔ (راوی) کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا = کیسے آپؑ کے امر کو زندہ کرے؟ فرمایا: ہمارے علوم کو سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ اگر لوگ ہمارے محاسن کلام کو جانیں گے تو یقیناً ہماری پیروی کریں گے"۔

۱۔ معانی الاخبار = ج ۱ ص ۱۸۰

لوگ اہلِ بیت علیہم السلام کے کلام کی خوبصورتی سے واقف نہیں ہیں۔ اگر لوگ واقعی سپاہی امام زمانہ علیہ السلام ہیں اور احسان اہلِ بیت علیہم السلام کے دسترخوان سے روزی لیتے ہیں اور خود کو واقعی مکتب امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد مانتے ہیں تو ان کو اس اہم ترین تکلیف۔۔۔۔ یعنی تعلیم و تعلم اور ان علوم خاندانِ رسالتؐ پر عمل اور ان کے کلام کی ظرافت کو بیان کرنا ہوگا اور ہر امر سے پہلے اس کا اہتمام کرنا ہوگا۔

کلام اور فلسفہ و متکلمین و عرفاء کے دریا میں غوطہ لگانا، جو عرفان معصومین علیہم السلام سے ایک سواسی درجہ اختلاف رکھتا ہے، سوائے عمر ضائع کرنے کے کچھ نہیں۔

اس زندگی کو آخرت کی آبادی کیلئے کیوں صرف نہیں کرتے، کیا فائدہ ہے اس کا؟

کون سا کلام نور ہے؟

شاید یہ سوال از نظر فرد ایک مخصوص جواب رکھتا ہو۔ امام ہادی علیہ السلام فرماتے ہیں:

... كَلَامُكُمْ نُورٌ، وَ أَمْرُكُمْ رُشْدٌ، وَ وَصِيَّتُكُمُ التَّقْوٰى.... [1]

"آپؑ اہلِ بیت علیہم السلام کا کلام نور ہے اور آپؑ کا امر عامل سعادت و رشد معنوی انسان ہے اور آپؑ کی وصیت تقویٰ ہے"۔

اور وہ کلام جو آپؑ کے گھر سے نہ نکلا ہو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

فضیل کہتا ہے کہ مَیں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ انہوںؑ نے فرمایا:

.... كُلُّ مَا لَمْ يَخْرُجْ مِنْ هٰذَا الْبَيْتِ فَهُوَ بَاطِلٌ.... [2]

۱۔ المزار الکبیر = ج ۱ ص ۵۲۳

۲۔ بحار الانوار، الجامعۃ لدرر اخبار الآئمۃ الاطہار علیہم السلام = ج ۲ ص ۹۴

"ہر وہ علم جو بیت "رسالت و طہارت علیہم السلام" سے خارج نہ ہو وہ باطل ہے"۔

شیعہ کو چاہیے محبت و اطاعتِ آل محمد علیہم السلام سے متمسک ہو۔ والّا اپنا نام شیعیان کے رجسٹر سے خارج کردے کیونکہ وہ جھوٹا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

....كَذَبَ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ مِنْ شِيعَتِنَا وَ هُوَ مُتَمَسِّكٌ بِعُرْوَةِ غَيْرِنَا....[1]

"جھوٹ بولتا ہے وہ (شخص) جو یہ گمان کرے کہ وہ ہمارا شیعہ ہے لیکن تمسک ہمارے غیر سے رکھتا ہو"۔

علی اصغر یونسیان تہران

شعبان المعظم ۱۴۲۲ قمری

۱۔ صفات الشیعۃ = ج ۱، ص ۳

مقدمۂ مؤلف

انسان کی اہمیت کا معیار

ہر انسان کی منزلت و مقام اور اہمیت اس سے ہے کہ وہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی روایات سے کتنا آشنا اور ان پر کتنا عامل ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

....اِعْرِفُوا مَنَازِلَ النَّاسِ مِنَّا عَلَى قَدْرِ رِوَايَاتِهِمْ عَنَّا....[1]

"لوگوں کی منازل کو پہچانو کہ وہ کس قدر ہم سے روایات کرتے ہیں یعنی اگر چاہتے ہو کہ لوگ ہماری نظر میں کتنی اہمیت رکھتے ہیں تو ان کے لئے میزان ہماری روایات ہیں۔ ان روایات کے میزان میں ان کو تولو۔ جو جتنا ہماری روایات سے آشنا ہوگا، وہ اتنا ہی ہماری نظر میں مقرب ہوگا"۔

روایت میں درایت، روایت نقل کرنے کے علاوہ ہے۔

آئمہ علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو اور دوسرے لائق افراد کو کلام سمجھنے کا کہا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

۱۔ بحار الانوار، الجامعۃ لدرر اخبار الائمۃ الاطہار علیہم السلام = ج ۲، ص ۱۵۰، ح ۲۴

....یَا بُنَیَّ اِعْرِفْ مَنَازِلَ الشِّیْعَةِ عَلٰی قَدْرِ رِوَایَتِهِمْ وَ مَعْرِفَتِهِمْ فَإِنَّ الْمَعْرِفَةَ هِیَ الدِّرَایَةُ لِلرِّوَایَةِ وَ بِالدِّرَایَاتِ لِلرِّوَایَاتِ یَعْلُو الْمُؤْمِنُ إِلٰی أَقْصٰی دَرَجَاتِ الْإِیْمَانِ....[1]

"اے میرے بیٹے! منزلت شیعہ کو میزان روایت سے (وہ جو اس نے ہم سے یاد کئے ہیں اور اس پر عمل کرتا ہے) اور ان کی معرفت (معرفت خدا اور اہل بیت علیہم السلام اور وحقائقِ امور جو قرآن نے بیان فرمائے ہیں) کو پہچانو۔ بیشک معرفت، روایت میں دقت درایت و فہم ہے۔ درایت کے وسیلے سے جو مومن روایت کرتا ہے، وہ ایمان کے بالاترین درجوں تک دسترس حاصل کرلیتا ہے"۔

مروج آثار:۔

اگر انسان یہ توفیق نہیں رکھتا تو اُسے چاہیے کہ وہ اللہ سے تمنا کرے کہ وہ اہل بیت علیہم السلام کے آثار کے مروجین میں سے ہو۔

منحرفین حق کی زندگی پر کتابیں لکھنے کے بجائے اہل بیت علیہم السلام کے نورانی کلام کے دقائق ورقائق اور اشارات وتصریحات سمجھ کر اس کے بعد انہیں نشر کرے۔

جب انسان کو قبر میں اتاریں گے تو اس سے یہ تو نہیں پوچھیں گے کہ تم نے فلاں مولوی کے کلام پر تحقیق کیوں نہیں کی بلکہ فقط یہ پوچھیں گے کہ ہم نے قرآن اور آئمہ علیہم السلام کا کلام تمہارے لئے مقرر کیا تھا، اس سے کیا لائے ہو؟

ایک دعا میں جو ابنِ طاؤس نے شیخ مفیدؒ سے نقل کی ہے، آیا ہے:

۱۔ معانی الاخبار = ج ۱، ص ۱

وَ جَعَلْتَ الْجَنَّةَ مَعَادَ مَنِ اقْتَصَّ آثَارَهُمْ۔[1]

"پروردگارا! جنت اس کا مکان قرار دے جنہوں نے ان کے آثار کی ترویج کی"۔

اور "زیارتِ جامعہ کبیرہ"[2]۔ ایک امام جو مورد زیارت ہیں عرض کرتے ہیں:

وَ جَعَلَنِیْ مِمَّنْ یَقْتَصُّ آثَارَکُمْ وَ یَسْلُکُ سَبِیْلَکُمْ وَ یَهْتَدِیْ بِهُدَیٰکُمْ۔

"مجھے ان کے زمرے میں قرار دے جو آپؑ کے آثار کی ترویج میں نکلے اور آپؑ کے راستے سے متصل ہوئے اور آپؑ کی رہبری سے انہوں نے ہدایت پائی"۔

معرفتِ آلِ محمد علیہم السلام:۔

ایک کلام جو معرفتِ آلِ محمد علیہم السلام میں بولا جائے، وہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ایک جہان ان کا دشمن ومخالف تھا اور وہ صدر اسلام سے لیکر اپنی نابودی تک اہل بیت علیہم السلام اور ان کے علوم اور ان کے معارف کو ختم کرنے کی کوشش میں تھے اور ہیں۔

تمام جنگیں گرفتاریاں جو خود خاندان رسالت نبوت یا پھر ان کی اولاد یا پھر ان کے محبوں سے واقع ہوئیں ہیں، وہ صرف اس لئے تھیں کہ آلِ محمد علیہم السلام اور ان کے علوم کو ختم کردیا جائے اور وہ جو خصوصاً ان بزرگواروں کا دفاع کرتے ہیں پھر وہ زبانی یا عملی۔ وہ اللہ اور حجج بالغہ الٰہی کیلئے مورد توجہ قرار پاتے ہیں اور رُتبہ معنوی حاصل کرتے ہیں۔

۱۔ مصباح الزائر = ج ۱، ص ۱۷۲

۲۔ مفاتیح الجنان، محدث قمی

ان میں سے کہ جن وانس نے ان کے مقام پر رشک کیا اور غبطہ کھاتے ہیں وہ جگر گوشہ مولا علی علیہ السلام اور میوہ قلب اُم البنین سلام اللہ علیہا حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام ہیں۔

حتیٰ کہ ان کی محبت ارامنہ، زرتشتی اور آسوریوں کے نزدیک زبان زد خاص و عام ہے۔

اور سب اس کو بعنوانِ باب الحوائج یعنی وہ دروازہ کہ اگر کوئی اس سے داخل ہوتو حتماً اس کی حاجات پوری ہوں گی۔ پہنچاتے ہیں۔

اور وہ واقعاً اپنے امامِ زمانہ یعنی امام حسین علیہ السلام میں فانی تھے اور امام حسین علیہ السلام کو بعنوانِ دینِ مجسم پہچانتے تھے اور اپنے خدا کے مقامِ عبودیت و بندگی میں ممتاز تھے۔

لہٰذا اُن کو لقب "عبد صالح" دیا گیا، سب سے بڑا مقام غیر امام کے لئے یہ ہے کہ یہ لقب ان کو امام علیہ السلام نے عطا کیا ہے اور کسی کی شائستگی اور بندگی پر امامؑ دستخط کریں تو وہ یقیناً موردِ تائید خداوند ہے۔

قدر مسلم حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کے اقوال و سیرت موجود تھی لیکن افسوس کے ساتھ کہ یا تاریخ نے ان کو ثبت نہیں کیا یا پھر جنگوں میں جلا دیا گیا۔

علی اصغر یونسیان تہران
شعبان المعظم ۱۴۲۲ قمری

خُطبہ حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام

اخیراً ایک خطبہ جو ہمارے ہاتھوں میں آیا، اس کو کعبہ کی چھت پر اس دن کہ امام حسین علیہ السلام نے قصد ترکِ کعبہ کیا۔ یعنی آٹھ ذوالحج الحرام سال ۶۰ ہجری کو خطبہ دیا۔

یہ خطبہ کتاب "مناقب ساداۃ الکرام" تالیف سید عین العارفین ہندی میں ہے اور کتب خانہ علامہ میر حامد حسین ہندی میں موجود ہے کہ جو برادر عزیز انجینئر آقائے سجادی نے ہمیں دیا اور ہم نے ان کی اجازت سے اس خطبہ کے ایک ایک جملے کی تشریح کی۔

اسی صورت میں جس صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ہم اصل کتاب تک تو دسترس نہیں رکھتے تھے، فقط اس سے خطبہ لکھا ہوا ہمیں ملا۔ لہٰذا از حیث روات و ناقلین کو ہم نے بیان نہیں کیا۔

وہاں سے جہاں وجود مقدس امام حسین علیہ السلام کی حمایت اور ان کے نسب اور ان کے لئے جوان کو قتل کرنے کے لئے آئے بیان کیا ہے۔

تقدیر:۔

مَیں خود پر لازم جانتا ہوں کہ عالم جلیل و عالم نبیل، معلمِ ولایت و اخلاق حضرت

ان کے کلام کی خوبصورتی کو انہوں نے جو تشخیص دی ہے، وہ ہے "کلامِ نور" اور مجھ سے اظہار کیا کہ یہ خطبہ سند کا محتاج نہیں۔ خطبہ خود گویا ہے کہ یہ حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کے سینہ خزینہ الٰہی سے صادر ہوا ہے اور جو فقط ایسی شائستگی و شہامت کے ساتھ ایسے جملے دشمنوں کے ہجوم میں بیان کرے، وہ فقط عباس علیہ السلام ہے۔

دوسرا مطلب جو لازم جانتا ہوں، اُس کا یہاں پر تذکر کر دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ انسان بحکم عقل و شرع حق نہیں رکھتا کہ جس مطلب کو نہ سمجھے یا اس کی سند تک دسترس نہ رکھے تو اسے رد نہ کرے بلکہ اسے چھوڑ دے۔ کبھی کبھی دیکھا گیا ہے کہ کسی نے مختصر سا درس پڑھا اور ایسے علمی غرور میں مبتلا ہوا کہ خود کو اعلم العلماء، اعظم العظماء اور اُفقہ الفقہاء کہتا ہے اور سوائے خود کے کسی اور کو تو وہ مانتا ہی نہیں اور نہ ہی کسی کی اقتداء کرتا ہے۔

ان کا حربہ فقط انکار ہے اور بس کوئی بھی دلیل منطقی جو علمی و دینی بنیاد پر ہو، نہیں رکھتے۔

ایسے لوگوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرنی چاہیے۔ زمانہ گزرنے کے بعد شاید وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں۔

بہر حال! محققین و مفکرین کو اگر کوئی بھی اس خطبے کی سند یا مزید متن ملے تو وہ ہمیں بھی اپنی تحقیق سے مستفید کریں۔ امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور کی دعا کے ساتھ، امام زمانہ علیہ السلام کی خاص توجہ کا سوال کرتا ہوں۔

علی اصغر یونسیان تہران

شعبان المعظم ۱۴۲۸ قمری ہجری

خُطبہ حضرت عباس علیہ السلام

اَلحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ شَرَّفَ هٰذَا (اشاره به بیت الله الحرام) بِقُدُوۡمِ اَبِیۡهِ. (اشاره به امام حسین علیه السلام) مَنۡ کَانَ بِالۡاَمۡسِ بَیۡتاً اَصۡبَحَ قِبۡلَةً. أَیُّهَا الۡکَفَرَةُ الفَجَرَةُ اَتَصُدُّوۡنَ طَرِیۡقَ الۡبَیۡتِ لِاِمَامِ الۡبَرَرَة؟ مَنۡ هُوَ اَحَقُّ بِهٖ مِنۡ سَائِرِ الۡبَرِیَّه؟ وَ مَنۡ هُوَ اَدۡنٰی بِهٖ؟ وَ لَوۡلَا حِکَمُ اللهِ الۡجَلِیَّةُ وَ اَسۡرَارُهُ العَلِیَّةَ وَاخۡتِبَارُهُ الۡبَرِیَّةُ لَطَارِ الۡبَیۡتُ اِلَیۡهِ قَبۡلَ اَنۡ یَمۡشِیَ لَدَیۡهِ قَدِ اسۡتَلَمَ النَّاسُ الۡحَجَرَ وَ الۡحَجَرُ یَسۡتَلِمُ یَدَیۡهِ وَ لَوۡ لَمۡ تَکُنۡ مَشِیَّةُ مَوۡلَایَ مَجۡبُوۡلَةً مِنۡ مَشِیَّةِ الرَّحۡمٰنِ لَوَقَعۡتُ عَلَیۡکُمۡ کَالسَّقۡرِ الۡغَضۡبَانِ عَلٰی عَصَافِیۡرِ الطَّیۡرَانِ. اَتُخَوِّفُوۡنَ قَوۡماً یَلۡعَبُ بِالۡمَوۡتِ فِی الطُّفُوۡلِیَّةِ فَکَیۡفَ کَانَ فِی الرُّجُوۡلِیَّةِ؟ وَلَفَدَیۡتُ بِالۡهَامّاتِ لِسَیِّدِ الۡبَرِیَّاتِ دُوۡنَ الۡحَیۡوَانَاتِ. هَیۡهَاتَ فَانۡظُرُوۡا ثُمَّ انۡظُرُوۡا مِمَّنۡ شَارِبُ الۡخَمۡرِ وَ مِمَّنۡ صَاحِبُ الۡحَوۡضِ وَالۡکَوۡثَرِ وَ مِمَّنۡ فِی بَیۡتِهِ الۡغَوَانِیُّ السُّکۡرَانُ وَمِمَّنۡ فِیۡ بَیۡتِهِ الوَحۡیُ وَ الۡقُرۡآنُ وَ مِمَّنۡ فِیۡ بَیۡتِهِ

اللَّهَوَاتُ وَالدَّنَسَاتُ وَ مِمَّنْ فِیْ بَیْتِهِ التَّطْهِیْرُ وَالْاٰیَاتُ۔ وَ أَنْتُمْ وَقَعْتُمْ فِی الْغَلْطَةِ الَّتِیْ قَدْ وَقَعَتْ فِیْهَا الْقُرَیْشُ لِأَنَّهُمْ اَرَادُوْا قَتْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَ أَنْتُمْ تُرِیْدُوْنَ قَتْلَ ابْنِ بِنْتِ نَبِیِّكُمْ وَ لَا یُمْكِنْ لَهُمْ مَادَامَ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ (ع) حَیّاً وَكَیْفَ یُمْكِنُ لَكُمْ قَتْلَ اَبِیْ عَبْدِاللهِ الْحُسَیْنِ (ع) مَادُمْتُ حَیّاً سَلِیْلاً؟ تَعَالَوْا اُخْبِرُكُمْ بِسَبِیْلِهٖ بَادِرُوْا قَتْلِیْ وَاضْرِبُوْا عُنُقِیْ لِیَحْصُلَ مُرَادُكُمْ۔ لَا بَلَغَ اللهُ مِدارَكُمْ وَ بَدَّدَا اَعْمَارَكُمْ وَ اَوْلَادَكُمْ وَ لَعَنَ اللهُ عَلَیْكُمْ وَ عَلٰی اَجْدَادِكُمْ۔

"اللہ کے نام سے (شروع) جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حمد ہے اللہ کے لئے جس نے اسے (کعبے کو) میرے مولا (امام حسین علیہ السلام) کے والد گرامی (علی علیہ السلام) کے قدم سے شرف بخشا ، جو کہ کل تک پتھروں سے بناہوا ایک کمرہ تھا، ان کے ظہور سے قبلہ ہو گیا۔

اے بدترین کافرو اور فاجرو! تم اس بیت اللہ کا راستہ نیک اور پاک لوگوں کے امام کے لئے روکتے ہو جو کہ اللہ کی تمام مخلوق سے اس کا زیادہ حق دار ہے اور جو اس کے سب سے زیادہ قریب ہے اور اگر اللہ کا واضح حکم نہ ہوتا اور اس کے بلند اسرار نہ ہوتے اور اس کا مخلوق کو آزمائش میں ڈالنا نہ ہوتا تو یہی اللہ کا گھر خود اُڑ کر میرے مولا کے

پاس آجاتا لیکن میرے کریم مولاؑ نے خود اس کے پاس آ کر اس کو عظمت بخشی۔ بے شک لوگ حجرِ اسود کو چومتے ہیں اور حجرِ اسود میرے مولاؑ کے ہاتھوں کو چومتا ہے۔ اللہ کی مشیت میرے مولاؑ کی مشیت ہے اور میرے مولاؑ کی مشیت اللہ کی مشیت ہے۔

خدا کی قسم! اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تم پر اس طرح حملہ کرتا جیسے کہ عقاب غضبناک ہو کر اُڑتا ہوا چڑیوں پر حملہ کرتا ہے اور تم کو چیر پھاڑ دیتا۔ کیا تم ایسے لوگوں سے خیانت کرتے ہو جو بچپن ہی سے موت سے کھیلتے ہوں اور کیا عالم ہو گا ان کی بہادری کا جب کہ وہ عالم شباب میں ہوں؟

میں قربان کر دوں اپنا سب کچھ اپنے مولاؑ پر جو کہ اس پوری کائنات پر بسنے والے انسانوں اور حیوانوں کا سردار ہے۔

اے لوگو! تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے، کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ ایک طرف شراب پینے والے ہیں اور دوسری طرف حوضِ کوثر کے مالک ہیں۔ اور یک طرف وہ ہیں جن کا گھر لہو و لعب اور سارے جہان کی نجاستوں کی آماجگاہ ہے۔ اور دوسری طرف پاکیزگی کے جہان اور آیاتِ قرانیہ ہیں اور وہ گھر جس میں وحی اور قرآن ہے۔ اور تم اسی غلطی میں پڑ گئے ہو جس میں قریش پڑے تھے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور تم اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہو۔

قریش اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام کی ہیبت وجلال کے آگے ان کی ایک نہ چل سکی اور کیسے ممکن ہوگا تمہارے لئے ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کا قتل جب کہ اُسی علی علیہ السلام کا بیٹا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کی حفاظت پر مامور ہے۔ اگر ہمت ہے تو آؤ میں تمہیں اس کا راستہ بتاتا ہوں۔ میرے قتل کی کوشش کرو اور میری گردن اُڑاؤ تاکہ تم اپنی مراد پاسکو۔ اللہ تمہارے مقصد کو کبھی پورا نہ کرے اور تمہارے آباء اور اولاد کو تباہ کرے اور لعنت کرے تم پر اور تمہارے آباء واجداد پر"۔

=====❖=====

اثر طبع شاعرِ معاصر حاج غلام رضا سازگار (میثم)

بہ عباس علیہ السلام تا صبح محشر درود

حرم هشت ذیحجّه در سال شصت	به حجاج شوری دگر داد دست
در اطراف کعبه نگاه همه	به ماه رخ یوسف فاطمه سلام الله علیها
بنی هاشم اطراف او گشته جمع	زهر سو چو پروانه بر گرد شمع
گروهی به نیرنگ و تزویرها	نهان زیر احرام شمشیرها
بر آن سر که تا از طریق خلاف	بریزند خون وِرا در طواف
در آن حال عبّاس نجل علیؑ	به امر حسینؑ آن خدا را ولی
قدم بر روی بام کعبه نهاد	بدین خطبه همچون علیؑ لب گشاد

ندا داد حمد است خاص خدا	که این بیت را داده قدر و بها
گرفت این حرم از علیؑ آبرو	که اینک حسینؑ است فرزند او
علیؑ آنکه شد بیت رب اِله	بر او زادگاه و از او قبله گاه
الا قوم کفر و نفاق حرام	که بستید راه حرم بر امام
به این بیت از آن امام البشر	احق کیست؟ باشد که نزدیکتر؟
اگر حکمت حی داور نبود	اگر سر خلّاق اکر نبود

به جای امام از ره احترام   حرم بال می زد به سوی امام

خلایق حجر را کنند استلام   حجر بوسه آرد به دست امام

نبودی اگر امر مولای من   کلام خداوند یکتای من

چو بازی که گنجشك گیرد دمی   به خیل شما حمله ور گشتمی

بنی هاشمی مرگ را هر یکی   به بازی گرفتند از کودکی

کجا از شما مردم ناسپاس   بود روز مردانگی شان هراس

اگر بعد مطلوب سالار دین   عزیز دل خاتم المرسلینؐ

نمودم به جای ذبیح فدا   سر سروران شما را جدا

یکی لحظه چشم خرد کرده باز   ببینید آری ببینید باز

یکی شارب الخمر کافر بود   یکی صاحب حوض کوثر بود

در آن بیت خوانندگانند مست   در این بیت دارند قرآن به دست

در آن بیت رجس و پلیدی مدام   در این بیت آیات و پاکی تمام

شما از چه کس پیروی می کنید   حسینؑ است مولایتان یا یزید؟

شمایید در بند آن اشتباه   که روزی است از آن سیاه

قریش از پی کشتن مصطفیؐ   کشیدند از شیطنت نقشه ها

چنین کار هرگز میسر نبود   که غافل علیؑ از پیامبرؐ نبود

شما نیز بر قتل فرزند او   نهادید با تیغ در کعبه رو

سلیل همان شیر داور صنم   فدای نجل پیامبرؐ صنم

به تن تا که عباسؑ را دست هست   به قتل امامش نیابید دست

گزندی نیاید بر آن جان پاک   مگر خون عباس ریزد به خاک

سرم را بگیرید از پیکرم   سپس حمله آرید بر رهبرم

از هم باد بگسسته پیوندتان   پراکنده تا حشر فرزندتان

به لعنت کند ذات حق یادتان   همان لعنت حق به اجدادتان

ببینید آن اشجع النّاس را   شناسید زین خطبه عبّاسؑ را

چنین داد ز آغاز با یار دست   که پشت برادر ز داغش شکست

نه تنها ز (میثم) که از هست و بود   به عبّاسؑ تا صبح محشر درود

"ابو فضل العباس علیہ السلام نے جو خطبہ دیا خانہ کعبہ کی چھت پر، کہتے ہیں کہ اللہ کے حرم میں ۸ ذی الحج ۶۰ ھ میں حجاج میں ایک دوسرا ولولہ پایا گیا۔

کعبہ کی اطراف میں سب لوگوں کی نگاہ یوسفِ جنابِ زہراء سلام اللہ علیہا کے چاند جیسے چہرے کی طرف تھی، بنی ہاشم ان کی اطراف میں جمع ہو گئے تھے، جیسے شمع کو پروانے گھیر لیتے ہیں۔

ایک گروہ نے دھوکے کے ساتھ اپنے احرام میں تلواریں چھپائیں ہوئی تھیں، کہ مخالفت کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام پر حملہ کریں اور ان علیہ السلام کا طواف کرتے ہوئے خون بہا دیں۔

اسی حال میں عباس علیہ السلام، علی علیہ السلام کے بیٹے نے خدا کے ولی کے حکم سے کعبہ کی چھت پر قدم رکھا اور یوں علی علیہ السلام کی طرح لب کشائی کی اور کعبہ کی چھت پر مولا عباس علیہ السلام نے ندا دی کہ ہم خدا کے

خاص ہیں۔

اُس خدا کے خاص جس نے اس گھر کو قدر و قیمت دی ہے۔ اس حرم نے حضرت علی علیہ السلام سے آبرو اور عزت پائی کہ حسین علیہ السلام ان کا ہی فرزند ہے۔ علی علیہ السلام وہ ہستی ہے کہ خدا کا گھر اس کی زادِ گاہ ہوا اور قبلہ گاہ ہوا۔

آگاہ رہو!

اے وہ قوم! کافرو اور منافقو خبردار! کہ تم نے حرم کا در امام حسینؑ کے لئے بند کیا ہے، اس گھر کا اس امام البشر علیہ السلام سے زیادہ کون حقدار ہے کہ جو اس کے نزدیک تر ہو۔ اگر خدائے حییّ کی حکمت نہ ہوتی اور خلاقِ اکبر کا راز نہ ہوتا، امام علیہ السلام کے احترام کی خاطر حرم اُڑ کر امام علیہ السلام کی طرف آ جاتا۔ مخلوق حجرِ اسود کو جا کر چومتی ہے جب کہ حجرِ اسود میرے مولاؑ کے ہاتھوں کا بوسہ لیتا ہے۔

اگر امر نہ ہوتا تو جو خدائے یکتا کا کلام ہے جس طرح باز چڑیا کو پکڑ کر خون بہاتا ہے، میں بھی تم پر اسی طرح حملے کرتا ہے۔ بنی ہاشم سے ہر ایک نے بچپنے سے موت سے کھیلا ہے، فرماتے ہیں کہ کہاں تم ناشکرے لوگوں سے تھا مردانگی سے خوف و ہراس۔ اگر دین کے سید وسالار علیہ السلام کا مطلوب و مطلب ہوتا یعنی

ان کی اجازت ہوتی جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کا سکون ہے۔ تو میں امام حسین علیہ السلام کی جگہ تمہارے سرداروں کے سرتن سے جدا کر

دیتا۔ ایک لحظہ عقل کی آنکھ کو کھولو پھر دیکھو، ایک کافر شراب پینے والا کافر ہے، اور ایک صاحبِ حوضِ کوثر ہے

اس گھر میں یزید کے گانا گانے والے اور مست کلام کہنے والے ہیں، اور اس گھر میں قران کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ یزید کے گھر میں ہمیشہ رجس اور پلیدی ہے۔ اور اس گھر میں آیات ہیں اور پاکی ہے کامل، تم کس کی پیروی کرتے ہو؟ تمہارے حسین علیہ السلام مولا ہیں یا یزید ملعون؟

تم ہو وہ جو اس مغالطہ میں پھنسے ہو، کہ جس کی وجہ سے قریش کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کیلئے شیطانیت کے نقشے بنائے۔ اس طرح کا کام بھی میسر نہیں تھا اور حاصل نہیں تھا کیوں کہ علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غافل نہ تھے۔

تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند علیہ السلام کے قتل کے لئے کعبہ میں قدم رکھا ہے، میں اسی اللہ کے شیر کی پشت سے ہوں، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کا فدائی ہوں۔ وہ تن، بدن کہ جو عباس علیہ السلام کے پاس ہے، تم امام علیہ السلام کے قتل تک دسترس نہیں رکھتے۔

اس کی جان پاک پر کوئی گزند نہیں پہنچے گا، جب تک عباس علیہ السلام کا خون خاک پر نہیں گرایا جائے گا۔ میرا سرتن سے جدا کر دو پھر تم حملہ کر سکتے ہو میرے رہبر پر۔

ایک دوسرے سے تمہارے پیوند ٹوٹ جائیں اور تمہارے بیٹے حشر

تلک بکھر جائیں ۔لعنت کے ساتھ تمہیں خدا یاد کرے اور تمہارے اجداد پر بھی وہی لعنت کرے۔

دیکھو اس شجاع ترین انسان کو، پہچانو اس خطبے سے عباس علیہ السلام کو، جب سے ایسا مددگار چلا گیا تو اس کے بھائی کی اس دکھ سے کمر ٹوٹ گئی ۔ نہ کہ میثم سے بلکہ تمام ہست و بود سے صبح محشر تک حضرت عباس علیہ السلام پر درود و سلام"۔

=====❖=====

فصلِ اوّل

بیتُ اللہ شرافت رکھتا ہے

شرافت وادب

قال مولانا العباس علیہ السلام=

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَ هٰذَا بِقُدُوْمِ اَبِیْهِ. مَنْ كَانَ بِالْاَمْسِ بَیْتاً اَصْبَحَ قِبْلَةً۔

حمد ہے اُس اللہ کے لئے جس نے اسے (کعبے کو) میرے مولا (امام حسین علیہ السلام) کے والدگرامی (علی علیہ السلام) کے قدم سے شرف بخشا جو کہ کل تک پتھروں سے بنا ہوا ایک کمرہ تھا (پس!) ان کے قدموں سے قبلہ ہوگیا۔

بیتُ اللہ شرافت رکھتا ہے

روئے زمین کے شرافت والے مکانوں میں سے ایک زمین کعبہ ہے جو زمین کا اولین نقطہ ہے، جو گیس سے خاک میں تبدیل ہوا اور بقیہ زمین یہیں سے بچھائی گئی۔

اور یہ اتفاق ۲۵ ذی قعدہ کو ہوا اور اس کو "دحوالارض" کہتے ہیں۔ اور یہ دن ازنظرِ اسلام بہت شرافت رکھتا ہے اور اس قدر شرافت رکھتا ہے کہ یہ دن ستر سالوں کے برابر ہے اور یہ چار بڑے ایام میں سے ایک دن ہے اور تمام سال سے اس دن کا روزہ امتیاز رکھتا ہے۔

اور اس جہت سے ابتدائیہ نقطہ زمین (مکہ) تھا تو اس کو بھی "اُم القریٰ" کہتے ہیں۔

بانیٔ کعبہ

کعبہ کی بنیاد کی تاریخ کی بہت زیادہ روایات ہیں جو اس پر تاکید کرتی ہیں کہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں سے بنایا گیا اور ان روایات کے مطابق مراسم حج بھی وہیں سے شروع ہوئے۔

اور اس کے بعد جو روایات میں وقت کی تو آدم علیہ السلام کے بعد پھر وہ توجہ کا مرکز نہ بنا۔ پھر آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ اس کو تعمیر کیا۔

اور قرآن اس کی تشریح کرتا ہے کہ کعبہ خدا کے حکم سے دو عظیم نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا۔

اور اس کے بنانے میں معماروں کا خلوص وصفا خاص تھا۔ اس کا اشارہ یہ ایک خاص تقدس کے ساتھ ملایا گیا تھا اور خدا کے علاوہ کسی کے لئے نہیں بنایا گیا اور اس کے بنانے کا اجر بھی خدا کی رضا کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

جس طرح قرآن فرماتا ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔[1]

۱۔ سورہ البقرۃ = آیت ۱۲۷

"اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، (دعا کر رہے تھے کہ) اے ہمارے ربّ! ہم سے (یہ عمل) قبول فرما، یقیناً تو خوب سننے والا، جاننے والا ہے"۔

اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۚ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔[1]

"سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے جو عالمین کے لئے بابرکت اور راہنما ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں۔ (مثلاً) مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور جو اس میں داخل ہوا، وہ امان والا ہوگیا اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس گھر کا حج کرے اور جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے تو (اس کا اپنا نقصان ہے) اللہ تو عالمین سے بے نیاز ہے"۔

خداوندِ متعال نے قرآن کی تین آیتوں میں اس گھر کو اپنی طرف نسبت دی ہے۔

ان میں ایک یہ آیت بھی ہے:

وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ

۱۔ سورہ آل عمران = آیت ۹۶۔۹۷

الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔[1]

"اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو"۔

اور دو آیت میں (بیت) اور ایک بار اضافہ ہوا ہے (طهر بیتی) اور دوسری میں (وضع للناس) آیا ہے۔

علّت یہ ہے کہ اضافہ اور نسبت (بیت) اللہ کی طرف تشریف اور تعظیم کی سبیل پر ہے۔ جیسے (ناقة الله) لیکن نسبت اور اضافہ (الناس) کی طرف اس لئے ہے کہ تمام لوگ اس بیت میں مشترک ہیں۔

۱۔ سورہ البقرة = آیت ۱۲۵

مکہ کو بکہ کیوں کہا گیا ہے؟

"بکة" لغت میں اس کے معنی، اژدھام اور پُر جمعیت ہے اور "کعبہ" کی تعبیر یہ چیز روشن کرتی ہے کہ ہمیشہ طولِ تاریخ میں پورے عالم سے اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور پُر جمعیت ہونے کی وجہ سے "بکة" نام رکھا گیا ہے۔

جب کعبہ رسمی طور پر مسلمانوں کا قبلہ بنا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے اعتراض کیا کہ کس طرح قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف منتقل ہو گیا؟

وحی نازل ہوئی کہ کعبہ تمام مذہبی بنیادوں سے پہلا گھر ہے جو تمام خدا کے بندوں کے لئے بنایا گیا ہے اور اس کی ہدایت کسی زمانے میں معین نہیں ہے۔

لہٰذا تمام اقوام شروع سے اس کی طرف عبادت کے معتقد تھے اور اس کا احترام کرتے تھے، یہ کعبہ اس کے قدیم ہونے کی وجہ سے ہے کہ قرآن کریم اس کو "بیتِ عتیق" سے تعبیر کرتا ہے۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔[1]

"اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں"۔

یعنی قدیمی گھر۔

[1] سورہ حج = آیت ۲۹

کعبہ لوگوں کی زمین پر قدیم ترین عبادت گاہ ہے اور پھر بیت معمور کے سامنے بھی اور عرشِ پروردگار کے سامنے ہے جو ملائکہ کا مطاف (طواف گاہ) ہے، کیونکہ آسمانی معصوم فرشتے خدا کے گھر کا طواف کرتے ہیں جو عرش خدا کے سامنے ہے۔ اس طرح بیت معمور آسمان میں کعبہ کی صورت میں ہے۔ کعبے کے زائروں کی پاک روح بلندی و نیچے کی طرف سے مقامِ شامخ بیت معمور تک پہنچے گی۔

جی ہاں! "کعبہ" عتیق آزاد گھر ہے مالکیتِ بشری کی قید سے۔ اور اب تک کسی کی بھی مملوک واقع نہیں ہوا۔ اور عتیق کے گرد طواف کرنا، آزادی وحریت کا درس دیتا ہے اور اس گھر کی زیارت کی طرف وہ مائل ہوں گے جو اپنی اندرونی لالچ یا دوسروں کی لالچ کے زیر اثر نہ ہوں کیونکہ غلامی آزادی کے چکر میں طواف سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے قرآنِ کریم کعبہ کو "بیتِ عتیق" سے یاد کرتا ہے۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔[1]

"اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں"۔

اور اس گھر کے تقدس کی حفاظت خدا کے حتمی نظام میں سے ہے۔

ہم اصحاب فیل کو دیکھتے ہیں کہ جب ان کی نابودی کا قصد کیا گیا تو اعجاز غیبی سے ہلاک ہو گئے۔

اگر بعض تاریخ کے اَدوار میں کعبہ پر حملہ یا اسے کوئی نقصان پہنچایا گیا تو کعبہ اور امامت کے درمیان تعلق، اور امامت کے اعلیٰ مقام کی اہمیت کے تجزیہ میں ایک نکتہ بیان کیا جائے گا، ورنہ ہر ظالم چاہے گا کہ وہ حریمِ مقدس کعبہ پر تجاوز کرے یا وہ تو اس

[1] سورہ حج = آیت ۲۹

کو ختم کرے گا یا پھر ایسا عمل کرے گا کہ جس سے حاجیوں کے حج میں مانع ہو۔ جب کہ اس عمل کرنے سے پہلے وہ بڑے عذابِ الیم میں مبتلا ہوگا۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔[1]

"اور جو اس میں زیادتی کے ساتھ کجروی کا ارادہ کرے اسے ہم ایک دردناک عذاب چکھائیں گے"۔

اس قدر یہ بیت، عظمت و شرافت کا مالک ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلنَّظَرُ اِلَى الْكَعْبَةِ عِبَادَةٌ ۔[2]

"کعبہ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس گھر کو محل امن قرار دیا ہے اور فرمایا:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۔[3]

"اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو مرجع خلائق اور مقامِ امن قرار دیا"۔

۱۔ سورہ الحج = آیت ۲۵

۲۔ بحار الانوار = ج ۳۸، ص ۱۹۶، ح ۳

۳۔ سورہ البقرۃ = آیت ۱۲۵

حتیٰ کہ اسلام سے پہلے

مرحوم شیخ طبرسی لکھتے ہیں:

كَانَ قَبْلَ الْاِسْلَامِ يَرَى الرَّجُلُ قَاتِلَ اَبِيْهِ فِي الْحَرَمِ فَلَا يَتَعَرَّضُ لَهُ ۔[1]

"اسلام سے پہلے اگر ایک شخص اپنے باپ کے قاتل کو کعبہ میں دیکھ لیتا تو اس پر اعتراض نہ کرتا"۔

"کیونکہ یہ گھر سب کے لئے بعنوان امن پہچانا جاتا تھا"۔

یہاں تک کہ کعبہ کا قدیمی ہونا اور اس سرزمین کا مقدس ہونا روشن ہوگیا اور مزید اطلاعات کے لئے جو اس پر کتب لکھی گئی ہیں، اُن کی طرف رجوع کریں۔

۱۔ تفسیر مجمع البیان = ج ۱، ص ۲۰۳

کعبہ کادوسرا شرف امیر المومنین علیہ السلام کے قدموں کا آنا ہے

شاهی که هست خلق جهان در پناه اُو
شد توتیای چشم ملك، خاك راه اُو
فخر علی علیہ السلام، نه آن که بود کعبه مولدش
این فخر کعبه است که شد زادگاه اُو

"جہاں کی مخلوق اس کی پناہ میں ہے
اور ملکوں کی آنکھ ہوئی اس راستے کی خاک
یہ فخر علی علیہ السلام نہیں کہ وہ کعبہ میں آئے
یہ کعبہ کا فخر ہے کہ علی علیہ السلام نے اس کو عزت بخشی"

مولودِ کعبہ

تیس عام الفضل یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے دس سال پہلے تیرہ رجب کعبہ کے اندر امیر المومنین علیہ السلام اپنی والدہ گرامی قدر سلام اللہ علیہا سے متولد ہوئے اور آنکھیں کھول کر دنیا کو نور بخشا اور تمام عالم کو اپنی عظمت میں غرق کیا۔ اور امیر المومنین علیہ السلام کی آمد نے کعبہ کو ایک اور شرافت بخشی۔

ایک عظمت و شرافت یہ کہ کوئی بھی زمین مقدس "سوائے امام حسین علیہ السلام کی کربلا کے" اس کے پاؤں تک نہیں پہنچ سکتی۔

اس بناء پر کہ جو محدّث قمی لکھتے ہیں:

"جب فاطمہ بنتِ اسد سلام اللہ علیہا مادرِ امیر المومنین علیہ السلام کے وہ آثارِ ایمان شروع ہوئے تو اچانک بیت اللہ کی طرف جاکر اس کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا:

"خدایا! میں تم پر ایمان رکھتی ہوں اور جان لے کہ تیری طرف سے جو کچھ تیرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے آئے ہیں، اس پر ایمان رکھتی ہوں اور تیرے ہر نبی مرسل اور کتابِ منزل پر ایمان رکھتی ہوں۔ اپنے جد ابراہیم خلیل علیہ السلام کے کلام کی تصدیق کرتی ہوں اور وہ وہ ہے کہ جس نے اس بیتِ عتیق کو بنایا ہے۔ اُس کا واسطہ کہ جس نے اس گھر کو بنایا اور اس مولود کے حق کا واسطہ جو میرے بطنِ عصمت میں ہے، اس کی ولادت کو میرے لئے آسان فرما"۔

پس! سیّدہ فاطمہ بنتِ اسدؑ دُعا سے فارغ ہوئیں اور سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بیت اللہ پشت سے شگاف ہوا اور سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اس کے اندر چلی گئیں اور سب کے دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہوگئیں اور دیوار آپس میں مل گئی۔

بزرگانِ قریش اس ماجرے کے گواہ تھے، سب نے چاہا کہ خانہ کعبہ کے تالے کو کھولیں مگر نہیں کھلا اور سب جان گئے کہ یہ امر پروردگار ہے اور آپؑ چار دن کے بعد باہر آئیں اور امیر المومنین علیہ السلام ان کے ہاتھ پر تھے اور اس کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! بیشک حق تعالیٰ نے مجھے اپنی مخلوق میں سے چن لیا اور میں تمام گذشتہ عورتوں پر فضیلت رکھتی ہوں۔ کیونکہ اللہ نے آسیہؑ بنتِ مزاحم کو اس بات سے نوازا تھا کہ اس نے ایسی جگہ خدا کی عبادت کی جہاں خدا کا نام لینا گوارا نہیں کیا جاتا تھا۔

اللہ نے جنابِ مریمؑ کو یہ شرف بخشا کہ انہیں بیت المقدس سے ایک صحرا میں با آسانی مراحل ولادت سے گذارا۔ مریمؑ بنتِ عمران نے نخل خشک کو اپنے ہاتھوں سے ہلایا یہاں تک کہ اس سے تازہ کھجور حاصل کیں اور کھائیں۔

میں خدا کے محترم گھر میں داخل ہوئی اور جنت کے میوہ جات سے کھایا۔ اور جب چاہا کہ اس سے باہر آؤں تو ایک ہاتفِ غیبی سے صدا آئی:

اے فاطمہؑ! اس کا نام علیؑ رکھنا کہ وہ خود علی ہے اور خدائے اعلیٰ فرماتا ہے = میں نے اس کو اپنی قدرت اور عزت وجلال سے خلق کیا ہے۔

میں نے اس کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے، میں نے اپنے ادب پر اس کی تادیب کی ہے، اور اپنے اُمور میں نے اِس کو دیئے ہیں اور اِس کو تمام چھپے ہوئے علم سے مطلع کیا ہے۔ یہ وہ ہے جو بتوں کو میرے گھر میں توڑے گا اور یہ وہ ہے جو میرے گھر کی چھت پر اذان دے گا اور میری تقدیس وتمجید کرے گا۔

سعادت ہو اس کے لئے، جو اس سے محبت کرے گا اور وائے ہو اس پر، جو اس کو دشمن رکھے گا اور اس کی نافرمانی کرے گا"۔

نام گزاری

بعض روایات میں آیا ہے کہ جب امیر المومنین علیہ السلام اس ظاہری دنیا میں آئے تو جنابِ ابو طالب علیہ السلام نے ان کو آغوش میں لیا اور ان کی والدہ گرامی قدرؑ کے ساتھ ابطح (شہرِ مکہ) میں آئے اور راستے کے درمیان یہ دو اشعار پڑھے:

يَا رَبِّ يَا ذَا الْغَسَقِ الدُّجِيِّ
وَالْقَمَرِ الْمُبْتَلِجِ الْمُضِيِّ
بَيِّنْ لَنَا مِنْ حُكْمِكَ الْمَقْضِيِّ
مَاذَا تَرىٰ فِي اِسْمِ ذَا الصَّبِيِّ

"اے پروردگار شبِ تیرہ تار اور چمکتے ہوئے چاند کے خالق! اپنے خزانہ اسرار سے اس بچے کا نام آشکار کر"۔

اچانک ایک سبز لوح عالمِ غیب سے جنابِ ابو طالب علیہ السلام کے اختیار میں آکر رُک گئی اور نور کے خط کے ساتھ کہ جس پر یہ دو شعر لکھے ہوئے تھے:

خُصِّصْتُمَا بِالْوَلَدِ الزَّكِيِّ
وَالطَّاهِرِ الْمُنْتَجَبِ الرَّضِيِّ
فَاِسْمُهُ مِنْ شَامِخٍ عَلِيِّ

عَلِيٌّ اُشْتُقَّ مِنَ الْعَلِيِّ

"پاک بیٹا آپؑ کے ساتھ مخصوص ہوا۔اس کا نام عالمِ بالا سے علیؑ ہے کہ علی مشتق ہے علی اعلیٰ سے"۔

لہٰذا اس عزیز جان کا نام "علی علیہ السلام" رکھا اور اس لوح کو کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔اور ھشام بن عبدالملک کے زمانے تک وہیں تھی،اس کے بعد اُتار دیا گیا۔[1]

جب امیر المومنین علیہ السلام خدا کے گھر میں تھے تو جنابِ ابو طالب علیہ السلام کعبہ میں داخل ہوئے اور فرمایا:

يَا رَبِّ هٰذَا الْغَسَقِ الدُّجِيِّ
وَالْقَمَرِ الْمُبْتَلِجِ الْمُضِيِّ
بَيِّنْ لَنَا مِنْ أَمْرِكَ الْخَفِيِّ
مَاذَا تَرىٰ فِيْ اِسْمِ ذَا الصَّبِيِّ

"اے تاریکیوں کے پروردگار!اے نورانی چاند کے خالق!اپنے چھپے ہوئے رازوں کو ہمارے لئے آشکار کر کہ اس بچے کا نام کیا رکھیں"۔

جنابِ ابو طالب علیہ السلام کے اس کلام کے بعد صدائے ہاتف سنی کہ جو کہہ رہا تھا:

يَا اَهْلَ بَيْتِ الْمُصْطَفَى النَّبِيِّ
خُصِّصْتُمْ بِالْوَلَدِ الزَّكِيِّ
اِنَّ اسْمَهُ مِنْ شَامِخِ الْعَلِيِّ
عَلِيٌّ اشْتُقَّ مِنَ الْعَلِيِّ [2]

۱۔ منتہی الآمال=ج ۱،ص ۲۷۵،محدث قمی

۲۔ کفایت الطالبؑ=ص ۲۶۱؛ابن شہر آشوب=ج ۲،ص ۱۷۵ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ

"اے اہلِ بیت پیغمبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!ایک پاک بیٹا آپؑ کے ساتھ مخصوص ہوا۔اس کا نام عالم بالا سے علی علیہ السلام ہوا،جس کا نام علیؑ،علی اعلیٰ سے علی نے مشتق کیا ہے"۔

اعترافاتِ عامہ:۔

وہ جو علمائے عامہ کے اقوال میں سے نقل ہوا ہے تاریخ کے استفادہ سے،جو ہمارے ہاتھوں میں ہے،اُسے نقل کرتے ہیں=رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس وقت عمر تیس سال تھی اور آپؐ دس سال کے بعد رسالت پر مبعوث ہوئے۔جناب ابو طالب علیہ السلام کے لئے "یا اہلِ بیت المصطفیٰ النبیؐ" سے خطاب ہو رہا ہے جو تامل کی جگہ ہے۔

اس طرح علمائے عامہ لکھتے ہیں:

وَ لَمْ يُولَدْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مَوْلُوْدٌ فِيْ بَيْتِ اللهِ الْحَرَامِ سِوَاهُ اِكْرَاماً لَهُ بِذٰلِكَ وَاِجْلَالاً لِمَحَلِّهِ فِي التَّعْظِيْمِ۔[1]

"نہ علی علیہ السلام سے پہلے اور نہ اُنؑ کے بعد کوئی کعبہ میں پیدا ہوا،اور یہ بیت کے لئے کرامت واجلال،امام علیہ السلام کی عظمتِ مقام کی وجہ سے ہے"۔

۱۔ الغدیر=ج ۶،ص ۲۲

کعبہ میں ولادت کی اسناد

مرحوم علامہ امینی "الغدیر" کی جلد ششم صفحہ ۲۱ تا ۳۸ تک ان صفحات کو اس اہم فضیلت سے مخصوص کرتے ہیں اور علمائے عامہ وخاصہ کی ۷۰ کتب سے کہ جنہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا اور لکھے ہیں اور بعض اہلِ بیت علیہم السلام کے مادحین کے اشعار بیان کئے ہیں کہ ان میں سے بعض یہ ہیں:

سید حمیری کہتے ہیں:

وَلَدَتْهُ فِیْ حَرَمِ الْإِلٰهِ وَأَمْنِهِ
وَالْبَیْتِ حَیْثُ فِنَائِهِ وَالْمَسْجِدُ
بَیْضَاءُ طَاهِرَةُ الثِّیَابِ کَرِیْمَةٌ
طَابَتْ وَطَابَ وَلِیْدُهَا وَالْمَوْلِدُ
فِیْ لَیْلَةٍ غَابَتْ نُحُوْسُ نُجُوْمِهَا
وَبَدَتْ مَعَ الْقَمَرِ الْمُنِیْرِ الْأَسْعَدِ
مَا لُفَّ فِیْ خِرَقِ الْقَوَابِلِ مِثْلُهُ
إِلَّا ابْنُ آمِنَةَ النَّبِیُّ مُحَمَّدُ ۱

۱۔ الغدیر = ج ۶، ص ۲۸

"اس کو حرم خدا میں جو امن کی جگہ اور بیتِ حق میں جنا، جو حریم خانہ و مسجد الحرام تھی، بانوئے نورانی چہرہ و پاک دامن اور بزرگوار نے، جو خود اور اس کا بیٹا اور وہ جگہ پاک تھی۔ اس رات جب ستاروں کی نحوست ختم ہوئی تو چاند کے ساتھ منیر ستارے کے ساتھ آشکار ہوئی۔ اور بچہ جنتی کپڑے میں جس طرح لپیٹا گیا اس طرح کوئی نہ لپیٹا گیا مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آمنہ نے"۔

شیخ حسین نجفی متوفی ۱۲۵۲ھ اپنے قصیدے میں کہتے ہیں:

وَجَعَلَ اللّٰهُ بَیْتَهُ لِعَلِیٍّ
مَوْلِداً یَا لَهُ عُلاً لَا یُضَاهَا
لَمْ یُشَارِکْهُ فِی الْوِلَادَةِ فِیْهِ
سَیِّدَ الرُّسُلِ لَا وَلَا أَنْبِیَاهَا
عَلِمَ اللّٰهُ شَوْقَهَا لِعَلِیٍّ
عِلْمَهُ بِالَّذِیْ بِهِ مِنْ هَوَاهَا
إِذْ تَمَنَّتْ لِقَاءَهُ وَتَمَنّٰی
فَأَرَاهَا حَبِیْبَهُ وَرَآهَا
مَا ادَّعٰی مُدَّعٍ لِذٰلِكَ کَلَّا
مَنْ تَرٰی فِی الْوَرٰی یَرُوْمُ ادِّعَاهَا
فَاکْتَسَبَتْ مَکَّةٌ بِذَاكَ افْتِخَارًا
وَکَذَا الْمَشْعَرَانِ بَعْدَ مَنَاهَا

بَلْ بِهِ الْأَرْضُ قَدْ عَلَتْ إِذْ حَوَتْهُ
فَغَدَتْ أَرْضُهَا مَطَافَ سَمَاهَا
أَوَمَا تَنْظُرُ الْكَوَاكِبَ لَيْلاً
وَنَهَاراً تَطُوفُ حَوْلَ حِمَاهَا
وَإِلَى الْحَشْرِ فِي الطَّوَافِ عَلَيْهِ
وَبِذَاكَ الطَّوَافُ دَامَ بَقَاهَا [1]

"خدا نے اپنے گھر کو علی علیہ السلام کے آنے کی جگہ قرار دی، کتنا علو مقام ہے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ اور علی علیہ السلام کی کعبہ میں ولادت میں کوئی بھی شریک نہیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاءؑ اور خدا کعبہ کی آرزو کو علی علیہ السلام کی طرف جانتا تھا، اس کے علم کی وجہ سے جس سے وہ محبت کرتے ہیں۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام)

جب کعبہ نے اس کی آرزو کی اور اس نے کعبہ کی، پس! خدا نے اپنے حبیبؐ کی طرف کعبہ کو مائل کیا اور اپنے حبیبؐ کو بھی اپنے گھر کے دیدار کی طرف بھیجا۔ اور کسی نے بھی یہ دعویٰ نہ کیا کہ وہ کعبہ میں متولد ہوا ہے اور کس کو دیکھو گے کہ وہ ایسا دعویٰ کرے؟ پس! مکہ نے امیرالمومنین علیہ السلام کے میلاد کے وقت لباس افتخار پہنا اسی طرح مشعر الحرام وعرفات و منیٰ نے بھی۔ بلکہ زمین مکہ نے وجود علی علیہ السلام سے مقام علو حاصل کیا۔ جب اس کو اُٹھایا صبح کو اس حال میں کہ وہ آسمانی فرشتوں کا مطاف

۱۔ الغدیر = ج ۶، ص ۲۹

تھا، کیا تم نہیں دیکھتے ہو ان ستاروں کو جو صبح و شام کعبہ کے اطراف میں طواف کرتے ہیں اور قیامت تک اس کے طواف میں ہیں، یہ اس وجہ سے طواف ہے کہ ستارے ہمیشہ باقی ہیں"۔

یا واصف المرتضیٰ قد صرت فی التیه
هیهات هیهات مما لا تمنیه
واجب اگر خوانمش العقل ینهانی
ممکن اگر دانمش فالعشق یابیه
واجب ممکن نما، ممکن واجب خصال
هندسة الممکنات مظهر باریه
هوالذی کان بیت الله مولده
و صاحب البیت ادری بما فیه
مهلا الی الحشر یوما اذا اقول لکم
یا لائمی فی علی لا تعادیه
فانه منشا الاشیاء و منشیه
و ذٰلکن الذی لمتُنّنی فیه

"اے مرتضیٰ علیہ السلام کی تعریف کرنے والے تم بتحقیق تکبر میں پھنس گئے ہو، دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ! تم اس تمنا تک نہیں پہنچ سکتے کہ مرتضیٰ علیہ السلام کی تعریف کر سکو۔ اگر علی علیہ السلام کو واجب کہوں تو عقل مجھے منع کرتا ہے، ممکن جانوں اگر تو عشق منع کرتا ہے، یہ واجب ہے ممکن جیسا، اور

تویِ چلچراغ شبستانِ عشق　　صفای گلستان و بستانِ عشق
به تو معتبر گشته عنوانِ عشق　　بود پیروی از تو فرمانِ عشق
تویِ روح معنی تویِ جانِ عشق　　چه ها می کند موج طوفانِ عشق
اگر از تو اُفتد به دل ها علیؑ

=❖=

تو هستی شهنشاه عالی نسب　　به پروردگار جهان منتسب
یدالله و عین الله و وجه رب　　وجود زمین و زمان را سبب
تویِ بین خلق جهان منتخب　　خدایت تو را داده صدها لقب
ستوده تو را ربّ اعلیٰ علیؑ

=❖=

شده طوطی طبع شکر شکن　　به یاد تو ای حجت ذوالمنن
اگر فی المثل شرع باشد چو تن　　بود عشق تو روح در این بدن
بدون تو دل هاست بیت الوثن　　کتاب خدا و علوم سُنن
ز تدبیر تو گشت احیا علیؑ

=❖=

ز الطاف خود همچو دُرِّ یتیم　　تو را برگزیده خدای کریم
تو محبوب هر عاشقی از قدیم　　سر کوی تو هر چه عاشق مقیم
مُحِبَّتْ مخلّد به دار النعیم　　عدویت در اعماق تار جحیم
شد از عشق تو سینه سینا علیؑ

=❖=

بود در طواف تو بیت و حرم　　حرم از قدوم تو شد محترم
تو فرمانروائی به لوح قلم　　زدی بر سر بام گردون عَلَم
کجا چون تو شاهی بود محتشم　　بگویم چه در شادمانی چه غم
علیؑ یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ

=❖=

تویِ گوهر و کعبه آمد صدف　　تو دادی به بیت الهی شرف
نبیؐ را نه غیر تو نعم الخَلَف　　اگر جایِ درّ هر که گیرد خزف
نصیب وی افتد هزاران اسف　　الا ای خدیو دربار نجف
مرا هم طلب کن بد انجا علیؑ

=❖=

همه امر تو بین نون است و کاف　　تویِ رازق خلق قدر کفاف
ملائك سر کوی تو در طواف　　به فضل تو دشمن کند اعتراف
جدایِ ز تو بدترین انحراف　　کلام غلو و بیان گزاف
ندارد به شان تو معنا علیؑ

=❖=

تویِ حلقه دین حق را نگین　　به عرش خداوند مسند نشین
همه انبیاء را تو بودی معین　　تو را عبد درگاه روح الامین
تولّای تو عین حصن حصین　　تبّری ز خصمت ضروری دین
تولّا کجا بی تبّری علیؑ

=❖=

تو را ذات حق خداوند اُمُّ الْکِتَاب   نبیؐ شهر علم تو آن را چو باب
تو آب بقایی بقیه سراب   به عشق تو تنهاست حُسنُ المآب
بود عاشق صادقت کامیاب   رود در بهشت عدن بی حساب
به کوریؑ چشمان اعدا علیؑ

=❖=

به کل خلایق تو هستی امیر   به برج کمالات بدرِ منیر
خدا را تویی چون پیغمبرؐ سفیر   کسی جز تو نبود نبی را وزیر
پیامبرؐ بود امّتش را نذیر   تویی هادی اُمّت آن بشیر
هدایت بود با تو تنها علیؑ

=❖=

همارہ تو کار خدا می کنی   تو با یك اراده چه ها می کنی
مس تیره را کیمیا می کنی   ز هر شیعه دفع بلا می کنی
چه لطفی تو با آشنا می کنی   به بیگانه هم اعتنا می کنی
کف جود تو یا که دریا علیؑ

=❖=

تو هستی شفای دل دردمند   نوا بخش هر خسته مستمند
اگر هر که افراد تو را در کمند   رها گردد از هر چه قید است و بند
به محشر که فریاد مردم بلند   محب تو آسوده از هر گزند
عدوی تو را نار ماوا علیؑ

=❖=

خدا را تویی چون محمدؐ حبیب   تو بر ماسوای خدایی رقیب
مریض غمت را رئوفی طبیب   تو یار دلی در فراز و نشیب
از آن دم که عشقت مرا شد نصیب   هوای تو برد از دل و جان شکیب
بود ورد و ذکرم به هر جا علیؑ

=❖=

تو هر حاجتی را روا می کنی   تو هر عقده ی بسته وا می کنی
هر آن درد و غم را دوا می کنی   کجا رانده از خود گدا می کنی؟
فدای تو که آندم عطا می کنی   تو از سائل خود حیا می کنی
به حق لا فتی گفته اِلاَّ علیؑ

=❖=

چه گویم که ای انبیا را معین   تو با آن همه قدرت بی قرین
پس از قتل طاها شدی دل غمین   چرا آن ستمگار پست لعین
لگد زد به زهرای اطهرؑس زکین؟   چه آمد بر آن زهره مه جبین
که هر صبح و شب سوختی یا علیؑ

=❖=

عیان از رخ تو خدا را جمال   تویی پرده دار حریم جلال
تو را هست با ذات حق اتصال   ندارد دمی مُلك حُسنت زوال
مرا هم بده ره به بزم وصال   به تو ملتجی م علی کل حال
مرانم ز خود جان زهراؑ علیؑ

=❖=

"دین کے حلقہء انگشت کا نگینہ

علیؑ یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"

"خداوند اکیلے کا ولی علیؑ ہے۔ اور بہترین آیتِ عظمیٰ عظیم ترین آیت علیؑ ہے۔ ملکِ بقاء پر حاکم علیؑ ہے۔ ہدایت کے برج پر تمام جہان کی زینت علیؑ ہے۔ خدائے پاک کے حکم سے نبیؐ کا نفس علیؑ ہے۔ ہر نفس سے بہتر علیؑ ہے۔ ہر جان و نفس کا مالک علیؑ ہے۔ کوئی بھی موجود نہ ہوتا اگر علیؑ نہ ہوتے"۔

=❖=

"اے علیؑ جان آپ ہو۔ باقی جو دنیا ہے اس کے کفیل ہو آپؑ۔ خدائے جلیل کے ظہور ہو آپؑ۔ آپؑ کے اسیر ہیں سیکڑوں کلیمؑ و خلیلؑ۔ چلنے والے کی راہ اور سبیل کے معنی آپؑ ہو۔ آپؑ ہیں مخلوق کی طرف رہبر ہونے کی دلیل۔ آپؑ کے مکتب کے جو بچے ہیں وہ دو سو جبرئیلؑ سے بھی بڑھ کر۔ آپؑ دہر میں بے مثال ہو اے علیؑ!"

=❖=

"آپؑ پر خداوند عالم کی اور خلق کی طرف سے سلام ہو۔ خدا نے آپؑ کا بہت احترام کیا۔ آپؑ ہو شرف اور شرافت کا دَر خیر الانعامؐ کی طرف۔ آپؑ پر دینِ حق کی نعمت تمام ہوئی اور آپؑ کا فیض جہانوں پر ہمیشہ رہتا ہے۔ آپؑ ہو تمام خلائق مخلوق کے امام تمام جہان کی مخلوق کے۔ آپؑ مولا علیؑ ہو اے علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"آپؑ ہو عشق کے شبستان کے چالیس چراغ اور گلستان اور بستان کی صفائیت ہو عشق کی، آپؑ سے عشق کا عنوان معتبر ہوا۔ آپؑ کی پیروی ہے عشق کا فرمان آپؑ ہو۔ عشق کے معنیٰ کی روح اور عشق کی جان آپؑ ہو۔ عشق کے طوفان کی موجیں کیا کرتی ہیں، اگر آپؑ کا عشق دلوں میں لگ جائے۔ اے علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"تو ہے شہنشاہ عالی نصب جو جہاں کے پروردگار کے ساتھ منتسب ہے، منسوب ہے۔ یداللہ، عین اللہ اور پروردگار کا وجہہ، زمین و زمان کے وجود کا سبب۔ تو ہے خلقِ جہاں میں چنا ہوا، جہانِ مخلوق میں سے چنا ہوا۔ خداوند نے تجھے کئی سیکڑوں لقب دیئے ہیں۔ ربِ اعلیٰ علی نے تیری تعریف کی ہے یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"مٹھاس بھر گئی ہے زبان پہ طوطے کی طرح، تیری یاد میں اے حجت ذوالمنن، اگر مثال کے طور پر شریعت ایک بدن بن جائے تو تیرا عشق اس بدن میں روح ہوتا ہے۔ تیرے سوا دل ہے گھر بتوں کا، خدا کی کتاب اور سنت کے علوم تیری تدبیر سے احیاء اور زندہ ہوتے ہیں اے علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"اپنے لطف وکرم سے دُرِّ یتیم کی طرح، آپؑ کو چنا ہے خدائے کریم نے۔ تو ہر عاشق کا محبوب زمان قدیم سے، جتنے بھی تیرے عاشق ہیں وہ تیری گلی میں بھٹکتے ہیں۔ تیرے محب دارِ نعیم میں۔ اور تیرے دشمن نارِ جحیم میں۔ اے علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"آپؑ کے طواف میں رہتا ہے بیت وحرم۔ حرم آپؑ کے قدموں سے ہوا محترم۔ تو فرمان ہے لوح وقلم کا۔ تو ہے حاکمِ لوح وقلم۔ آسمان کی چھت پر لہرائے تیرا علم۔ کہاں پر ملے تجھ سا شہنشاہ محتشم۔ میں کہتا رہوں گا ہو خوشی یا غم۔ اے علیؑ یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"آپؑ ہو کعبے کے گوہر اور کعبہ آپؑ کا صدف۔ آپؑ نے دیا ہے بیت الٰہی کو شرف۔ نبیؐ کا آپؑ کے بغیر کوئی نہیں اچھا خلیفہ۔ اگر کوئی دُرّ کی جگہ لے لے تو وہ مٹی کا بنا ہوا برتن ہے۔ اور نصیب ہو اس کے ہزارہ تاسف (افسوس) تو جو آپؑ کے دَیارِ نجفِ اشرف کو چھوڑ دے۔ تو جو وہاں پہنچ جائے تو اس کو خوشیاں نصیب ہوں، مجھے بھی طلب کر وہاں پر۔ اے علیؑ یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"آپؑ ہو دین حق کی انگوٹھی کا نگیں۔ خداوند کہ عرش کے مسند نشین۔ تمام انبیاء کے آپؑ ہو معین۔ تیرا بندہ تیری درگاہ کا عبد ہے روح

الامینؑ۔ آپؑ کی ولایت ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اور آپ کے دشمن سے تبرا اور اس پر لعنت دین کی ضرورت ہے۔ تولّی کیسے ہوگا بغیر تبرّا کے۔ اے یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"آپؑ کو ذاتِ حق نے کہا اُمّ الکتاب۔ نبیؐ علم کا شہر ہے اور آپؑ ہو مثلِ باب۔ در کی طرح آبِ بقا ہو باقی سب سَراب ہے۔ آپؑ کے عشق کی طرف ہے اچھا پلٹنا۔ آپؑ سے سچا عشق کرنے والا آپؑ کا سچا عاشق کامیاب ہے۔ اور بہشت میں بے حساب جائے گا۔ آپؑ کے دشمن کو اندھا کرنے کے لئے کہتے رہیں گے= یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"تمام مخلوق کے آپؑ ہو امیر۔ کمالات کے برج کے آپؑ ہو چمکتے ہوئے چاند۔ خدا کے پیغمبرؐ کی طرح آپؑ سفیر ہیں۔ کوئی بھی آپؑ کے سوا نبیؐ کا وزیر نہیں۔ پیغمبر اسلامؐ اپنی امت کی نظیر ہیں۔ اور آپؑ اس امت کے ہادی اور بشیر ہیں۔ اس بشیر کی امت کے ہادی ہیں۔ ہدایت فقط آپؑ کے ساتھ ہے۔ اے علیؑ۔ یا علیؑ"۔

=❖=

"ہمیشہ آپؑ خدا کا کام کرتے ہیں۔ آپؑ ایک ارادے سے کیا کیا کرتے ہیں۔ مجھ جیسے روسیاہ کو کیا کرتے ہیں۔ کیا کیا لطف اپنے آشنا سے کرتے ہیں۔ اور بیگانے پر بھی عنایت کرتے ہیں۔ آپؑ کی ہتھیلی

ہے یاد رہا ہے یا علیؑ"۔

=❖=

"آپؑ ہو ہر دردمند کے دل کی شفا۔ اور ہر تھکے ہوئے انسان کو راہ پر خوشی دینے والے۔ اگر ہر کوئی گرے تو آپؑ کی پناہ میں ہے۔ رہا ہوجائے آپؑ کے وسیلے سے ہر قید و بند میں ہے۔ محشر میں لوگوں کی فریادیں بلند ہوں گی۔ لیکن آپؑ کا محب خوشی اور ہر نقصان سے فائدے میں ہوگا۔ آپؑ کے دشمن کا مقام و ٹھکانہ جہنم ہے۔ اے یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"،

=❖=

"خدا کا تُو ہے محمدؐ کی طرح حبیب۔ تُو خدا کے ماسوا ہے رقیب۔ اپنے غم کے تُو مریض کا رؤوف طبیب ہے۔ تُو دل کا مددگار ہے فراز ونشیب میں یعنی! غم و دکھ اور خوشی میں۔ اس وقت سے جب مجھے آپؑ سے عشق نصیب ہوا۔ تو میرے دل و جان کے غموں کو ختم کردیا۔ میر اور داور ذکر ہے ہر جگہ یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ"۔

=❖=

"آپؑ ہر حاجت کو روا کرتے ہیں اور ہر مشکل کے عقدے کو کھولتے ہیں۔ اور ہر وقت درد و غم کی دوا کرتے ہیں۔ کہاں آپؑ نے اپنے گدا کو اور فقیر کو واپس پلٹایا ہے۔ فدا ہوجاؤں آپؑ پر اس وقت جب آپ برپا کرتے ہیں۔ تو آپؑ اپنے سائل مانگنے والے سے حیا

کرتے ہیں۔ حق کہا ہے کہ کسی جوان مرد نہیں کوئی سوائے علیؑ کے۔
یا علیؑ۔ یا علیؑ"۔

=❖=

"کیا کہوں کہ اے انبیاءؑ کے مددگار۔ تو اپنی اس ساری بے بدل قدرت کے ساتھ۔ حضرت رسول اللہؐ کے قتل کے بعد دل غمگین ہو گئے۔ کیوں اس ظالم ستمگر پست لعنتی نے۔ آپؑ کی زوجہ اطہر بی بی زہرا سلام اللہ علیہا پر ظلم کیا۔ کیا گزری ہوگی اس چاند کی طرح چمکتے ہوئے چہرے پر۔ کہ ہر صبح و شب آپؑ جلے ہیں۔ اے علیؑ، یا علیؑ"۔

=❖=

"اس دکھ میں ظاہر ہے آپؑ کے چہرے سے خدا کا جمال۔ آپؑ ہیں پردہ داری میں جلال پروردگار۔ آپؑ کو ہے ذاتِ حق سے اتصال۔ آپؑ کے حسن کا مُلک زوال نہیں رکھتا۔ مجھے بھی اس بزم میں وصال کا راستہ دے۔ آپؑ سے التجا کرتا ہوں ہر حال میں کہ مجھے بھی بی بی سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کی جان کی خاطر راستہ دے۔ اے علیؑ، یا علیؑ"۔

=❖=

بیت اللہ کی شرافت اعظم یہ ہے کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کی آمد کی جگہ ہے اور قمر منیر بنی ہاشمؑ کا کلام بھی وحی کے سرچشمے سے لیا گیا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَ هٰذَا بِقُدُوْمِ اٰبِیْهِ۔

"اور خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام افراد کا کلام ہم پر حجت اور بہترین راہ گشا ہے"۔

ای گوهر ارزنده، تو را کعبه صدف
بخشیده ولادت تو بر کعبه شرف
این بیت، چو قدسیان و بیت المعمور
پیوسته طواف میکند گرد نجف

"اے قیمتی گوہر آپؑ کا کعبہ صدف، آپؑ کی ولادت نے کعبے کو شرف بخشا ہے۔ یہ گھر قدسیوں اور بیت المعمور کی طرح ہمیشہ نجف کی اطراف میں طواف کرتا ہے"۔

=====❖=====

حضرت عباس علیہ السلام کے اَدب کی اِنتہاء

حضرت قمرِ بنی ہاشم علیہ السلام عین اَدب ہیں اور اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کی نسبت ایک عجیب تواضع رکھتے ہیں اور ہرگز نہیں چاہتے کہ ان کے سامنے خود کو بیان کریں کہ فرمائیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَ هٰذَا بِقُدُوْمِ اَبِیْ۔

لیکن فرماتے ہیں: بِقُدُوْمِ اَبِیْهِ۔

"امام حسین علیہ السلام اہم ہیں"۔ اور وہی اذہان میں معرفی ہوں کیونکہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس کو قتل کرنے پر اجتماع کریں۔

ابا الفضل العباس علیہ السلام شجاعت کے ساتھ اعلان کر رہے ہیں ان کے ساتھ جو کعبہ کا طواف کر رہے ہیں کہ یہ گھر اور اسلام کہ جس کا دم بھر رہے ہو، اس کی حقیقی رُوح ان کے والدِ ماجد امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولایت ومحبت ہے۔

=====❖=====

اَدب کی بنیاد

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کا اَدب امام حسین علیہ السلام کی نسبت ریشہ دار ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام اپنے فرزند دلبند کو ادب سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

یَابُنَیَّ اَلْأَدَبُ لِقَاحُ الْعَقْلِ وَ ذَکَاءُ الْقَلْبِ وَ عُنْوَانُ الْفَضْلِ۔ [۱]

"اے بیٹے! ادب عقل کی زیادتی اور بیداریٔ قلب اور منشاء فضیلت اور بزرگواری کا سبب ہے"۔

اور یہ بھی فرمایا:

مَنْ أَخَّرَهُ عَدَمُ أَدَبِهِ لَمْ یُقَدِّمْهُ کَثَافَةُ حَسَبِهِ۔ [۲]

"جس کو ادب پیچھے چھوڑ دے، اُسے اُس کا حسب آگے نہیں لا سکتا"۔

اور یہ بھی فرمایا:

لَا مِیرَاثَ کَالْأَدَبِ۔ [۳]

"اور ادب جیسی کوئی میراث نہیں"۔

۱۔ الارشاد، الدیلمی = ج۱، ص۲۲۵

۲۔ غرر الحکم = ج۵، ص۲۴۱، ح۸۱۶۸

۳۔ غرر الحکم = ج۶، ص۳۵۳، ح۱۰۴۸۰

اور حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے اسی درخشاں مکتب سے ادب پڑھا اور وراثت میں لیا۔

اور ان کی یہ خصوصیت ان کی تمام عمر کے دوران ابتداء سے انتہاء تک ان کے تمام وجود میں خصوصاً اپنے جلیل القدر بھائی حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے سامنے ظاہر تھی۔

من جملہ ان میں سے روایت ہوئی ہے کہ وہ بزرگوار بغیر اجازت کے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ نہیں بیٹھتے تھے اور جب امام حسین علیہ السلام اجازت دیتے تھے تو غلام کے مانند خاضع دوزانو کے بل امام حسین علیہ السلام کے سامنے بیٹھتے تھے۔

اور اپنی چونتیس سالہ زندگی میں کبھی بھی اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کو بھائی کہہ کے مخاطب نہیں کیا بلکہ سیدی، مولای اور یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعبیرات کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کو صدا دیتے تھے، سوائے عمر کے آخری حصے کے، جب آپؑ گھوڑے سے زمین پر گرے اور ان کی فرق مبارک اور ان کے دو بازو بدن سے جدا ہوئے تو صدا دی= "اے بھائی! اپنے بھائی کو پالیں"۔

البتہ! اگر ہم حضرت عباس ابا الفضل العباس علیہ السلام کی زندگی کو جانیں تو جہاں تک ہماری قدرتِ فہم اور ہماری درک اجازت دیتی ہے، وہیں تک ہی جان پائیں گے۔

ایک عزیز جو اپنے تمام وجود کے ساتھ اپنے وقت کے آئمہ علیہم السلام میں فانی تھا، خداوند تبارک وتعالیٰ نے ان کو امام حسین علیہ السلام کی مدد کے لئے خلق کیا۔

اور بغیر وجہ امیر المومنین علیہ السلام، حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کے پنگھوڑے میں ان کے ہاتھوں کو نہیں چومتے تھے بلکہ یہ جانتے تھے کہ ان ہاتھوں نے کربلا اور

میدان صفین میں کیا کرنا ہے۔ اور کس طرح اپنے وظیفہ کو انجام دے گا۔

عباسؑ که مظهرِ وفا و شرف است
نور دل و دیدی امیرِ نجف است
با یاری حجّت زمانش آموخت
دنبال امامِ عصرؑ رفتن هدف است

=❖=

"عباس علیہ السلام جو مظہر وفا و شرف ہے۔ امیرِ نجف علیہ السلام کی آنکھوں کا نور ہے۔ اپنے زمانے کی حجت کی مدد سیکھی۔ اور امامِ عصر علیہ السلام کی پیروی کرنا ان کا ہدف ہے"۔

=====❖=====

حضرت عباس علیہ السلام کے دو کٹے ہوئے ہاتھ اسبابِ شفاعت ہیں

جب قیامت برپا ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولا علی علیہ السلام سے فرمائیں گے: بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا سے فرمائیے کہ اُمت کی شفاعت و نجات کے لئے کون سا وسیلہ ہے؟ امیر المومنین علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا تک ابلاغ فرمائیں گے۔

بی بی سیدہ دو عالم سلام اللہ علیہا، امیر المومنین علیہ السلام کے جواب میں ارشاد فرمائیں گی:

يَآ اَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ: كَفَانَا لِاَجْلِ هٰذَا الْمَقَامِ اَلْيَدَانِ الْمَقْطُوْعَتَانِ مِنِ ابْنِي الْعَبَّاسِ۔[1]

"اے امیر المومنین علیہ السلام! میرے بیٹے عباس علیہ السلام کے دو کٹے ہوئے بازو شفاعت کرنے کے لئے ہمارے لئے کافی ہیں"۔

---

[1] معالی السبطین، محمد مہدی مازندرانی = ج۱، ص۲۷۶

امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی

حضرت عباس علیہ السلام کی توصیف

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

كَانَ عَمُّنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَلِيٍّ نَافِذَ الْبَصِيرَةِ صُلْبَ الْإِيمَانِ، جَاهَدَ مَعَ أَخِيهِ الْحُسَيْنِ وَأَبْلَى بَلَاءً حَسَناً وَمَضَى شَهِيداً۔ [1]

"ہمارے چچا عباس علیہ السلام بن علی علیہ السلام اعلیٰ بصیرت اور پختہ ایمان کے حامل تھے، جنہوں نے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کی رکاب میں جہاد کیا اور امتحان میں سرخرو ہوئے اور پھر شہادت پائی"۔

وہ ایسا مجاہد ہے کہ امام معصومؑ (کہ جس کی تائید عین تائید خداوند متعال ہے) حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام ان کی شہادت کے وقت فرماتے ہیں:

جَزَاكَ اللهُ خَيْراً يَا أَخِي، لَقَدْ جَاهَدْتَ فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ۔ [2]

"اے میرے بھائی! خدا آپؑ کو جزائے خیر دے۔ تم نے خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا"۔

۱۔ مامقانی، تنقیح المقال= ج ۲، ص ۱۲۸

۲۔ ملا حبیب اللہ کاشانی، تذکرۃ الشہداء= ص ۲۷۰

یہ وہ تعبیر ہے جو امام سجاد علیہ السلام زیارت امین اللہ علیہ السلام میں اپنے جد امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَشْهَدُ أَنَّكَ جَاهَدْتَ فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا"۔

ایک پرچم جو زمین پر نہیں گرا:۔

"حقِ جہادؑ" کے بیان کے لئے بس یہی کافی ہے کہ جب شہدائے کربلاؑ کے تمام وسائل جو غارت ہوئے اور شام میں یزید کے پاس لے گئے، ان کے درمیان ایک بہت بڑا پرچم تھا۔ یزید ملعون اور حاضرین حیران ہو گئے کہ تمام پرچم میں سوراخ اور آسیب دیکھے ہیں مگر ہاتھ ڈالنے کی جگہ سالم ہے۔

یزید ملعون نے از روئے تعجب پوچھا: اس علَم کو کون اٹھاتا تھا؟

کہا گیا= عباس ابن علی علیہ السلام

یزید ملعون پرچم کی تجلیل سے از روئے حیرت تین بار اُٹھا اور بیٹھا اور حاضرین کی طرف منہ کر کے کہا:

أُنْظُرُوا إِلَى هَذَا الْعَلَمِ فَإِنَّهُ لَمْ يَسْلَمْ مِنَ الطَّعْنِ وَالضَّرْبِ إِلَّا مَقْبَضَ الْيَدِ الَّتِي تَحْمِلُهُ۔

"اس علَم کو دیکھو کہ اس کی صدمات اور ضربوں کے اثر میں کوئی جگہ سالم نہیں رہی سوائے اس پرچم کے دستہ کے جو کہ علمدار نے اس کو وہاں سے پکڑا ہوا تھا (یعنی علم کو کسی صورت میں گرنے نہیں دیا)"۔

اس کے بعد کہا:

اَبَیْتَ اللَّعْنَ یَا عَبَّاسُ ھٰکَذَا یَکُوْنُ وَفَاءُ الْاَخِ لِاَخِیْہِ۔[1]

"اے عباس علیہ السلام! تُو نے اس جوان مردی سے لعن و ناسزائی کو خود سے دور کیا (روا نہیں ہے کہ کوئی آپؑ کو ناسزا کہے)"۔

یہ عباس علیہ السلام کے اپنے بھائی کی نسبت وفا کے معنی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، ابا الفضل العباس علیہ السلام کے خدا کی راہ میں جہاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَشْهَدُ أَنَّكَ لَمْ تَهِنْ وَلَمْ تَنْكُلْ۔[2]

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے امام علیہ السلام کے دفاع میں کسی قسم کی سستی و توقف نہ کیا"۔

حضرت ابا عبداللہ علیہ السلام مولا عباس علیہ السلام کی پناہ میں:۔

اس قدران بزرگوار کا وجود اہمیت رکھتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام عاشورہ کی مشکلات کی شدت میں ان کی پناہ میں گئے۔

معروف شاعر اور فہیم اہل بیت علیہم السلام "شیخ محمد رضا ازری" ابا الفضل العباس علیہ السلام کی شان میں قصیدہ "قصیدۃ الہائیۃ" کہتے ہوئے اس منزل پر پہنچے کہ ان کی زبان پر یہ مصرع جاری ہوا:

یَوْمُ اَبُو الْفَضْلِ اسْتَجَارَ بِہِ الْھُدیٰ۔

1- پرچم دار نینوا= ص۸۱

2- ابن قولویہ، کامل الزیارات = ص ۲۰۸

"عاشوراء کا دن وہ دن ہے کہ اس دن امام حسین علیہ السلام مخزن ہدایت ابا الفضل العباس علیہ السلام کی پناہ میں گئے"۔

اس مطلب کی صحت کو شاعر نے اپنی نظر میں بعید شمار کیا اور کہا کہ شاید اس کو امام حسین علیہ السلام قبول نہ کریں۔

اسی رات اُس شاعر نے امام حسین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہا آپؑ نے اُس سے فرمایا:

جو تم نے کہا ہے، وہ صحیح ہے۔ میں نے اُس دن اپنے بھائی کی پناہ لی۔ اور دوسرا مصرع اس طرح کہو:

وَالشَّمْسُ مِنْ كَدِرِ الْعَجَاجِ لِثَامُهَا۔[1]

"جب حملوں کے اثر میں زمین و آسمان تیرو تار ہو گئے تو اس وقت مَیں عباس علیہ السلام کی پناہ میں گیا"۔

اس طرح گرد و غبار نے سورج کے نور پر نقاب ڈالا ہوا تھا اور ہوا کو تاریک کیا ہوا تھا۔

علمائے متوسّل سے بعض بزرگان نے کہا ہے = اگر جمعہ کے دن کوئی نماز کے بعد ۱۳۳ (عباس علیہ السلام کے لفظ کے حروف ابجد) بار "یا کَاشِفَ الْکَرْبِ عَنْ وَجْہِ الْحُسَیْنِ اِکْشِفْ کَرْبِیْ بِحَقِّ اَخِیْکَ الْحُسَیْنِ" کہے تو بہ اُمیدِ خدا اس کی حاجت پوری ہوگی۔

پس! یہی مختصر کہ جو کچھ بھی باب الحوائج الی اللہ کے بارے میں کہا گیا ہے، اِس

1- ذبیح اللہ محلاتی، فرسان الھیجاء = ص ۱۸۹

سے انسان کو پتا چلے گا کہ وہ بزرگوار بہت ہی باکمال اور باادب ہیں اور اپنے سید و سردار حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کی نسبت انتہائی خضوع وخشوع ظاہر کرتے اور اپنے خطبے کے ابتدائی جملوں میں اپنے زمانے کے امام علیہ السلام کو بیان فرما کر فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَ هٰذَا بِقُدُوْمِ اَبِیْهِ۔

"حمد ہے اُس اللہ کیلئے جس نے اسے (کعبے کو) میرے مولا (امام حسین علیہ السلام) کے والد گرامی (علی علیہ السلام) کے قدم سے شرف بخشا"۔

اسی ادب کی وجہ سے خدا نے ان کو جو مقام عطا کیا، کسی غیر معصوم میں طاقت نہیں کہ ان کی عظمت جان سکے۔

اور یہ ایک کلی قائدہ ہے کہ انسان کا جتنا اولیائے خدا کی نسبت معرفت میں اضافہ ہوگا، اس کا تواضع اس کی نسبت اور زیادہ ہوگا۔

سلمانؓ اور ابا الفضل العباس علیہ السلام کا مقایسہ:۔

ایک مجلس ومحفل میں ایک شخص جو ظاہراً بہت بڑا عالم تھا، اس نے کہا: سلمانؓ اَز نظرِ علمی حضرت عباس علیہ السلام پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا:

سَلْمَانُ بَحْرٌ لَا یُنْزَحُ۔

"سلمان ختم نہ ہونے والا سمندر ہے"۔

اسی عالم نے ایک رات عالمِ رؤیا میں دیکھا کہ ایک عظمت والی مجلس میں حاضر ہے اور حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام صدر مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور سلمانؓ اپنے

ہاتھ سینے پر رکھ کر حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کی خدمت کے لئے کھڑے ہیں اور اس عالم سے فرماتے ہیں = اے مرد! کیوں غلط کر رہے ہو۔ میرا افتخار یہ ہے کہ میں حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کا خدمت گزار ہوں۔[1]

اور اسی کے مثل ایک دوسرے شخص کے ذہن میں خیال آیا کہ سلمان افضل ہیں یا حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام؟ تو وہ اپنی ہی فکر میں اس نتیجے تک پہنچا کہ سلمانؓ افضل ہیں۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ اس سے فرمایا:

اگر عباس علیہ السلام عالم پر ایک نگاہِ کرم فرمائیں تو سب سلمانؓ بن جائیں۔

عباس که هست همچو ماهی تابان
بخشد به همه فروغ عشق و ایمان
گر یك نظر لطف كند بر عالم
عالم شود از نگاه لطفش "سلمان"

"عباسؑ جو قمرِ بنی ہاشم ہیں، جس نے عشق وایمان کو فروغ بخشا۔ اگر ایک مہربانی کی نظر عالم پر کریں۔ تو سارا عالم اس کی مہربان نگاہ سے سلمان ہو جائے"۔

۱۔ محمد مہدی اشتہاردی، پرچم دار نینوا = ص ۴۱

استخارے کا جواب القاء دل میں

مرحوم آیت اللہ سید عبدالکریم کشمیری کمالات روحی کے علاوہ فوق العادہ استخارہ بھی کرتے تھے اور مرحوم آیت اللہ خوئی اپنے استخارے بھی ان سے کرواتے تھے۔

ایک دن ان کی خدمت میں تھا، فرمایا:

ایک شخص نے مجھ سے استخارہ چاہا تو میں نے اس کا استخارہ کیا اور میں نے کہا= جس نے استخارہ کروایا ہے، وہ فوت ہو گیا ہے۔

اس نے بہت تعجب کیا اور کہا: آقا! وہ تو رات میرے ساتھ تھا اور ہم آپس میں باتیں کرتے رہے اور مجھ سے کہا: آقا کشمیری سے کل کہنا کہ میرے لئے استخارہ کریں۔

میں نے کہا: وہی ہے جو میں نے کہا ہے۔

وہ شخص فوراً وہاں سے اپنے دوست کے گھر گیا تو دیکھا گھر کی دیواروں پر سیاہ چادر لگی ہوئی تھی اور قرآن کی آواز سن رہا تھا اور لوگ کہ انہوں نے سیاہ لباس پہنا ہوا تھا، وہ آرہے تھے اور جارہے تھے۔

جب گھر میں داخل ہوا تو دوست کی بیوی اور بچے کو روتے ہوئے دیکھا۔

مرحوم آیت اللہ سید عبدالکریم کشمیری نے اپنے کلام کے ضمن میں فرمایا:

ایران اور عراق کی جنگ کے اوائل ایام تھے۔ اور مَیں ایک دن حضرت

ابا الفضل العباس علیہ السلام کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اچانک میں نے دیکھا کہ ایک گروہ نے ایک عورت کو گھیرا ہوا تھا۔

میں نے کہا: کیا ماجرا ہے؟

کہا گیا: ایک عورت ہے جو تسبیح کے ساتھ ایک عجیب استخارہ کر رہی ہے اور لوگوں کی عین نیت کے مطابق کہہ رہی ہے۔ اور لوگ اُسے اپنی چیزیں دے رہے ہیں۔

میں نے کہا= اچھا! اب میں بھی اس کا امتحان لیتا ہوں۔

ایک شخص جو میرے پاس تھا، مَیں نے اُس سے کہا کہ اس سے کہو کہ وہ میرے لئے ایک استخارہ کرے۔

وہ شخص گیا اور واپس آیا تو اُس سے کہا= وہ کہہ رہی ہے کہ آپ خود آئیں۔

پس! میں اُس کے پاس گیا۔ اُس نے میرے استخارے کا جواب کچھ اس طرح دیا= یہاں مت رہنا کہ بہت مصیبتیں دیکھو گے اور تمہارے اموال بھی لوٹ لئے جائیں گے

مَیں نے تعجب کیا کہ تسبیح کے ساتھ ایسی کون سی تعبیر کر رہی ہے جو عین واقع ہے۔ میں نے نیت کی ہوئی تھی کہ عراق میں رہوں گا لیکن اس کے استخارے نے منصرف کر دیا، لہٰذا ایران آ گیا۔

میں نے اس عورت سے سوال کیا کہ اتنی بڑی عنایت کیسے حاصل کی؟

اُس نے کہا: میں جوان تھی، فقط میرا بیٹا میرے لئے روٹی لاتا تھا۔

تقدیر نے اُسے مجھ سے چھین لیا اور میں اکیلی بے سرپرست ہو گئی۔

پس! مَیں حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام باب الحوائج الی اللہ کے حرم میں آئی اور

ان سے متوسل ہوئی۔

ایک رات عالمِ رؤیا میں آپؑ نے مجھ سے فرمایا: پریشان مت ہو میرے صحن کے ایک گوشہ میں بیٹھو اور لوگوں کے لئے استخارہ کرو اور ہم تمہاری مدد کریں گے۔

اب جب میں کسی کے لئے استخارے کی نیت کرتی ہوں اور ایک تسبیح کے دانے کو اپنے قبضے میں لیتی ہوں اور گنبد نورانی و مطہر کی طرف دیکھتی ہوں تو وہ بزرگوارؑ فوراً استخارے کے جواب کو میرے دل میں القاء کرتے ہیں۔

اور جو میں لوگوں کو جواب دیتی ہوں تو یہ وہی چیز ہے جو ابا الفضل العباس علیہ السلام مجھے عنایت کرتے ہیں۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کی شخصیت عظیم اور واقعہ کربلا میں ان کے نقش بہت بڑا مقام رکھتے ہیں اور حضراتِ معصومین علیہم السلام کے پاس ان کا مرتبہ بہت بڑا ہے اور خدا کے نزدیک ان کی محبوبیت تصور کے سورج ہیں، تصدیق، فہم و ادراک غیر آلِ محمد علیہم السلام کے لئے ممکن نہیں۔

جو بھی ان کو جتنا جانتا ہے اس کو اپنی صلاحیت کے مطابق جانتا ہے اور تمام بزرگان حتیٰ کہ بیگانے بھی ان سے توسل کرتے ہیں۔

=====❖=====

فصلِ دوم

کفار اور راستہ روکنا

کفار فجار کیوں؟

قال مولانا العباس علیه السلام =

..أَيُّهَا الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ أَتَصُدُّونَ طَرِيقَ الْبَيْتِ لِإِمَامِ الْبَرَرَةِ؟..

مولا عباس علیہ السلام نے فرمایا=

"اے بدترین کافرو اور فاجرو! تم اس بیت اللہ کا راستہ نیک اور پاک لوگوں کے امام کے لئے روکتے ہو"۔

کفار فجار کیوں؟:۔

کفر و فجر کے لغوی و اصطلاحی معنی = راغب اصفہانی اپنے مفردات میں کلمہ "کفر" کے اس طرح معنی کرتا ہے:

الکفر فی اللغة ستر الشيء.... و کفر النعمة و کفرانها بترك اداء شکرها.

"کفر لغت میں کسی چیز کو چھپانا ہے۔۔۔۔ اور نعمت کا کفر، ان کا کفر ہوتا ہے جب نعمت کا شکر ادا نہ ہو"۔

کافر کو کافر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ حق کو چھپاتا ہے اور اس کو اَن دیکھا کرتا ہے۔

اور کفور وہ ہے جو نعمتوں کے چھپانے میں مبالغہ کرتا ہے۔

کفار اور کفرہ، کافر کی جمع ہیں۔

اور پھر راغب اصفہانی "فجر" کے کلمے کی تعریف میں کہتا ہے:

الفجر: شق الشّيء شقا واسعا کفجر الإنسان السّکر۔

فجر یعنی! ایک چیز میں زیادہ شگاف اس کے مثل کہ کسی بند چیز کو کھولنا اور شگاف کرنا۔ صبح کو بھی فجر کہتے ہیں کیونکہ وہ رات کو شگاف کرتی ہے۔

والفجور: شق ستر الديانة۔

"فجور، پردۂ دیانت کو پارہ پارہ کرنا یعنی پھاڑنا"۔

منظور پارہ کرنا پردہ اور ایک حریم کو کہ دین نے ایک چیز کے اوپر "مثلِ گناہ" کھینچا ہے تاکہ انسان اس کے نزدیک نہ ہو جائے اور اس کا اسم فاعل فاجر ہے یعنی بدکار اور اس کی جمع فجار و فجرۃ ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ۔ [1]

"اور یقیناً بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے"۔

قرآن فرماتا ہے:

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ۔ [2]

"ہرگز نہیں! بدکاروں کا نامہ اعمال سجین [3] میں ہے"۔

1۔ سورہ الانفطار = آیت ۱۴

2۔ سورہ المطففین = آیت ۷

3۔ سجین جہنم کو کہتے ہیں

اور دوسری آیات میں فرماتا ہے:

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ۔ [1]

"کچھ چہرے اس روز چمک رہے ہوں گے"۔

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ۔ [2]

"خنداں وشاداں ہوں گے"۔

وَ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ۔ [3]

"اور کچھ چہرے اس روز خاک آلود ہوں گے"۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ۔ [4]

"ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی"۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ۔ [5]

"یہی تو کافر اور فاجر لوگ ہوں گے"۔

کفر بلحاظ اعتقادات اور فجور بلحاظ اعمال ہوتا ہے۔

کفرہ اور فجرہ وہ ہیں جن کے عقائد بھی باطل ہیں اور اعمال بھی تباہ ہیں۔

بر یعنی نیکی کی اور اس کا مصدر بر ہے یعنی نیکی کرنا۔

بَرَّ اَبَاهُ یعنی اس کے والد سے نیکی کی۔

۱۔ سورہ العبس = آیت ۳۸

۲۔ سورہ العبس = آیت ۳۹

۳۔ سورہ العبس = آیت ۴۰

۴۔ سورہ العبس = آیت ۴۱

۵۔ سورہ العبس = آیت ۴۲

اس کا اسم فاعل بَار و بر ہوگا اور اس کی جمع اَبْرَارٌ و بَرَرَةٌ ہوگی۔

خداوند متعال فرماتا ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ۔ [1]

"نیکی پر فائز لوگ نعمتوں میں ہوں گے"۔

اور فرشتوں کی وصف میں فرماتا ہے:

كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔۔۔ [2]

"بزرگ نیکوکار۔۔۔"

اِمَامُ الْبَرَرَةِ۔

"یعنی نیکوکاروں کا امام"۔

قمر منیر بنی ہاشمؑ اپنے خطبے کے اس جملے میں بیت اللہ کے حاضرین کو جو امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے، ان کو کفرہ و فجرہ سے خطاب کرتے ہیں۔

کیا وہ مسلمان اور لا الہ الا اللہ کہنے والے نہیں تھے؟

اگر مسلمان نہیں تھے تو کعبہ کی زیارت کے لئے کیوں آئے؟

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے ان کو کیوں کافر و فاجر کہا؟

۱۔ سورہ الانفطار = آیت ۱۳

۲۔ سورہ العبس = آیت ۱۶

سب سے بڑی نعمت کو ان دیکھا کرنا

جس طرح کہا گیا ہے کہ "کفر" نعمت سے پردہ پوشی اور اس کو اَن دیکھا کرنا ہے۔

نعمتِ ہدایت سے کون سی نعمت بڑی ہے؟

اور کون سی نعمت، نعمتِ معرفت امامؑ جو خدا کی طرف سے منسوب ہے، سے بزرگ ہے؟۔

تمام نعمتیں جو خدا نے انسان کو عنایت فرمائی ہیں، مثلاً = کھانے، پینے، آنکھ، کان اور اس جیسی دوسری نعمتیں یہ سب اس انسان کو کمال تک پہنچانے کا وسیلہ ہیں اور وادی قربِ ربوبی تک پہنچانے کا وسیلہ ہیں۔ اور انسان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں سے بطور صحیح استفادہ کرے اور خدا کا شکر گزار رہو، نہ کہ کفرانِ نعمت کرے۔

قرآن فرماتا ہے:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔ [1]

"پھر اس روز تم سے نعمت کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا"۔

جس طرح آپ دیکھ رہے ہیں کہ نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اس نعمت کا شکر بجالائے یا پھر کفرانِ نعمت کیا اور کسی غیر شائستہ راہ پر مصرف کیا؟

۱۔ سورہ التکاثر = آیت ۸

قدر مسلّم خود آدمی نہیں جانتا اور اس کی تشخیص بھی نہیں دے سکتا۔

اولاً= خدا کی دی ہوئی چیزیں کتنی ہیں یا کس مرتبہ پر قرار ہیں اور ان میں سے سب سے اہم کون سی ہے؟۔

ثانیاً= اور ان میں سے ہر کسی کو کس طرح استعمال کر کے عالی ترین نتائج و مترتب تک پہنچے

اس میں فقط اور فقط راہنما، دینِ خدا ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے اور ان کے بیانِ حق کے لئے اپنے اہل بیت علیہم السلام سے آئمہ علیہم السلام منصوب کئے اور ان ذوات مقدسہ نے دلائل عقلی و نقلی سے واضح کیا ہے۔ نعیم، دین اور ولایتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اہل بیت علیہم السلام ہے کہ خدا نے ان کی اطاعت کو واجب فرمایا ہے اور ان کے پیروان کو حقیقی رہروان سلوک الی اللہ شمار کیا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے ابا خالد کابلی سے آیہ مذکورہ کے بارے میں فرمایا:

إِنَّمَا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَنْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ۔ [1]

"بیشک دین حق پر کہ جس پر تم ہو، اس کا سوال ہوگا"۔

جمیل، امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کرتا ہے تو امام علیہ السلام اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

تُسْأَلُ هَذِهِ الْأُمَّةُ عَمَّا أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ ثُمَّ بِأَهْلِ بَيْتِهِ الْمَعْصُومِينَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔ [2]

۱۔ البرقی، المحاسن = ص ۴۰۰

۲۔ التفسیر القمی = ج ۲ ص ۴۴۰

"یہ اُمت سے نعمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس کے بعد وجودِ اہل بیت علیہم السلام کی نعمت کے بارے میں سوال کئے جائیں گے"۔

ابراہیم بن عباس کاتب، امام علی رضا علیہ السلام کے قول سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے آیہ مذکورہ کے ذیل میں فرمایا:

وَلٰكِنَّ النَّعِيمَ حُبُّنَا أَهْلِ الْبَيْتِ وَمُوَالَاتُنَا ۔[1]

"نعیم سے مراد ہم اہل بیت علیہم السلام کی محبت وموالات ہے"۔

ابوحنیفہ نے امام محمد صادق علیہ السلام سے پوچھا:

فَمَا النَّعِيمُ؛ جُعِلْتُ فِدَاكَ ۔

"میں آپؑ پر قربان جاؤں"۔ اس آیت "ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ" میں نعیم سے مراد کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ= النَّعِيمُ نَحْنُ الَّذِينَ أَنْقَذَ اللهُ النَّاسَ بِنَا مِنَ الضَّلَالَةِ وَبَصَّرَهُمْ بِنَا مِنَ الْعَمٰى وَعَلَّمَهُمْ بِنَا مِنَ الْجَهْلِ ۔[2]

"نعیم سے مراد اس آیت میں ہم اہل بیت علیہم السلام ہیں کہ خداوند نے ہمارے ہی وسیلے سے لوگوں کو ضلالت وگمراہی سے نجات دی اور باطنی اندھے پن سے وادئ بصیرت میں آگاہی دی اور ہمارے وسیلے سے انہیں تعلیم دے کر جہالت سے دور کیا"۔

۱۔ عیون اخبار الرضا= ج ۲، باب ۳۵، ح ۶

۲۔ بحار الانوار= ج ۱۰، ص ۲۰۹، ح ۱۰

امام محمد باقر علیہ السلام وامام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

النَّعِيمُ: وَلَايَةُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ (عَلَيْهِ السَّلَامُ)۔[1]

"نعیم، ولایت امیر المومنین علیہ السلام ہے"۔

اور بعض احادیث میں "وِلَايَتُنَا" آیا ہے۔ اس حدیث کے مثل جو ابوحفص صائغ امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ اس آیت کے بارے میں فرمایا:

وَاللهِ مَا هُوَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ وَلٰكِنْ وِلَايَتُنَا أَهْلَ الْبَيْتِ ۔[2]

"خدا کی قسم! نعیم سے مراد کھانا اور پینا نہیں بلکہ ہم اہل بیت علیہم السلام کی ولایت ہے"۔

اس بارے میں بے شمار احادیث ہیں کہ جس میں سے بعض کو ہم نے بیان کیا ہے۔

ان روایات میں "نعیم" سے مراد کہ جس کا قیامت کے بارے سوال ہوگا، ان صورتوں میں بیان ہوا ہے=

ہم اہل بیت علیہم السلام، ہماری محبت، ہماری ولایت، دین حقیقی و واقعی "جو ولایتِ آلِ محمد علیہم السلام کے علاوہ نہیں"۔

درحقیقت یہ حقائق ہیں (کہ تمام حقائق جو ایک ہی حقیقت کی طرف رجوع کرتے ہیں) کہ انسان اللہ کی عطا کورنگ نعمت بخشتے ہیں۔ یعنی ان کو عامل سعادت و رُشد شخصیت معنوی انسان کرتے ہیں اور خود افضل النعم ہیں اور کل قیامت کے دن ہر مسلمان سے ان کی ولایت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس طرح اس کو اپنے

۱۔ بحار الانوار= ج ۲۴، ص ۵۳، ح ۱۵

۲۔ بحار الانوار= ج ۲۴، ص ۵۶، ح ۲۵

اعتقادات واعمال اور رفتار وگفتار میں اعمال کرتے رہے۔

پس! جو بھی آلِ محمد علیہم السلام کے ساتھ اچھی رفتار اختیار نہ کرے، اس نے خدا کی سب سے بڑی نعمت کا انکار کیا ہے اور جو بھی کفرانِ نعمت کرے، وہ کافر ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔[1]

”یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچان لیتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر تو کافر ہیں“۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

عَرَّفَهُمْ وَلَايَةَ عَلِيٍّ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) وَ أَمَرَهُمْ بِوِلَايَتِهِ، ثُمَّ أَنْكَرُوْا بَعْدَ وَفَاتِهِ۔[2]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کی ولایت کی ان کو معرفت کروائی اور ان کو امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کا حکم دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد اس کا انکار کر گئے“۔

۱۔ سورہ النحل = آیت ۸۳

۲۔ تفسیر برہان = ج ۲، ص ۳۷۸، ح ۳

کافر، قرآن کی نظر میں

قرآن کی نظر میں جو بھی اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت نہ کرے، وہ کافر ہے۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہو رہا ہے=

قُلْ اَطِيْعُوا اللهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔[1]

”کہہ دیجئے: اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو، پس اگر وہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا“۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو علی علیہ السلام ابن ابی طالب علیہ السلام اور ان کے گیارہ بیٹوںؑ کی اطاعت کا حکم نہیں دیا؟

اس سوال کا جواب اظہر من الشمس ہے۔ (جو بھی یہ چاہتا ہے کہ وہ اس میدان میں مزید تحقیق کرے تو وہ ان کتب= ”المراجعات اور النص والاجتہاد، کہ جس کا فارسی ترجمہ بھی ہے اور شبہائے پشاور اور سیمائے علیؑ“ بہ روایت اہلسنت وغیرہ۔۔۔ کی تحقیق کرے)۔ پس! عامّہ کے بزرگ سقیفہ میں کیوں جمع ہوئے اور کسی اور کو امام علی علیہ السلام

۱۔ سورہ آل عمران = آیت ۳۲

پرتوجہ دی اوراس کو مسلمانوں کا خلیفہ قرار دیا۔؟

پس! اس ٹیڑھی اینٹ نے دیوارِ اسلام کو لوگوں کی نظروں میں ختم کر دیا۔

أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِينَ۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کے مخالفوں کو کفرہ اور فجرۃ مخاطب کر کے خطاب کیا۔ واقعاً وہ کافر و فاجر تھے اور ان کے عقائد جو کفر اور ان کے اعمال بھی فسق و فجور تھے اور یزید ملعون یہ صریحاً کہتا تھا:

لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلَا
خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلْ

"ہاشم نے ملک و سلطنت کیلئے ڈھونگ رچایا، ورنہ عالمِ بالا سے کوئی خبر، کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ (نعوذ باللہ یہ سب جھوٹ ہے)"۔

آیا یہ حرامزادہ مسلمان ہے؟

کون اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین مانتا ہے؟

کیا ایسا نہیں کہ وہ تمام مقدساتِ دینی کا منکر ہے؟

اور جو اس کے ساتھ ہے وہ بھی حرامزادہ ہے کیوں کہ وہ اس کی تائید کر رہا ہے۔

پس! وہ اور خلفائے بنی اُمیہ اور بنی عباس یہ چاہتے تھے کہ خدا اور اس کے بھیجے ہوئے کے درمیان جدائی ڈالیں۔ اس معنی میں کہ یہ کہیں کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں۔

یعنی اصلاً خدا کا کوئی بھیجا ہوا نہیں ہے لیکن موقعیت اور اپنے مقام کی حفاظت کے لئے اور لوگوں کے ایمان و اعتقاد سے سوء استفادہ کر رہے ہیں اور بعض آیات کی طرف اظہار ایمان اور بعض کی طرف کفر کرتے ہیں۔ (درواقع یہ تمام آیات کے کافر

ہیں) اور ایمان اور کفر کا درمیانی راستہ (یعنی منافقت) کا اختیار کرتے ہیں اور اللہ نے ان کو کافر واقعی قرار دیا ہے۔

سورۂ نساء میں فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا۔[1]

"جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور رسولوں کے درمیان تفریق ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم بعض پہ ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور وہ اس طرح کفر و ایمان کے درمیان ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

اور سورۂ مائدہ میں فرماتا ہے:

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ۔[2]

"اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ کافر ہیں"۔

اور جو آیات و احادیث ذکر ہوئی ہیں، اُن سے معلوم ہوا ہے کہ جو حکمِ خدا کو

۱۔ سورالنساء = آیات ۱۵۰۔۱۵۱

۲۔ سورہ المائدہ = آیت: ۴۴

دوسرے حکم کے ساتھ تبدیل کریں اور اللہ کی نعمتوں کو خصوصاً اس کی سب سے بڑی نعمت جو ولایت و محبت آئمہ علیہم السلام ہے، کو اَن دیکھا کرے، وہ کافر ہے اور ان کے اعمال بھی فسق و فجور کے علاوہ کچھ نہیں۔

اور اس مطلب کو بزرگانِ اہلِ سنت نے بھی اپنی روائی کتب میں ذکر کیا ہے۔ من جملہ ان میں سے "ہیثمی" لکھتا ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ:
الْزَمُوا مَوَدَّتَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ؛ فَإِنَّهُ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ - عَزَّ وَجَلَّ - وَهُوَ يَوَدُّنَا دَخَلَ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِنَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَنْفَعُ عَبْدًا عَمَلُهُ إِلَّا بِمَعْرِفَةِ حَقِّنَا۔[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم اہل بیت علیہم السلام کی مودّت کے ملازم رہو کیونکہ جو بھی خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ ہم سے محبت کرتا ہو تو ہماری شفاعت سے جنت میں داخل ہوگا۔ مجھے اس خدا کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کسی بھی بندے کے اعمال اس کو فائدہ نہیں دے سکتے سوائے ہمارے حق کی معرفت کے"۔

جابر بن عبداللہ انصاری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:
لَا يُحِبُّنَا أَهْلَ الْبَيْتِ إِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَلَا يُبْغِضُنَا إِلَّا مُنَافِقٌ شَقِيٌّ۔[2]

۱۔ المجمع الزوائد، الہیثمی = ج ۹، ص ۱۷۲
۲۔ ذخائر العقبیٰ = ص ۱۸

"ہم سے محبت نہیں کرتا مگر مومن متقی اور ہم سے دشمنی نہیں رکھتا مگر منافق بد بخت"۔

عن ابنِ عباس قال= قال رسول اللہ=
لَوْ أَنَّ عَابِداً عَبَدَ اللهَ بَيْنَ الرُّكْنِ وَ الْمَقَامِ أَلْفَ عَامٍ وَ أَلْفَ عَامٍ حَتّٰى يَكُوْنَ كَالشَّنِّ الْبَالِيْ وَ لَقِيَ اللهَ مُبْغِضاً لِآلِ مُحَمَّدٍ أَكَبَّهُ اللهُ عَلٰى مَنْخَرِهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ۔[1]

"اگر کوئی دو ہزار سال رُکن و مقام کے درمیان اللہ کی عبادت کرے یہاں تک کہ بیابان کی ریگ کی طرح ہو جائے اور خدا سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ آلِ محمد علیہم السلام سے دشمنی رکھتا ہو تو اللہ عز وجل اُسے منہ کے بل جہنم میں داخل کرے گا"۔

وہ جو یہودی محشور ہوگا:۔

جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے لئے خطبہ پڑھا۔ اور اِس خطبے کے ضمن میں فرمایا:
أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ أَبْغَضَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ حَشَرَهُ اللهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَهُوْدِيًّا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَ إِنْ صَامَ وَ صَلّٰى؟ قَالَ= وَإِنْ صَامَ وَ صَلّٰى)۔[2]

"اے لوگو! جو ہم اہلِ بیت علیہم السلام سے دشمنی رکھے، اللہ عز وجل قیامت

۱۔ تاریخ بغدادی = ج ۳، ص ۱۲۲
۲۔ المجمع الہیثمی = ج ۹، ص ۱۷۲

کے دن اُسے یہودی محشور کرے گا"۔

جابر کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا= یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگرچہ وہ روزہ دار اور نماز پڑھتا ہو؟ آپؐ نے فرمایا= چاہے نماز اور روزہ ہی کیوں نہ ادا کرتا ہو"۔

ومن آذانی فی عترتی فعلیه لعنة الله ومن آذانی فی عترتی فقد آذی الله إن الله حرم الجنة علی من ظلم أهل بیتی أو قاتلهم أو أعان علیهم أو سبهم.[1]

"اور جس نے میرے اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں مجھے تکلیف دی اس پر اللہ کی لعنت ہے، اور جس نے میرے اہل بیت علیہم السلام کے متعلق مجھے ایذاء پہنچائی، اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچائی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر جنت حرام قرار دی ہے جس نے میرے اہل بیت علیہم السلام پر ظلم کیا یا ان سے جنگ کی یا ان کے خلاف کسی کی مدد کی یا انہیں بُرا بھلا کہا"۔

جو بھی جس مقام میں، وہ علمی ہو یا عبادی اگر وہ مبغض آلِ محمد علیہم السلام ہو یا پھر ان کا مخالف ہو تو وہ اپنی عبادات وعلوم اور عرفان و اخلاقیات اور اجتماعیات کا بارگاہ خداوندی میں کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں کرے گا۔ اور اس کی جگہ اعماقِ جہنم میں ہے۔

اور اس دعویٰ کی صحت پر ہزاروں عقلی ونقلی دلیلیں مترتب ہیں اور ہم نے ان کے مختصر پر اکتفاء کیا ہے۔

۱۔ الصواعق المحرقۃ= ص ۱۴۳

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام برحق جانشین، اللہ اور اُس کے رسولؐ کے مانند مفترض الطاعۃ ہیں اور ان کی پیروی واطاعت جمیع خلائق پر واجب ہے اور ان کے اوامر ونواہی عین اوامر ونواہی خدا اور رسولؐ ہیں اور ان کی مدد کرنا عین اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا ہے۔

اور ان کے ساتھ محبت و عداوت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت و عداوت ہے اور ان سے دوری وجدائی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عین جدائی ہے۔

پس! اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس موضوع پر تصریحات حد سے زیادہ ہیں۔

وائے ہو اس کے حال پر! جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارشات کو پاؤں تلے روند دے اور شیطان کے اوامر کا مجری اور اس کے شاگردوں اور استادوں کے، خصوصاً مخالفت میں تمام جانب سے ان کے ساتھ ہو۔

الا لعنة الله علی مبغضیهم و مخالیفهم۔

=====❖=====

معیت علی علیہ السلام اور قرآن وحق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَ الْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔[1]

"علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی علیہ السلام کے ساتھ۔ اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔ (یعنی قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے)"۔

اگر کوئی حق کا طالب ہے (نہ کہ طالب نفس و شیطان) تو اُسے چاہیے کہ وہ مولا علی علیہ السلام کے پیچھے چلے کیونکہ حق خود علی علیہ السلام کے پیچھے چل رہا ہے۔ پس! جہاں پر علی علیہ السلام ہیں، حق بھی وہیں ہے اور جو کچھ علی علیہ السلام کہیں، وہی حق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَ الْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔[2]

1۔ مستدرک الصحیحین = ج ۳، ص ۱۲۴

2۔ تاریخ بغدادی = ج ۱۴، ص ۳۲۱

"علی علیہ السلام حق کے ساتھ ہے اور حق علی علیہ السلام کے ساتھ۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ قیامت کے دن میرے پاس حوض پر وارد ہوں"۔

دوسری جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

أَلَا وَإِنَّ الْحَقَّ مَعَهُ يَتْبَعُهُ فَمِيلُوا مَعَهُ۔[1]

"آگاہ ہو جاؤ! حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور اس کی پیروی کرتا ہے پس! تم بھی اس کے ہمراہ ہو جاؤ"۔

عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَ الْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ یَدُوْرُ حَیْثُمَا دَارَ۔[2]

"علی علیہ السلام حق کے ساتھ اور حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور حق علی علیہ السلام کے گرد گھومتا ہے"۔

حضرت قمر منیر بنی ہاشم، امام حسین علیہ السلام کہ جو اپنے والد بزرگوار علیہ السلام کی اُن صفات کے واجد ہیں، کو لقب "امام البررہ" کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور ان کے مخالفوں کو کفرہ و فجرہ کہہ کر یاد کرتے ہیں۔

اور یہ تعبیر دقیقاً کتبِ اہلِ سنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موجود ہے۔ من جملہ ان میں سے جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حال میں کہ انہوںؑ نے علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، سنا کہ آپؐ نے فرمایا:

هٰذَا أَمِيْرُ الْبَرَرَةِ وَقَاتِلُ الْفَجَرَةِ مَنْصُوْرٌ مَنْ نَصَرَهُ مَخْذُوْلٌ مَنْ

1۔ المناقب، الخوارزمی = ص ۱۱۱

2۔ بحار الانوار = ج ۱۰، ص ۴۳۲، ح ۱۲

خَذَلَهُ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ ۔[1]

"یہ علی علیہ السلام نیکوں کے امام اور قاتل فجار ہیں، جو اس کی مدد کرے گا وہ اللہ کی مدد پائے گا اور جو اسے خوار کرے گا وہ خود خوار و ذلیل ہوگا۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے اپنی صدا کو بلند کیا ہے)"۔

اتمام مناسک سے پہلے امام علیہ السلام کی حرکت پر دلائل

امام حسین علیہ السلام کی حرکت (نکلنے) پر عمدہ دلیل وہ بھی آٹھ ذوالحج (یوم الترویہ) یعنی مناسکِ حج کے اتمام سے پہلے یہ تھی:

اولاً: امام حسین علیہ السلام جانتے تھے اگر یہاں پر رہیں گے تو اُن کو قتل کر دیں گے اور آپ کا یہ فریضہ نہیں تھا کہ اپنے جسم کو اس طرح کی موت دیں۔

ثانیاً: آپ نہیں چاہتے تھے کہ حرمتِ کعبہ ختم ہو اور قتل و خون ریزی اس گھر کے اطراف میں بہے۔ کیونکہ یہ گھر محترم ہے اور خداوند متعال نے اس کو محلِ امن و امان قرار دیا ہے۔ جس طرح قرآن میں فرماتا ہے:

جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۔[2]

"اللہ نے حرمت کے گھر کعبہ کو لوگوں کیلئے (اُمور معاش اور معاد) کی استواری (کا ذریعہ) بنایا اور حرمت کے مہینوں کو بھی اور قربانی کے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے باندھے گئے ہوں"۔

۱۔ مستدرک الصحیحین = ج ۳، ص ۱۲۱

۲۔ سورہ المائدۃ = آیت ۹۷

وہ حرام مہینے کہ جن کی رعایت و حرمت لازم ہے یہ ہیں:

محرم، رجب، ذوالقعدہ، ذوالحج۔ اور هَدْی، جو اونٹ گائے اور بھیڑ کو کہا جاتا ہے کہ اُن کو قربانی حج کے لئے لے جاتے ہیں۔

قلائد جو قلادہ کا جمع ہے بمعنی نعل یا گردن بند کے معنی میں ہے، جو قربانی کے حیوان کی گردن میں باندھتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ یہ حیوان حج کی قربانی کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی اس میں معترض نہ ہو۔

اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۔[1]

"اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو مرجع خلائق اور مقامِ امن قرار دیا"۔

پس! کعبہ حرمِ امن اور خدا کے بندوں کی پناہ گاہ ہے اور جو بھی اس میں داخل ہو گیا، وہ جائے امن میں داخل ہو گیا۔

حتیٰ کہ حشرات و حیوانات بھی۔ پھر چھوٹے اور بڑے کی قید نہیں۔ اور ان کو مُحرم شخص قتل نہیں کر سکتا یا ان کو کوئی اذیت نہیں دے سکتا، ورنہ مواخذہ (کفارہ) دینا ہوگا۔

ایک روایات کا دستہ ہے جو کہتی ہیں = کعبہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں بنایا گیا، لہٰذا مراسمِ حج بھی وہیں سے شروع ہوئے۔ اگر ان روایات کو قبول کریں تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ تاریخ مکہ و کعبہ انسان کے قدیمی ہونے کے برابر ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توفیق پائی کہ مجدداً اس کو باذن اللہ تعمیر کریں کیونکہ

۱۔ سورہ البقرۃ = آیت ۱۲۵

وہ زمانے کے گزرنے سے مخلوق کی بے توجہی کا مرکز بن چکا تھا اور خراب ہو چکا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ سلام اللہ علیہا سے جو مشکلات دیکھی تھیں، ان کی وجہ سے اپنی بیوی ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو لیکر اس دیار میں آئے اور ان کو اکیلا چھوڑ کر واپس آ گئے۔

پھر ان کے لئے زمزم کا چشمہ پھوٹا اور اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ گرامی قدر ہاجرہ سلام اللہ علیہا نے مشکلات سے نجات پائی اور وہیں پر ہی زندگی گزارنے میں مشغول ہوئے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تیس سال کے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ مکہ لوٹے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انہوں نے ایک دوسرے کی مدد سے کعبہ کو بنایا اور کعبہ بناتے وقت وہاں کے گرد و نواح میں عرب زندگی گزارتے تھے اور اسماعیل علیہ السلام نے ان سے شادی بھی کی ہوئی تھی اور توحید پرست تھے اور سارے سال حج کے مراسم جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے بیان کئے تھے، وہ انجام دیتے تھے۔

=====❖=====

حج یا احیائے شعائر

ایک نگاہ بی بی ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور اسماعیل علیہ السلام کے اس دیار کے آنے کی داستان پر کریں اور جو کچھ ابراہیم علیہ السلام اور اس کے بیٹے کی قربانی کے بارے میں ہوا ہے، وہی باقی ہے اور ہاجرہ سلام اللہ علیہا نے پانی کے لئے صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر جستجو کی وہی نقل ہوا ہے جو ظاہر کر رہا ہے کہ حج کی زیادہ تر سنت انہیں واقعات کے ساتھ مربوط ہے۔ یعنی پاک اور موحد انسانوں کی زندگی کے واقعات دوسرے خدا پرست انسانوں کے لئے بعنوان شعائر اللہ باقی رہ گئے ہیں اور در واقع یہ احیائے شعائر الٰہی ہے۔

یہ گھر توحید کی بنیاد ہے اور یہ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں آنے کی جگہ اور امیر المومنین علیہ السلام کے آنے کی جگہ اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے آنے کی جگہ ہے۔

یہ گھر "امام ابرار" یا "امام البررۃ" کے ساتھ ذاتی مناسبت رکھتا ہے۔

یہ گھر ایسی شرافت ساتھ رکھتا ہے کہ اللہ نے اس کو اپنے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

اور امام علیہ السلام بھی روحِ عبادت و دعا و توحید ہے اور زیارتِ جامعہ کبیرہ میں آئمہؑ میں سے امام ہادی علیہ السلام نے بعنوان "ارکان توحید" تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی توحید کی بنیاد کہ جس کی معرفت اور اعتقاد کے بغیر اس کا ستون اور پایہ نہیں ہے۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے ان نامردوں اور دین فروشوں کو "کفرہ وفجرہ"

کے ساتھ تعبیر اور لحن توبیخ آمیز میں فرمایا:

أَتَصُدُّونَ طَرِيقَ الْبَيْتِ لِإِمَامِ الْبَرَرَةِ؟

"تم اس بیت اللہ کا راستہ نیک اور پاک لوگوں کے امام کے لئے روکتے ہو؟"۔

وہ تو خود کعبہ اور روحِ کعبہ ہیں۔

اے جاہلو! فاسقو!

دشمنوں نے اس پر عزم کیا کہ ایسے محترم گھر میں سلالۃ الرسول حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کا پاک خون بہایا جائے۔

امام علیہ السلام نے اس گھر کے احترام کی حفاظت کے لئے اور اس لئے کہ ان کا خون یہاں پر گرایا نہ جائے، اپنے خاندان اور انصار کے ساتھ۔ اس حال میں کہ تمام لوگ اس اچانک نکلنے سے حیرت میں تھے، مکہ کو ترک کیا۔

=====❖=====

امام حسین علیہ السلام کا خُطبہ یوم ترویہ

سید ابنِ طاؤوس لکھتے ہیں:

جب امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے عراق کی طرف خروج کا ارادہ کیا تو یہ خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، حمد الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کے بعد فرمایا:

خُطَّ الْمَوْتُ عَلَى وُلْدِ آدَمَ مَخَطَّ الْقِلَادَةِ عَلَى جِيْدِ الْفَتَاةِ وَ مَا أَوْلَهَنِي إِلَى أَسْلَافِي اِشْتِيَاقَ يَعْقُوبَ إِلَى يُوسُفَ وَ خُيِّرَ لِي مَصْرَعٌ أَنَا لَاقِيهِ كَأَنِّي بِأَوْصَالِي تُقَطِّعُهَا عُسْلَانُ الْفَلَوَاتِ بَيْنَ النَّوَاوِيْسِ وَ كَرْبَلَاءَ فَيَمْلَأَنَّ مِنِّي أَكْرَاشاً جُوفاً وَ أَجْرِبَةً سُغْباً لَا مَحِيصَ عَنْ يَوْمٍ خُطَّ بِالْقَلَمِ رِضَا اللهِ رِضَانَا أَهْلَ الْبَيْتِ نَصْبِرُ عَلَى بَلَائِهِ وَ يُوَفِّيْنَا أُجُوْرَ الصَّابِرِيْنَ لَنْ تَشُذَّ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ لُحْمَتُهُ وَ هِيَ مَجْمُوْعَةٌ لَهُ فِي حَظِيْرَةِ الْقُدْسِ تَقَرُّ بِهِمْ عَيْنُهُ وَ يُنْجِزُ بِهِمْ وَعْدَهُ مَنْ كَانَ بَاذِلاً فِيْنَا مُهْجَتَهُ وَ مُوَطِّناً عَلَى لِقَاءِ اللهِ نَفْسَهُ فَلْيَرْحَلْ مَعَنَا فَإِنِّي رَاحِلٌ مُصْبِحاً إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى۔[1]

۱۔ اللہوف علی قتلی الطفوف = ص ۶۱؛ کشف الغمۃ = ج ۲، ص ۲۰۴

"موت فرزندانِ آدم علیہ السلام پر جوان لڑکی کے گردن کے ہار کی طرح باندھی گئی ہے۔

اپنے گزرے ہوؤں کے دیدار کا کتنا مشتاق ہوں، ان کی ملاقات کا اشتیاق رکھتا ہوں اسی طرح جس طرح یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے دیدار کا اشتیاق رکھتے تھے۔

میرے لئے ایک جگہ معین ومنتخب ہوئی ہے کہ لازماً میرا بدن وہیں پر گرے اور میں لازماً وہاں پر پہنچوں۔

گویا کہ مَیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ نواویس اور کربلا کے درمیان بیابان کے بھیڑیئے میرے بدن کو نوچ رہے ہیں اور اپنے شکموں کو مجھ سے پُر کر رہے ہیں۔

اس سے کہ جس سے تقدیر پر قلم پھیرا گیا، اس سے فرار نہیں ہوسکتا اور اللہ کی رضا ہم اہل بیت علیہم السلام کی رضا ہے۔

اس کے امتحانات اور بلاؤں پر صبر کریں گے اور وہ ہمیں صابرین کا اجر بطور اتم واکمل عطا کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت ہرگز جدا نہیں ہوگی مگر یہ کہ حضیرۃ القدس میں اس کے گرد جمع ہوں گے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں روشن ہوں گی کہ ان کے لئے وعدے پورے ہوں گے (وہ وعدے جو خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اقربا کے لئے دیئے، پورے ہوں گے) پس! وہ جو

ہمارے درمیان حاضر ہے، اپنی جان کو قربان کرے اور اللہ کی ملاقات کے لئے اپنے نفس کو آمادہ کرے اور ہمارے ساتھ کوچ کرے کہ ہم ان شاءاللہ صبح حرکت کریں گے"۔

محمدؑ بن حنفیہ کا مشورہ:۔

جب محمد بن حنفیہؒ نے یہ کلمات امام حسین علیہ السلام سے سنے تو امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا:

"اے بھائی! آپؑ کوفہ کے لوگوں کے مکر وخیانت کو جانتے ہیں، آپؑ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپؑ کے باباؑ اور بھائیؑ کے ساتھ کیا کیا۔ لیکن سختی سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہی مکر اور دھوکا آپؑ کو بھی دیں جو آپؑ کے بزرگان کو دیا اور میرا خیال ہے کہ اگر یہیں پر رہیں تو آپؑ زیادہ محفوظ ہوں گے"۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے بھائی!

قَدْ خِفْتُ أَنْ يَغْتَالَنِي يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ فِي الْحَرَمِ فَأَكُونَ الَّذِي يُسْتَبَاحُ بِهِ حُرْمَةُ هٰذَا الْبَيْتِ۔[1]

"مجھے یہ خوف ہے کہ یزید مکر وحیلہ کے ساتھ مجھے حرم میں قتل کرے گا اور اس گھر کا احترام میرے قتل ہونے سے ختم ہوجائے گا"۔

امام حسین علیہ السلام نے راہِ کوفہ اختیار کیا یہاں تک کہ آپؑ منزل ذاتِ عرق تک پہنچے۔

امام حسین علیہ السلام درِ خیمہ پر قرآن پڑھنے میں مشغول تھے کہ فرزدق شاعر آئے

۱۔ ناسخ التواریخ، امام حسینؑ=ج ۲، ص ۱۲۲

اور سلام کیا اور امام حسین علیہ السلام نے اس کو جواب دیا۔ اُس نے عرض کیا:

أَعْطَاكَ اللهُ سُؤْلَكَ وَ أَمَلَكَ فِيمَا تُحِبُّ يَا ابْنَ رَسُولِ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي مَا أَعْجَلَكَ عَنِ الْحَجِّ؟ [1]

"میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خداوندمتعال آپؑ کی حاجتوں کو پورا کرے اور وہ جو چاہتے ہیں آپؑ کو عطا فرمائے۔ کس وجہ سے اس جلدی میں مکہ سے باہر آئے ہیں"۔

آپؑ نے فرمایا:

لَوْ لَمْ أَعْجَلْ لَأُخِذْتُ۔۔

"اگر جلدی نہ کرتا تو وہ مجھے گرفتار کرتے (اور قتل کرتے)"۔

امام علیہ السلام منزلِ ذاتِ عرق کے بعد منزل ثعلبیہ تک پہنچے اور رات وہیں پر گزاری۔ اس کے دوسرے دن اہالی کوفہ بنام اباہرۃ ان کے پاس آیا اور سلام کیا اور جواب لے کر عرض کیا: یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا چیز باعث ہوئی کہ حرم خدا اور آپؑ اپنے جد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم سے خارج ہوئے؟

آپؑ نے فرمایا:

إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ أَخَذُوا مَالِي فَصَبَرْتُ وَ شَتَمُوا عِرْضِي فَصَبَرْتُ وَ طَلَبُوا دَمِي فَهَرَبْتُ۔ [2]

"بیشک! بنی اُمیہ نے میرا مال لوٹا تو میں نے صبر کیا، مجھے گالیاں دیں

۱۔ ناسخ التواریخ، امام حسینؑ=ج ۲،ص ۱۳

۲۔ اللھوف علی قتلی الطفوف=ص ۱۷

تو میں نے صبر کیا اور اب وہ چاہتے تھے کہ میرا خون گرائیں تو مجھے وہاں سے نکلنا پڑا"۔

پس! یہ نہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے جان کے خوف سے مکہ کو ترک کیا، اس وجہ سے کہ ان کا خون حرم محترم میں نہ گرایا جائے بلکہ اس طرح کہا جائے کہ وہ خدا کی طرف سے مامور نہیں تھا کہ اس طرح قتل ہوں، ان کی ماموریت احیائے دین اور سنن اور احقاقِ حق اور باطل کی نابودی کے لئے ہے کہ لازماً احسن طریقے سے اپنے باوفا انصاروں کے ساتھ تمام کریں۔

شرافت مندانہ موت:۔

وہ بزرگوارؑ کتنے اچھے طریقے سے شقوق کی منزل کے گھر میں شرافت مندانہ موت کو ترتیب دیتے ہیں۔ جب ایک مرد کوفہ کی طرف سے آیا تو اس سے اوضاعِ کوفہ اور وہاں کے لوگوں کے افکار کے بارے میں پوچھا تو اس نے عرض کیا:

یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عراقی لوگ آپؑ کی مخالفت پر متحد ہو گئے ہیں اور آپؑ سے جنگ پر ہماہنگ ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپؑ سے جنگ کیلئے پیمان باندھ لیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا:

إِنَّ الْأَمْرَ لِلّٰهِ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔

"بیشک! امر اللہ کے لئے ہے، وہ جو بہتر جانتا ہے اُسے انجام دیتا ہے اور خدائے بزرگ ہر روز (زمانے کے حساب سے) ایک خاص ارادہ رکھتا ہے"۔

اس وقت امام علیہ السلام نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

وَإِنْ تَكُنِ الدُّنْيَا تُعَدُّ نَفِيسَةً — فَدَارُ ثَوَابِ اللهِ أَعْلَى وَأَنْبَلُ
وَإِنْ تَكُنِ الْأَبْدَانُ لِلْمَوْتِ أُنْشِئَتْ — فَقَتْلُ امْرِءٍ بِالسَّيْفِ فِي اللهِ أَفْضَلُ
وَإِنْ تَكُنِ الْأَرْزَاقُ قِسْمًا مُقَدَّرًا — فَقِلَّةُ حِرْصِ الْمَرْءِ فِي الْكَسْبِ أَجْمَلُ
وَإِنْ تَكُنِ الْأَمْوَالُ لِلتَّرْكِ جَمْعُهَا — فَمَا بَالُ مَتْرُوكٍ بِهِ الْحُرُّ يَبْخَلُ۔ [1]

"اور اگر ایسا ہے تو دنیا کو نفیس سمجھا جاتا ہے، اس لئے اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ آخرت خدا کے اجر وثواب کا گھر ہے۔ یہ بزرگ اور معزز ہے اگر اس طرح ہے کہ آدمیوں کے بدن موت کے لئے خلق ہوئے ہیں تو پھر جان یہ کہ خدا کی راہ میں تلوار سے قتل ہونا بہتر ہے۔

اگر اس طرح ہے کہ مخلوق کی روزی مقدار معین میں تقسیم ہے تو لہٰذا معلوم ہونا چاہیے کہ رزق کے حصول کے لئے جتنے کم لالچی ہوتے ہیں وہ اتنے ہی خوبصورت ہوتے ہیں۔

اگر جائیداد جمع کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے تو اس چیز کی کیا قیمت ہے جو ساقط ہو جائے گی کہ آدمی اس میں بخل کرے۔"

پس! ملاحظہ ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کا دنیا اور اس کی زندگی کے بارے میں کیا نقطہ نظر ہے اور انتخاب احسن کیا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ امام علیہ السلام کی تمام تر توجہ دین کی حفاظت اور دین وسنت کی روح سے غداروں کو کاٹ کر لوگوں کی ہدایت وسعادت اور لوگوں کی آخرت سنوارنے پر ہے۔

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب = ج ۴، ص ۹۵؛ کشف الغمہ = ج ۲، ص ۲۰۲

قمر منیر بنی ہاشم حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کہ جس نے کفر وظلم وفجور کے شرکاء کو کفرہ وفجرہ کہہ کر مخاطب کیا، یہ اس لئے ہے کہ ان کا مقصد امام علیہ السلام کو شہید کرنا ہے اور وہ بھی امام الابرار علیہ السلام کو۔ اگر امام علیہ السلام ختم ہو جائیں تو تمام معانی وحقائق معطل ہو جائیں گے۔

جب ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری لمحات میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاغذ اور قلم مانگا تاکہ کوئی چیز لکھیں کہ ان کے بعد امت کو تباہی سے بچا لیں تو فریاد کی:

حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَهْجُرُ۔

"کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے (ہمیں اس کتاب کے علاوہ علی علیہ السلام اور آلِ علی علیہ السلام کی ضرورت نہیں ہے)۔ یہ مرد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخار کی تیزی کی وجہ سے ہذیان کہہ رہے ہیں"۔

اس کا ہدف بھی یہی تھا کہ امام الابرار کو ایک طرف کرے اور وہ خود اپنی اور اپنے پیروکاروں کی مذموم خواہشات کی تسکین کے لئے قرآن اور اس کے بلند فقروں کا نشانہ بنا اور اس نے اپنا کام کر دکھایا۔

وہ کہ جو ظلم وستم اور خیانت سے کوشش کرتے ہیں کہ امام مفترض الاطاعۃ اور منتخب خدا کو ایک کنارے پر لگائیں اور خود یا اس جگہ کسی دوسرے کو نصب کریں تو ان کے لئے سوائے کفرہ وفجرہ کے علاوہ کوئی اور تعبیر نہیں۔

دنیائے اسلام عامہ، انسانی معاشروں کے دائرے میں جب وہ اپنے آپ کو دکھاتا ہے تو اس کی طرف اعتراضات کے تیر بھیجے جاتے ہیں۔ صاحب کتاب

"اسلام از دیدگاہ دانشمندان جہان" لکھتا ہے:

"دنیا کے استکبار نے اسلام کو شکست دینے سے دریغ نہیں کیا۔ اور اس نے تمام روشوں کو آزمایا، ان کے دیرینہ طریقوں میں سے ایک عیسائی مبشرین کو ذبح کرنا تھا، جو اسلامی دنیا میں صلیبی جنگوں کے بعد شروع ہوا۔

امریکہ کی قیادت میں دنیا کا تکبر امریکی مبشرین کو ہندوستان لے آیا۔

پس! دس سال کی کوششوں کے بعد ایک کتاب جو قرآن اور اسلام کی مخالفت میں لکھی گئی اور چار جلدوں میں دنیا کی زندہ زبانوں میں منتشر ہوئی۔ اس کتاب میں جتنا وہ کر سکتے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے مقدسات کی توہین کی اور وہ ضعیف روایات جو اہلِ سنت کی کتابوں میں نقل ہوئی تھیں انہوں نے اپنی تہمتوں کا ان کو شاہد بنایا"۔[1]

۱۔ اسلام از دیدگاہ دانشمندان جہان علی آل اسحق خوئینی = ج۱ ص ۹۵

جعل حدیث

یہ بات یقینی ہے کہ ابوہریرہ جیسے اسلام کی خدمت کے لئے، جو اوّل، ثانی، ثالث اور حاکمِ شام جیسے لوگوں سے ہمدردی رکھتے ہیں، وہ اپنے برے خیالات کا استعمال کریں اور ایسی احادیث گھڑلیں جو غاصب حکمرانوں کے حق میں ہوں۔

جس کا نام لیا گیا ہے، علمائے اہل سنت کے مطابق اس سے ۵۳۷۴ سے زیادہ احادیث جعل (گھڑی) کیں۔ اور فقط صحیح بخاری میں ۴۴۶ احادیث اس سے نقل ہوئی ہیں۔[1]

مرحوم علامہ سید شرف الدین جبل عاملی کے مطابق ۱۰۰ میں سے ۲۵ فیصد جو خلفائے اربعہ کے بارے میں احادیث نقل ہوئی ہیں وہ اِسی کی جعلی احادیث ہیں۔ اور جو اوّل کے بارے میں حدیثیں پہنچی ہیں، ان کی تعداد ۱۴۲۔ اور ثانی کے بارے میں ۵۳۷ حدیثیں۔ اور ثالث کے بارے میں ۱۴۶۔ اور امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں ۵۸۶ احادیث ہیں کہ جو جمعاً ۱۴۱۱ حدیثیں بنتی ہیں جو چار حصوں کا ایک ہے، اسی کی جعلی احادیث ہیں۔[2]

۱۔ کتاب الایمان = ج۱ ص ۲۱۲

۲۔ ابوہریرہ واحادیث ساختگی = ص ۵۸

ابوہریرہ کے علاوہ بھی کافی لوگوں نے جعلی احادیث کا اہتمام کیا۔ من جملہ ان میں سے عبداللہ بن عمر کہ جس نے دو ہزار سے زیادہ اور بی بی عائشہ اور انس بن مالک، ان سب نے دو ہزار تین سو سے زیادہ احادیث گھڑی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی نسبت جھوٹ باندھا ہے۔[1]

حدیث گھڑنے کی پالیسی ثانی کے اس مشورے سے جو حدیث کی اشاعت و ترسیل پر پابندی عائد کرنے کی پالیسی کے بعد اختیار کی گئی کہ اللہ کی کتاب امت کیلئے کافی ہے۔

اوّل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور کہا:

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نقل کرتے ہو، اس سے کبھی کبھی تمہارے درمیان اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر تمہاری یہی حالت رہی تو آنے والے مسلمان شدید اختلافات سے دوچار ہوں گے۔

اس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حدیث کو نقل مت کرو۔ اگر کوئی تم سے کوئی سوال کرے تو تم یہ کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن کافی ہے۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانو۔[2]

عجیب بات ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث امت کے درمیان اختلاف کا سبب ہیں تو خود کیوں وہ احادیث کہ جن پر لفظی اور معنوی اعتراض بھی ہے، کو گھڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت دی اور لوگوں کو اس کے قبول کرنے کے لئے مجبور کیا۔

۱۔ احادیث عائشہ، مرتضیٰ عسکری = ص ۲۸۹

۲۔ تذکرۃ الحفاظ = ج ۱ ص ۳

احادیث کا جلانا

منابع اہلِ سنت و جماعت میں آیا ہے کہ بی بی عائشہ کہتی ہے = میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پانچ سو احادیث جمع کر کے میرے سپرد کیں۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر مضطرب ہے اور اس کے اضطراب سے میں بھی مضطرب ہوگئی۔ جب صبح ہوئی اور اس اضطراب کی وجہ پوچھی تو کہا:

"اے میری بیٹی! وہ احادیث جو تیرے پاس ہیں لے آو۔ اس کے بعد حکم دیا کہ آگ روشن کرو اور تمام احادیث کو جلا دیا اور پھر اپنے کام کی اس طرح توجیہ کی کہ میں ڈرتا تھا کہ مر جاؤں گا اور یہ احادیث تمہارے پاس رہ جائیں۔ شاید ان احادیث کے درمیان کچھ ایسی حدیثیں ہوں کہ میں نے تو معتمد افراد سے نقل کی ہوں لیکن وہ افراد صالح نہ ہوں اور اس کی ذمہ داری مجھ پر ہو"۔[1]

ثانی کے دورِ حکومت میں منعِ احادیث کی سیاست عروج پر تھی۔ وہ صرف نقل اور حدیث لکھنے سے منع نہیں کرتا تھا بلکہ اپنی طاقت کے مطابق ان احادیث کے اجراء کی روک تھام کے لئے پیسہ بھی خرچ کرتا تھا۔

۱۔ شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ = ج ۱ ص ۵

قرظۃ بن کعب کہتا ہے:

"ثانی چاہتا تھا کہ ہمیں عراق کی طرف روانہ کرے تو ہمارے ساتھ صرار کو بھی روانہ کیا۔

اس نے راستے کے درمیان ہم سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مَیں تمہارے ساتھ کیوں چل رہا ہوں؟

ہم نے کہا: ہمارے احترام اور تکریم کے لئے۔

اس نے کہا: اس احترام کے ضمن میں ایک اور مطلب بھی ہے اور چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ بیان کروں اور وہ یہ ہے کہ جس بھی شہر میں جاؤ، اگر دیکھو کہ وہ قرآن پڑھ رہے ہیں تو احادیث کے ذریعے ان کا خیال قرآن سے مت ہٹاؤ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت کو لوگوں کے درمیان کم بیان کرو اور میں اس کام میں تمہارا شریک ہوں اور اس عمل میں میں تم پر نگاہ رکھنے والا ہوں۔

جب قرظۃ کوفہ میں داخل ہوا تو اس سے کہا گیا= ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرو تو اس نے جواب میں کہا: ثانی نے ہمیں نقلِ حدیث سے منع کیا ہے"۔[1]

ذہبی لکھتا ہے:

"ابوسلمہ نے ابوہریرہ سے کہا: آیا ثانی کے دور میں بھی آج کی طرح

۱۔ الحاکم النیسابوری، المستدرک= ج۱، ص ۱۰۲

حدیث بیان کرنے کی آزادی تھی؟

اس نے کہا: اگر مَیں ثانی کے دور میں حدیث نقل کرتا تو اس کے جواب میں مجھے تازیانہ مارتے"۔[1]

حدیث نقل کرنے کے جرم میں:۔

ثانی نے معروف محدثین میں سے ابنِ مسعود، ابودرداء اور ابومسعود انصاری کو حدیث نقل کرنے کے جرم میں نظر بند کر دیا اور ان کے قتل ہونے تک ان تینوں افراد نے قید میں زندگی گزاری۔[2]

یہ تمام اظہار ثانی کتابِ خدا سے رکھتا تھا اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تماماً وحی کا ترجمہ ہے، کو مسلمانوں کے درمیان قرآن کے کم رنگ ہونے کا سبب جانتا تھا۔

وہ خود قرآن سے کتنا واقف تھا؟:۔

وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر گیا اور لوگوں کو ان کی بیویوں کا حق مہر چار سو درہم سے زیادہ قرار دینے سے منع کیا۔

جب وہ منبر سے نیچے اترا تو ایک عورت اس کے پاس آئی اور اس سے پوچھا: ہم قرآن کی اتباع کریں یا تمہاری؟

اُس نے کہا: کتابِ خدا کی۔

اس عورت نے کہا: پھر جو قرآن میں ہے کیا وہ تم نے نہیں سنا؟

۱۔ شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ= ج۱، ص ۴

۲۔ الہیثمی، المجمع الزوائد= ج۱، ص ۱۴۹

خداوند تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَّ اٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـًٔا ۔[1]

"ایک کو بہت سامال بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لینا"۔

ثانی نے جب یہ سنا تو کہا:

كُلُّ النَّاسِ أَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ ۔[2]

"تمام لوگ عمر سے فقیہ تر ہیں"۔

ایک دن اس نے یہ آیات فرازِ منبر پر پڑھیں:

فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا وَّ زَيۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۔[3]

"پھر ہم نے اس میں دانے اُگائے، نیز انگور اور سبزیاں، اور زیتون اور کھجوریں، اور گھنے باغات، اور میوے اور چارے بھی"۔

اس وقت کہا: ہم پوری آیت کو سوائے کلمہ "ابا" کے جانتے ہیں، خدا کی قسم! یہ کلمہ مشکل ہے کیا ہو گیا ہے کہ ہم کلمہ "ابا" کو نہ جانیں۔

اس کے بعد کہا: اے لوگو! جس قدر کہ قرآن تمہارے لئے معلوم ہے اس پر عمل کرو اور اس کے جس مطلب کو نہیں سمجھے، اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔[4]

اس قضایا کے مثل خالفہا (وہ خلیفہ کہ جن کو لوگوں نے انتخاب کیا ہو) کی کم علمی

1۔ سورہ النساء=آیت ۲۰

2۔ کتاب الغدیر میں ج ۶ ص ۹۵ سے ۹۹ تک اس واقعہ کے مصادر ذکر ہیں

3۔ سورہ العبس، آیات: ۲۷ تا ۳۱

4۔ سنن بیہقی = ج ۸ ص ۶۷۴؛ کنز العمال، متقی ہندی = ج ۳ ص ۱۱۸

پر دلالت کرتے ہیں، وہ عامہ کی کتب میں موجود ہیں۔[1]

ثالث کے دورِ حکومت میں صرف حدیث سے ہی بے توجہی نہیں تھی بلکہ قرآن سے بھی بے توجہی تھی۔

قاریانِ قرآن اور ناطقینِ حدیث کو دَر بدر کرنا اور شہر سے نکال دینا اور حتیٰ کہ زندان میں ڈال دینا اور کچھ گروہ کو بیانِ حدیث روکنے کے تازیانہ مارے جاتے تھے۔

جیسے جنابِ ابوذرؓ کا بدر کرنا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت بڑے صحابی اور زاہد تھے۔ آپ کو پہلے شام کی طرف۔ پھر ربذہ کی طرف۔ اور ظلم وستم سے مارنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ صحابیوں کو، مثل عبداللہ بن مسعود کو مسجد کے درمیان مارنا اور ان کی ہڈیوں کو توڑ دینا اور عمار یاسرؓ کو ضرب مارنا جو اس کی بیہوشی کا سبب بنی۔

اسی طرح ہتک وستم اور بدر کرنا اور توہین کرنا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کئی افراد کے ساتھ کیا جو اسلام میں سب سے سبقت کرنے والے اور اس چشمۂ اسلام سے سب سے پہلے سیراب ہونے والے تھے۔

بقیہ خلفائے بنی اُمیہ اور بنی عباس بھی اسی طرح تھے، ان کا بدترین ہدف یہی تھا کہ لوگوں کو اہل بیت علیہم السلام سے جدا کریں اور اس طرح سے حقائق کتابِ الٰہی لوگوں تک نہ پہنچیں۔

انہوں نے اس کتاب کو خواہش نفسانی کے تحت استعمال کیا۔

زیادہ واضح طور پر کہیں کہ یہ توحید اور خدا کے مذہب کے اصول گرانے میں تھے۔ جب کہ آئمۂ طاہرین علیہم السلام افضل الصلات المصلین اپنے شیعیان کو اس امر

1۔ "الغدیر" علامہ امینی اور کتاب "سیری در صحیحین" کی طرف رجوع کریں

کے خلاف تجویز دیتے تھے کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں تک پہنچنی چاہئیں۔

اہل بیت علیہم السلام کی احادیث لوگوں تک پہنچنی چاہئیں کہ وہ دین اور کتاب کے حقائق سے آشنائی پیدا کریں اور یہ راستہ لوگوں پر منحصر ہے۔ احادیثِ آئمہ علیہم السلام درحقیقت قولِ خدا ہیں۔

دوراوی کہتے ہیں کہ ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ فرمارہے تھے:

حَدِیْثِی حَدِیْثُ أَبِیْ وَ حَدِیْثُ أَبِیْ حَدِیْثُ جَدِّیْ وَ حَدِیْثُ جَدِّیْ حَدِیْثُ الْحُسَیْنِ وَ حَدِیْثُ الْحُسَیْنِ حَدِیْثُ الْحَسَنِ وَ حَدِیْثُ الْحَسَنِ حَدِیْثُ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ حَدِیْثُ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ حَدِیْثُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَ حَدِیْثُ رَسُوْلِ اللهِ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ۔[1]

"میری حدیث میرے والد کی حدیث ہے اور میرے والد کی حدیث میرے جد کی حدیث ہے اور میرے جد کی حدیث امام حسین علیہ السلام کی حدیث ہے اور امام حسین علیہ السلام کی حدیث امام حسن علیہ السلام کی حدیث ہے اور امام حسن علیہ السلام کی حدیث امیر المؤمنین علیہ السلام کی حدیث ہے اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی حدیث، حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قولِ عزوجل تعالیٰ ہے"۔

۱۔ الکافی = ج ۱ ص ۶۸، ح ۱۴

مذاکرۂ حدیث کی اہمیت، آئمہ طاہرین علیہم السلام کی نظر میں

ازنظر شیعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام کے پیرو ہیں، حدیث دلوں کو زندہ کرنے والی ہے۔ شیعیان مقید ہیں کہ ایک دوسرے سے ملاقات میں احادیث معصومین علیہم السلام کا ذکر کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

تَذَاكَرُوْا وَ تَلَاقَوْا وَ تَحَدَّثُوْا فَإِنَّ الْحَدِیْثَ جِلَاءُ الْقُلُوْبِ إِنَّ الْقُلُوْبَ لَتَرِیْنُ كَمَا یَرِیْنُ السَّیْفُ وَ جِلَاؤُهَا الْحَدِیْثُ۔[1]

"ایک دوسرے سے ملاقات میں ہماری احادیث کا مذاکرہ کرو کیونکہ ہماری احادیث دل کو روشنی عطا کرتی ہیں، بیشک قلوب کو شمشیر کی طرح زنگ لگتا ہے اور ان کو ہماری احادیث زندگی بخشتی ہیں"۔

اہل ایمان شوق روایت اور درایت میں اضافہ کریں کہ اس کے لئے فرمایا:

مَنْ حَفِظَ مِنْ أَحَادِیْثِنَا أَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً بَعَثَهُ اللهُ یَوْمَ

۱۔ اصول کافی = ج ۱ ص ۵۰، ح ۸

الْقِیَامَۃِ عَالِماً فَقِیْھاً۔[1]

"اگر کوئی ہماری چالیس احادیث کو یاد کرے تو اللہ عزوجل اُسے قیامت کے دن فقیہ مبعوث کرے گا"۔

آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ خاندان رسالتؐ کی نظر ان کی حدیث نقل کرنے کی طرف کس قدر مثبت ہے۔ کیونکہ ان کے فرمان واقوال، قرآن کے حقائق پر شرحِ تفصیل ہیں۔

عامہ کے بزرگوار نہیں چاہتے تھے کہ اہل بیت علیہم السلام کے نور سے جہالت کے اندھیروں کو دور کیا جائے اور اپنی تمام طاقت صرف کردی کہ ان کی تعلیمات لوگوں کے ذہنوں تک نہ پہنچیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے=

ان کا کلام نور۔

اوران کا امر رُشد۔

اوران کی وصیت تقویٰ۔

اوران کا فعل خیر۔

اوران کی عادت احسان۔

اوران کی خصلت کرم ہے۔

پس! وہ ہمیشہ کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کے اور اہل بیت علیہم السلام کے درمیان شگاف زیادہ ہو۔ اس حساب سے وہ انہیں یا تو نظر بند کرتے یا پھر زندان میں قید

[1] اصول کافی = ج۱، ص ۵۲، ح ۷

کرتے۔ پھر ان شکنجوں پر بھی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ان کو شہید بھی کر دیتے تھے۔

اَب ہم حضرت قمر منیر بنی ہاشم علیہ السلام کے بیان کی طرف پلٹتے ہیں:

اَتَصُدُّوْنَ طَرِیْقَ الْبَیْتِ لِاِمَامِ الْبَرَرَۃ؟۔

یزید ملعون، امام حسین علیہ السلام کو، وہ بھی خدا کے گھر میں شہید کرنے کا ارادہ رکھتا تھا؟۔ یعنی چاہتا تھا کہ خدا کے گھر کی حرمت کو پامال کردے اور بیت اللہ کی روح یعنی امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا؟

وہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو دیکھے کہ وہ حج کے حق اور بیت اللہ کی زیارت کو بجالائیں اور دوسرے اس کے شاہد ہوں، اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

اور دوسرے بنی اُمیہ اور بنی عباس کے خلفاء نے بھی یہی کام کیا۔ کیا وہ مامون عباسی نہ تھا جس نے امام علی رضا علیہ السلام کو نمازِ عید پڑھنے سے روک دیا تھا؟

کشش امام علیہ السلام کی خصوصیات میں:۔

مامون الرشید نے امام علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپؑ لازماً سوار ہوں اور نماز عید کی جگہ پر خطبہ دیں اور نماز پڑھائیں۔

امام علیہ السلام نے منع کیا لیکن مامون نے اصرار کیا کہ آپؑ کو لازماً جانا ہوگا کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کے دل مطمئن ہوں کہ آپؑ میرے ولی عہد ہیں اور لوگ آپؑ کے فضل سے آگاہ ہوں۔

امام علیہ السلام قبول کرنا نہیں چاہتے تھے یہاں تک کہ مامون نے امام علیہ السلام کو حکم دیا، امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر مجھے اس سے معاف نہیں کرو گے تو میں نماز پر جاؤں گا مگر ویسے ہی جاؤں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام جاتے تھے۔

مامون نے کہا: کوئی مسئلہ نہیں۔

وہ دن آن پہنچا۔ امام علی رضا علیہ السلام نے غسل کیا اور اپنا لباس پہنا اور سفید عمامہ پہنا اور عطر لگایا اور اپنے ہاتھ میں عصاء لی اور ننگے پاؤں چل پڑے۔

تھوڑا سا چلے، آسمان کی طرف نگاہ کی اور تکبیر بلند کی اور سب لوگوں نے بھی امام علیہ السلام کے ساتھ تکبیر کہی۔ امام علیہ السلام چلتے رہے۔

مامون کے جاسوسوں اور لشکریوں نے جب اس ہیبت کا مشاہدہ کیا تو خود کو اپنی سواریوں سے گرادیا اور اپنے پاؤں سے جوتیوں کو اتار دیا۔ اور امام علیہ السلام کی صدائے تکبیر اس قدر ہیبت ناک تھی کہ گویا زمین و آسمان ان کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔ لوگوں نے گریہ کرنا اور چیخیں مارنا شروع کیا۔

جب یہ خبر مامون تک پہنچی تو وہ ڈر گیا کہ اگر امام علی رضا علیہ السلام اس کیفیت کے ساتھ عید گاہ تک پہنچے تو تمام لوگ اس کے خلاف ہو جائیں گے۔

اس نے اس کے خلاف سوچنا شروع کیا اور یہ نتیجہ دیا کہ امام علیہ السلام اپنی قیام گاہ کی طرف پلٹ جائیں اور وہ جو ہر سال نماز پڑھاتا تھا، وہی پڑھائے۔[1]

آپ نے دیکھا کہ مامون نہیں چاہتا تھا کہ امام علیہ السلام نمازِ عید کا حق ادا کریں

---

[1] منتہی الآمال = ج ۲، ص ۵۱۰

کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ امام علیہ السلام لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔

یہ ہے کہ امام علیہ السلام کی نماز کا بھی راستہ روکا اور اپنے مطلوب کو اس جگہ پر بھیج دیا۔

یزید ملعون بھی یہی چاہتا تھا کہ امام علیہ السلام پر کعبہ کا راستہ روکے تاکہ امام علیہ السلام کے حج کا کوئی بھی شاہد نہ ہو۔

=====❖=====

کعبہ سے قربان گاہِ عشق کی طرف سفر

حسین بن علیؑ از کعبه قصد کربلا دارد　　سر عهد و وفا بر وعده‌ی قالوا بلی دارد
بنای ریشه کن گرداندن ظلم و جفا دارد　　بلی آگاهی کامل حسینؑ از ماجرا دارد
یقین دارد که در راه رضای حی بیچونش　　بریزد دشمن سفّاك او در کربلا خونش

=❖=

بنا دارد یزید بی حیا در خانه‌ی کعبه　　ز راه حیله ریزد خون آن جانانه‌ی کعبه
بسوزد ز آتش ظلم و ستم، پروانه‌ی کعبه　　ولیکن خوب آگاه است آن دردانه‌ی کعبه
اگر ماند زمین از خون او سیراب می گردد　　دگر هتك حریم کعبه زین پس باب می گردد

=❖=

به او در عالم رؤیا چنین فرمود پیغمبر　　که ای آرامش جان من و صدیقه و حیدر
تو را خواهد که بیند غوطه‌ور در موج خون داور　　شود اهل و عیال تو اسیر فرقه‌ی کافر
برو سوی عراق ای جان من بادا به قربانت　　ببر همراه خود اهل و عیال مو پریشانت

=❖=

به فرمان رسول الله و امر خالق بیچون　　حسین فاطمهؑ به آن عاشق وارسته‌ی مفتون
به یوم الترویه از خانه‌ی حق می رود بیرون　　وداع با بیت یزدان می کند با دیده‌ی پر خون
رود تا آنکه آیین الهی را بقا بخشد　　به دین حق فروغ صدق و اخلاص و صفا بخشد

=❖=

رود با زینب و کلثوم و لیلا و علی اکبرؑ　　اباالفضل جوان و قاسم و عبدالله و جعفرؑ
رباب و کودك شش ماهه‌ی بی شیر او اصغرؑ　　به همراه دگر گل های باغ احمد و حیدرؑ
چه گل هایی که یا گردند اندر خاك و خون پرپر　　و یا از تازیانه می شود هر یك چو نیلوفر

=❖=

حسین بن علیؑ تسلیم فرمانِ خدا باشد　　به آنچه حق مقدر کرده از بهرش، رضا باشد
خدا هم خواسته او حاکم روزِ جزا باشد　　شفیع انبیاءؑ و اولیاءؑ و اوصیاءؑ باشد
بلی چون مانده پا برجا از او دین خدای او　　خداوند تعالی کرده خود را خونبهای او

=❖=

تمام انبیاءؑ خون گریه کرده از برای او　　نشسته سر به جیب غم ملائك در عزای او
دل هر ذره‌ای آتش گرفت از کربلای او　　زمین و آسمان از غصه شد ماتمسرای او
خدایا کی شود مهدیؑ بگیرد انتقامش را　　مُنَجّز کن همین امشب دگر امر قیامش را

=❖=

حسین جان یك نگاهی بر من افتاده از پا کن　　ز نور عشق جان بخشت، دلم را رشك سینا کن
ز اشك با صفای ماتمت، دل را مصفّا کن　　جواز کربلای "ملتجی" را نیز امضا کن
که تا با سر بیاید در کنار قبر پاك تو　　گذارد صورت ناقابلش را روی خاك تو

=❖=

"حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کعبہ سے کربلا تک ارادہ رکھتے ہیں اور جو وعدہ کیا تھا قالو بلیٰ کا، اس کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور ظلم و جفا کا ریشہ جڑ سے اکھاڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہاں حسین علیہ السلام ماجرا کی کاملاً آگاہی رکھتے ہیں۔ یقین رکھتے ہیں کہ حی قیوم خدا کی

رضا کی راہ میں بغیر کسی چون چرا کہ ان کا خون کربلا میں سفّاک دشمن بہائیں گے"۔

=❖=

"یزید بے حیا اراداہ رکھتا ہے کہ خانہ کعبہ میں، حیلے کے راستے سے خون بہائے کعبے کے لاڈلے کا، جل جائے ظلم وستم کی آگ سے کعبے کا پروانہ، لیکن اچھے طریقے سے آگاہ ہے وہ کعبے کا گوہر نگینہ، اگر وہ رہے تو زمین اس کے خون سے سیراب ہوجائے گی، پھر کعبے کی حرمت کا ایک باب کھل جائے گا"۔

=❖=

"امام حسین علیہ السلام کے خواب میں اس طرح فرمایا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، کہ اے میری جان کے آرام اور سکون اور صدیقہ سلام اللہ علیہا اور حیدر علیہ السلام کی جان کے سکوں، تجھے پروردگار خون کی موج میں دیکھنا چاہتا ہے اور تیرے اہل وعیال کو فرقہ کافر کا اسیر ہونا دیکھنا چاہتا ہے، جاؤ عراق کی طرف اے وہ کہ جس پر میری جان قربان ہو، اپنے اہل وعیال کو اپنے ساتھ لے جاؤ پریشان بالوں کے ساتھ"۔

=❖=

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان اور خالق کے امر کے ساتھ بغیر چوں چرا کہ بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کا حسین علیہ السلام اس عاشق پارسا اور نیک اور دل باختہ عاشق سے یوم ترویہ کے دن خدا کے گھر سے باہر جاتا ہے۔

اور بیتِ یزداں پروردگار کے گھر سے وداع کرتا ہے، خون کی بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ یعنی روتے ہوئے غم و درد کے ساتھ تاکہ آئینِ الٰہی کو (خدا کے دین کو) بقاء دے اور دینِ حق کو فروغ صدق و اور اخلاص اور صفاء بخشے"۔

=❖=

"جائے زینب سلام اللہ علیہا وکلثوم سلام اللہ علیہا ولیلیٰ سلام اللہ علیہا وعلی اکبر علیہ السلام کے ساتھ، اباالفضل علیہ السلام، جوان قاسم علیہ السلام وعبداللہ علیہ السلام وجعفر علیہ السلام ،رباب سلام اللہ علیہا اور رباب سلام اللہ علیہا کا بے شیر ۶ ماہ کا اصغر علیہ السلام، اور اس کے ساتھ جائیں دوسرے احمد علیہ السلام وحیدر علیہ السلام کے پاک گل کہ کیا گل تھے کہ وہاں خاک وخون میں غلطاں ہوجائیں گے یا تازیانے سے ہر ایک کے گال نیل وفر ہوجائیں گے"۔

=❖=

"حسینؑ بن علی علیہ السلام تسلیم ہو فرمانِ خدا کا، جو خدا نے مقدر کیا ہے اس پر راضی ہوکر، خدا نے بھی چاہا ہے کہ وہ روزِ جزا کا حاکم ہو، انبیاءؑ واولیاءؑ و اوصیاءؑ کا شفیع (شفاعت کرنے والا) ہو، ہاں جب خدا کا دین اس کی وجہ سے دائم وقائم ہوا ہے تو خداوند خود بھی اس کا خون بہا ہوا ہے"۔

=❖=

"تمام انبیاءؑ نے اس کے لئے خون گریہ کیا، خون روئے اور ملائک بھی غم میں سر جھکائے اس کی عزاء میں بیٹھے تھے اور ہر ذرّے کا دل اس

کی کربلا کی وجہ سے جل گیا۔ زمین وآسمان اس کے درد میں ماتم سرا ہوئے۔ خدایا! کب ہوگا مہدی (عج) کاظہور، جواس کا انتقام لے گا۔آج رات ہی امامؑ کے قیام کا امر دو“۔

=❖=

”اے خدایا! اے حسین علیہ السلام مولا! ایک نگاہ مجھ گرے ہوئے، پھنسے ہوئے شخص پر کر اور اپنی جان کے عشق کا نور مجھے بخش تاکہ میرے دل کو طور سینہ پر رشک کرنے والا بنا، اپنے باصفا ماتم کے آنسوؤں سے مجھے صاف کر اور ملتجی کی کربلا کے جواز پر دستخط بھی کر، تاکہ سر کے ساتھ آپؑ کی قبر مبارک پر آئے اور ناقابل چہرے کو آپؑ کی خاک پر رکھے“۔

=====❖=====

فصلِ سوم

سزاوار اور نزدیک تر

کیا امامؑ دوسروں سے کعبہ کی طرف زیادہ سزاوار ہیں؟

قال مولانا العباس علیہ السلام:

مَنْ هُوَ اَحَقُّ بِهٖ مِنْ سَائِرِ الْبَرِيَّةِ؟ وَمَنْ هُوَ اَدْنٰى بِهٖ؟....

"کون ان سے زیادہ خانہ کعبہ کی طرف سزاوار ہے؟ اور کون ان سے زیادہ کعبہ کے نزدیک تر ہے؟"۔

قرآن میں سزاواری:۔

موضوع "احق" یعنی قرآنِ کریم اور روایاتِ معصومین علیہم السلام میں سزاواری کا کلمہ بہت استعمال ہوا ہے۔ اور یہ کلمہ قرآن میں دس مرتبہ استعمال ہوا ہے

من جملہ ان میں سے منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔[1]

"یہ لوگ تمہیں راضی کرنے کے لئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے اگر یہ مومن ہیں"۔

۱۔ سورہ توبہ = آیت ۶۲

اگر یہ معین ہو کہ انسان کسی کو خود سے راضی کرے تو سزاوار و شائستہ یہ ہے کہ خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود سے راضی کرے۔

یا پھر قرآن مجید میں زید بن حارث کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۔[1]

"اور آپؐ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپؐ اس سے ڈریں"۔

اس آیت کی تصریح کے مطابق انسان دوسری چیزوں سے زیادہ خدا سے ڈرے اور اس کی نسبت خاشع ہو۔ اگر کوئی خدا سے ڈرے تو پھر کسی بھی چیز سے نہیں ڈرے گا۔

یا پھر فرماتا ہے:

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۔[2]

"تو پھر (بتاؤ کہ) جو حق کی راہ دکھاتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود اپنی راہ نہیں پاتا جب تک اس کی رہنمائی نہ کی جائے"۔

پس! جو خود ہدایت اور رہبریٔ الٰہی کا پیروی اور حقائق سے آگاہی کا محتاج ہو، وہ اس کے لئے سزاوار نہیں کہ ایک گروہ کا قائد یا رہبر ہو، اس امر کے لئے وہ سزاوار ہے جو خود ہدایت یافتہ ہو۔

یہ آیت شریف اس چیز کی طرف صریحاً واضح کرتی ہے کہ ہر کوئی یہ لیاقت نہیں

۱۔ سورہ احزاب = آیت ۳۷

۲۔ سورہ یونس = آیت ۳۵

رکھتا کہ آئینِ حق کی طرف سے لوگوں کا رہبر ہو۔ یہ شائستگی صرف وہی رکھتا ہے جس کو اللہ نے عطا کیا ہو۔

پھر فرماتا ہے:

فَأَنْزَلَ اللهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ أَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَ كَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَ أَهْلَهَا ۔[1]

"اللہ نے اپنے رسولؐ اور مومنین پر اپنا سکون نازل فرمایا اور انہیں تقویٰ کے اصول پر ثابت رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے"۔

وہ کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل کیا ہے اس کا اقرار کرتے ہیں، شائستہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام مراحل میں تقویٰ میں ملازمت رکھتے ہوں

سکینہ اور آرامِ قلب جو اللہ کی مخصوص عنایتوں میں سے ہے، اللہ نے اپنے رسولؐ اور حقیقی ایمان لانے والوں کے لئے قرار دیا ہے، جو پاک اور ہر قسم کے شبہ اور گناہ روحی و معنوی سے پرہیز کرتے ہیں، وہ ان کے لئے سزاوار ہے۔

۱۔ سورہ الفتح = آیت ۲۶

روایات میں کلمۂ اَحَقُّ

معصومین علیہم السلام کی روایات میں یہ کلمہ "اَحَقُّ" بہت زیادہ آیا ہے۔ اور ذیل میں ہم کچھ موارد کو بیان کرتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنی دعا کے ضمن میں خدائے متعال سے التجاء کرتے ہیں:

يَا أَحَقَّ مَنْ عَفَى اِغْفِرْ لِي وَ لِأَصْحَابِي ۔[1]

"اے وہ جو عفو و بخشش کی طرف سزاوار تر ہے! مجھے اور میرے اصحاب کو موردِ مغفرت قرار دے"۔

امام سجاد علیہ السلام اپنی "مناجات انجیلیہ" میں فرماتے ہیں:

سَيِّدِي سَتَرْتَ عَلَيَّ ذُنُوبِي فِي الدُّنْيَا وَ لَمْ تُظْهِرْهَا فَلَا تَفْضَحْنِي بِهَا فِي الْقِيَامَةِ وَ اسْتُرْهَا فَمَنْ أَحَقُّ بِالسَّتْرِ مِنْكَ يَا سَتَّارُ ۔[2]

"اے میرے سردار! میرے گناہوں کو تو نے دنیا میں چھپایا اور ان کو دنیا میں ظاہر نہ کیا۔ پس! قیامت میں بھی ان کی وجہ سے مجھے رسوا

۱۔ بحار الانوار = ج ۹۵ ص ۲۱۶

۲۔ بحار الانوار = ج ۹۵ ص ۱۶۶

نہ کرنا اور ان کو چھپانا۔ پس! چھپانے میں کون تجھ سے زیادہ سزاوار ہے اے خدائے ستار!؟"۔

ان موضوعات میں سے ایک موضوع جس کو بہت زیادہ بیان کیا گیا ہے، وہ موضوع امامت وخلافت خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ان ذوات مقدسات کو اللہ عزوجل نے امر ہدایت اور خلق کی تربیت کیلئے چنا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے ایک طبیب و یونانی فلاسفر کے ساتھ ایک طولانی احتجاج میں اس کے سوالات کا قاطع جواب دیا ہے۔

طبیب نے حقانیت سے آگاہ ہونے کے بعد عرض کیا:

أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنْ خَاصَّةِ اللهِ صَادِقٌ فِيْ جَمِيْعِ أَقَاوِيْلِكَ عَنِ اللهِ، فَأْمُرْنِيْ بِمَا تَشَاءُ أُطِعْكَ.

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ اللہ کے خاص بندوں میں سے ہیں اور آپؑ کی تمام گفتگو اللہ کی طرف سے صادق ہے۔ پس! آپؑ جو چاہتے ہیں مجھے امر کریں، میں اطاعت کروں گا"۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اس کو اس طرح سے پڑھایا یہاں تک کہ اس نے اللہ کی وحدانیت کی حکمت وجود سے گواہی دی اور اللہ کو عبث کاموں اور فساد اور لوگوں کی نسبت ظلم سے منزہ جانا اور رسالتِ سید الانام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی دی اور یہ بھی گواہی دی کہ:

وَ تَشْهَدَ أَنَّ عَلِيّاً ... أَحَقُّ خَلْقِ اللهِ بِمَقَامِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ بَعْدَهُ، وَ بِالْقِيَامِ بِشَرَائِعِهِ وَ أَحْكَامِهِ ....).[1]

۱۔ بحار الانوار = ج ۱۰، ص ۴۳

"گواہی دی اس پر کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کی جانشینی کے لئے علی علیہ السلام ابنِ ابی طالب علیہ السلام ہی سزاوار ترین مخلوق ہے۔ اور شریعت اور احکام کے حفظ و ترویج کے لئے سب سے شائستہ تر ہے"۔

اگر کسی کا یہ عقیدہ نہ ہو تو اس کا اللہ کی اُلُوْھِیَّتْ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر عقیدہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

ہزاروں معتبر احادیث اس حقیقت پر گویا ہیں اور امیر المومنین علیہ السلام نے خود بھی اس فلاسفر اور یونانی طبیب سے یہی فرمایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنینؑ کے بارے میں فرمایا:

أَنْتَ أَحَقُّ النَّاسِ بِيْ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ، وَ وُلْدُكَ وُلْدِيْ، وَ شِيْعَتُكَ شِيْعَتِيْ، وَ أَوْلِيَاؤُكَ أَوْلِيَائِيْ، وَ هُمْ مَعَكَ غَداً فِي الْجَنَّةِ.[1]

"تم دنیا اور آخرت میں لوگوں میں سے میرے نزدیک سزاوار ترین ہو، تیرے بیٹے میرے بیٹے، تمہارے شیعہ میرے شیعہ اور تمہارے اولیاء میرے اولیاء اور تم کل قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ ہوگے"۔

جب پہلے کو غاصبانہ طور پر امیر المومنین علیہ السلام کی کرسی خلافت پر بٹھایا تو وہ ظلم و زور سے چاہتے تھے کہ امیر المومنین علیہ السلام سے اس کے لئے بیعت لیں تو آپؑ نے فرمایا:

أَنَا أَحَقُّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْكُمْ، لَا أُبَايِعُكُمْ، وَ أَنْتُمْ أَوْلَى بِالْبَيْعَةِ لِيْ.[2]

۱۔ بحار الانوار = ج ۲۵، ص ۴

۲۔ بحار الانوار = ج ۲۸، ص ۳۴۸

"میں اس امر میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے لئے) تم سے زیادہ سزاوار تر ہوں، میں تمہارے ساتھ بیعت نہیں کروں گا، بہتر یہی ہے کہ تم میری بیعت کرو (مجھے بعنوان ولیِ امر قبول کرو)"۔

اسی حدیث کے ادامے میں اس مقام کو اہل بیت علیہم السلام کیلئے عمومیت دے کر فرمایا:

لَنَحْنُ أَهْلَ الْبَيْتِ- أَحَقُّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْكُمْ.

"ہم اہل بیتِ علیہم السلام رسالت امرِ خلافت و ولایت میں تم سے زیادہ سزاوار تر ہیں"۔

اس رابطے "احق امر الخلافه" میں اتنی ہی احادیث پر کفایت کرتے ہیں اور اس کلمہ "احق" کے لئے آلِ محمد علیہم السلام کے ناتمام ہونے والے علم کے سمندر سے چند اخلاقی احادیث جو کچھ لوگوں کی سزاواری بیان کرتی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں:

حدیثِ اوّل:۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم سلام اللہ علیہا نے اپنے حواریوں سے فرمایا=

إِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ بِالْخِدْمَةِ الْعَالِمُ. [1]

"لوگوں میں سے (دوسروں کی) خدمت کیلئے سزاوار ترین شخص عالم ہے"۔

یہ خدمت درجہ اوّل میں ازنظرِ تعلیم و تعلم ہے۔

اس کے بعد دوسرے درجہ میں یہ خدمت اس شخص کے لئے ہے جو عالم ہو اور لوگوں کی حاجتوں کے لئے کام کرے، وہ بھی مخلصانہ۔ اور یہ مورد بہت مشکل ہے۔

۱۔ بحار الانوار= ج ۲، ص ۶۲

حدیثِ دوم:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ؛ قَالَ= أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبُوكَ. [1]

"لوگوں میں سے خوش صحبت اور خوش رفتاری کے لئے کون سزاوار ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، پھر تمہارا والد"۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ماں کے لئے دو بار تکرار کیا اور اس کے بعد والد کا ذکر کیا۔

حدیثِ سوم:۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا=

ذُو الْأَرْحَامِ أَحَقُّ بِالرِّفْدِ. [2]

"اقربہ بخشش و مدد کے لئے سزاوار تر ہیں"۔

پس! وہ مصارف جو خمس و زکوۃ اور صدقہ کے لئے شریعت میں معین ہوئے ہیں، ان کا اولیٰ اپنے اقربہ کے لئے۔ اس صورت میں کہ واجد شرائط ہوں۔ دوسرے بعد میں اور یہ بھی شارع مقدس کا حکم ہے کہ اقوام لازماً ایک دوسرے کا حال پوچھیں۔

اس صورت میں اگر کوئی نیاز مند ہو تو آبرو مندانہ بغیر اس کے کہ کوئی ان کی ہتکِ حرمت ہو اور بے احترامی ہو، ان کو ہرگز اجازت نہ دیں کہ وہ محتاج شخص اپنی زبان سے اپنی حاجت کا اظہار کرے۔

۱۔ بحار الانوار= ج ۷۱، ص ۴۹

۲۔ بحار الانوار= ج ۹۳، ص ۴۳

از ذلت سوال کسانی که واقف اند
مهلت به لب گشودن سائل نمی دهند

"ذلتِ سوال سے جو واقف ہیں
وہ سائل کو لب کھولنے کی اجازت نہیں دیتے"۔

حدیثِ چہارم:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وصیتوں میں جنابِ ابوذر سے فرمایا:

يَا أَبَاذَرٍّ ! مَا مِنْ شَيْءٍ أَحَقُّ بِطُوْلِ السِّجْنِ مِنَ اللِّسَانِ.[1]

"اے ابوذر! زبان کے علاوہ کوئی چیز اس طرح سزاوارتر نہیں کہ اسے قید میں رکھا جائے"۔

پس! یہ زبان ہی ہے جو ہوا پر بھی سرِ سبز دیتی ہے اور اگر کسی غلط جگہ پر کھل جائے تو صاحبِ زبان کو بیچارہ کردیتی ہے۔

علماء[2] میں سے ایک نے کتاب لکھی بنام "نقشِ زبان در سرنوشت انسان ها" اس میں ایک سونوے گناہ اور اخلاقی آفتیں، شرعی وعقیدتی لکھیں ہیں، جو زبان کی وجہ سے آتی ہیں۔ اور انسان جتنا اس عضو کو قید میں رکھے گا، اتنا ہی آفات سے امان میں ہوگا اور کوئی بھی چیز زبان سے زیادہ قید ہونے کی سزاوارتر نہیں ہے۔

حدیث پنجم:۔

امیر المومنین علیہ السلام ان افراد کے بارے میں فرماتے ہیں جو خود کو لوگوں کا معلّم

1۔ مکارم الاخلاق = ج ۲، ص ۵۵۰
2۔ آقائے مہدی فقیہ ایمانی

اخلاقی وروحی مانتے ہیں۔ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنا تزکیہ کریں۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگوں کو زبان سے تبلیغ کریں، پہلے ان کو اپنے کردار سے اپنی طرف بلائیں۔

اس بارے میں امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَمُعَلِّمُ نَفْسِهِ وَمُؤَدِّبُهَا أَحَقُّ بِالْإِجْلَالِ مِنْ مُعَلِّمِ النَّاسِ وَمُؤَدِّبِهِمْ.[1]

"اپنے نفس کو تعلیم وتربیت دینے والا دوسروں کو تعلیم وتربیت دینے والے سے زیادہ قابلِ احترام ہے"۔

ایک معلّم ومرشد کو چاہیے کہ وہ تعلیم وتزکیہ کی ابتداء خود اپنے نفس سے کرے۔ اس کے بعد دوسروں کی تربیت کرے۔ پھر ایسا شخص تعظیم واجلال کیلئے شائستہ تر ہے۔

یہاں پر پانچ احادیث ذکر ہوئی ہیں بیانِ حقیقت "سزاواری" کے لئے۔ امید ہے کہ محبانِ اہل بیت علیہم السلام ان نورانی احادیث کو قبول کریں گے اور اپنی زندگی میں ان کو اپنا نصب العین قرار دیں گے۔

اَب ہم پلٹتے ہیں حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کے خطبہ کی طرف کہ آپؑ نے فرمایا:

مَنْ هُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ سَائِرِ الْبَرِيَّةِ؟

"کیا کوئی ان سے زیادہ خانہ کعبہ کی طرف سزاوار ہے؟"۔

پس! اللہ کی تمام مخلوق میں سے اس کا زیادہ حق دار وہ ہے اور جو اس کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

1۔ نہج البلاغہ، فیض = ج ۶ ص ۱۱۰۷، حکمت ۷۰

بدن اور دل کا قبلہ

اگر کعبہ، بدن کا قبلہ ہے تو یہ بزرگوار (امام حسین علیہ السلام) دل کا قبلہ ہیں۔

پس! نماز پڑھتے وقت واجب ہے کہ ہر مسلمان کا چہرہ کعبہ کی طرف ہو تو روح اور دل بھی امام علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کیونکہ وہ روحِ کعبہ ہیں، لازماً ان ہی کے راستے سے ہی اللہ کی طرف چہرہ کیا جاسکتا ہے۔

انسان کا جسم، کعبہ کے جسم کی طرف متوجہ ہو اور انسان کی روح، کعبہ کی روح کی طرف متوجہ ہو اور اس انسان کے لئے جو حقائق کی طرف متوجہ ہے خود بخود اس کی طرف متوجہ ہوگا کیونکہ اس کا اظہار وہ اپنی نماز میں بھی کرتا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔

"ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما"۔

بے اختیار وہ مولا علی علیہ السلام اور آپؑ کے دیگر فرزندانِ معصوم علیہم السلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے یقین سے جانتا ہے کہ قرآن نے سیدھا راستہ علی علیہ السلام اور آلِ علی علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔

پس! امام حسین علیہ السلام سب سے زیادہ کعبہ کی حقیقت اور اس کے بلند اسرار سے آگاہی رکھتے ہیں۔

جس طرح ہم پہلے صفحات میں امیر المومنین علیہ السلام کے مورد میں بیان کر چکے ہیں کہ =

....أَنَّ عَلِيّاً .... وَ أَحَقُّ خَلْقِ اللهِ بِمَقَامِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ بَعْدَهُ، وَ بِالْقِيَامِ بِشَرَائِعِهِ وَ أَحْكَامِهِ۔

حضرت عباس علیہ السلام بھی اسی مسئلہ کو واضح کر رہے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی طرح امام حسین علیہ السلام بھی حج و احکام حج کی طرف سزاواری رکھتے ہیں۔ اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے قول کے مطابق حج کو دین اسلام مبین کے محکم ہونے کا پایہ قرار دیا۔

بی بی سلام اللہ علیہا نے اس وقت حقوقِ حقہ کے غاصبوں کے سامنے اپنے ہمسرِ پاک مولا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَجَعَلَ اللهُ .... الْحَجَّ تَشْيِيداً لِلدِّينِ۔

"اللہ تعالیٰ نے حج کو دین کی تحکیم کا وسیلہ قرار دیا"۔

=====❖=====

کون کعبہ کے نزدیک تر ہے؟
امام حسین علیہ السلام یا حاکمِ شام اور یزید؟

یزید ملعون مادی یا معنوی کسی بھی طریقہ سے کعبہ سے کوئی تعلق رکھتا ہے؟

یزید اسی کا بیٹا ہے جس کو اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اذیت دیتا تھا اور وہ کہتا تھا= جب تک اس نام کو دفن نہ کردوں مجھے آرام نہیں آئے گا۔

"مُطرف بن مغیرہ بن شعبہ کہتا ہے=

جب بھی میرا والد حاکمِ شام کے پاس سے آتا تو وہ دماغ سے نکل کر بات کرتا تھا۔ ایک رات وہ گھر آیا اور غذا کھانے سے بھی پرہیز کررہا تھا اور بہت غمگین نظر آرہا تھا۔

میں نے پوچھا= کیوں پریشان ہیں؟

اُس نے کہا: لوگو میں ناپاک ترین کے پاس سے آرہا ہوں۔

میں نے پوچھا= کیا مسئلہ ہے؟

کہا: آج رات حاکمِ شام کے ساتھ خلوت میں تھا۔

تو مَیں نے اس سے کہا=

یا امیر المومنین! اب تم بوڑھے ہوگئے ہو، اب تم پر لازم ہے کہ راہِ عدل

اختیار کرو، لوگوں پر احسان کرو اور لازم ہے کہ بنی ہاشمؑ کی نسبت مہربانی کرو اور ان کی دلجوئی کرو۔

میں نے کہا: خدا کی قسم! اب ان کے پاس ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہی کہ جس سے آپ کو ڈر ہو۔ اگر ان کی نسبت محبت کو ظاہر کرو تو تیرا ذکر خیر رہ جائے گا۔

اُس نے کہا: تُو مطلب سے ابھی تک بہت دور ہے، مَیں کس ذکرِ خیر کی اُمید کروں جو میرے بعد باقی رہے؟

قبیلہ تیم سے ایک شخص "اوّل" خلافت پر پہنچا تو اُس نے لوگوں سے اچھائی سے رفتار کی۔ اس کے بعد قبیلہ عدی سے ایک شخص "ثانی" خلافت پر پہنچا تو اُس نے خود کو مشقت میں ڈالا۔ تو دس سال حکومت کرنے کے بعد کیا اُن کا نام باقی رہ گیا ہے؟

لیکن "ابن ابی کبشہ"[1] کا نام ہر روز پانچ مرتبہ صبح وشام بلند آواز سے کہتے ہیں۔

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ۔

اب بتاؤ میں کون سا عمل سرانجام دوں کہ میرا ذکر باقی رہ جائے؟ نہیں کبھی نہیں۔ میں بنی ہاشم کے ساتھ کبھی نیکی نہیں کروں گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے زندہ ہوتے ہوئے کسی چیز کی یاد باقی نہیں رہ سکتی۔

خدا کی قسم! کوئی چارہ نہیں مگر یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام دفن ہو، یہاں تک کہ کوئی بھی

1۔ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (ابی کبشہ) کی طرف نسبت دیتے تھے۔ وہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا جو قریش کی بتوں کی پرستش پر اور شاعروں کی پیروی پر مخالفت کرتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مشرکوں کی بتوں کی پرستش پر مخالفت کرتے تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "ابی کبشہ" کی طرف نسبت دیتے تھے۔

ان کی یاد باقی نہ رہے"۔[1]

پس! اس دشمنِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نے نمازِ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں امیر المومنین علیہ السلام پر سب و شتم کے باب کھولے اور قرآن کی اس قدر توہین کی کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کیا تا کہ اُس کا یہ کام اُس کے اور امیر المومنین علیہ السلام کے سپاہیوں کے درمیان جنگِ صفین میں جنگ بندی کا سبب بنے۔ اس کے ناپاک بیٹے یزید ملعون نے ننگ آور جنایتوں سے اپنے باپ کو ظاہر کر دیا۔

=====❖=====

ا۔ معاویہ و تاریخ = ص ۱۷۳؛ شرح ابن ابی الحدید؛ ج ۵، ص ۱۲۹

جنایاتِ یزید (ملعون) اور اُس کی حکومت

یزید ملعون نے اپنی خلافت کے پہلے سال میں جوانانِ جنت کے سردارؑ اور ان کے انصار اور آپؑ کے خاندانِ باوفا کو بے رحمانہ طرز پر شہید کیا اور اہل بیت علیہم السلام کو اسیر کر کے شام لے گئے۔

دوسرے سال میں مُسرف بن عقبہ کی سالاری میں مدینہ پر حملہ کا حکم صادر کیا اور "واقعہ حرہ" وجود میں آیا اور مدینہ کے لوگوں میں صغیر و کبیر اور مرد و زن کا قتلِ عام کیا، حتیٰ کہ اُن پر روضہء رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی رحم نہیں کیا۔

تاریخ لکھتی ہے = اپنے گھوڑوں کے ساتھ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوئے اور وہاں پر اس قدر لوگوں کو قتل کیا کہ روضہ و مسجد خون سے پُر ہو گئے۔

مدائنی، زہری سے نقل کرتا ہے کہ مقتولین کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

مُسرف نے اپنے ہاتھوں کو لوگوں کے اموال کی طرف بڑھایا اور مدینہ کے اموال اور زنان کو اپنے لشکر پر تین دن تک مباح کیا۔

لشکرِ شام تو اصلاً دین نہیں رکھتے تھے اور "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ" پر عمل کرتے تھے، اس قدر انہوں نے مسلمانوں کے اموال کو لوٹا۔

تاریخ لکھتی ہے = جو بھی یزید کی بیعت سے انکار کرتا تو اُس کو فوراً قتل کر دیتے تھے۔

تمام اہلِ مدینہ سوائے امام سجاد علیہ السلام اور علی ابن عبداللہ بن عباس کے، سب نے جان کے خوف سے یزید کی بیعت کی۔

جب مُسرف بن عقبہ مدینہ سے فارغ ہوا تو وہ عبداللہ بن زبیر اور اہلِ مکہ کو دفع کرنے کے لئے یزید کے حکم سے مکہ کی طرف عازم ہوا۔

عبداللہ بن زبیر وہ ہے جس نے حاکمِ شام کی موت کے بعد یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی اور بیت اللہ کا ملازم ہوا اور لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف بلایا۔

مُسرف مکہ کی راہ میں ایک جگہ "بقدید" میں واصلِ جہنم ہوا اور اس کے بعد حصین بن نمیر امیرِ لشکر ہوا اور اس نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ مکہ کا احاطہ کیا۔

پس! عبداللہ بن زبیر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کعبہ میں پناہ لی۔ شامی لشکر نے منجنیقوں سے آگ کے پتھر برسائے اور کعبہ کی بنیادوں کو منہدم کر دیا اور اس کی دیواروں کو گرا دیا اور اس میں اُس گوسفند کے سینگ جو اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے عوض آیا تھا، وہ لٹکے ہوئے تھے اور وہ بھی جل گئے۔

اس واقعہ کی ابتداء تین ربیع الاول ۶۳ ھ میں ہوئی۔ یزید کے واصل جہنم ہونے سے گیارہ دن پہلے شامی لشکر نے اہلِ مکہ پر بہت مشکلات کھڑی کر دیں، یہاں تک کہ خدا نے یزید کو مزید اجازت نہیں دی اور اس کو درکاتِ جہنم میں بھیجا۔ جب اس کی خبر مکہ پہنچی تو حصین بن نمیر نے جنگ سے ہاتھ اٹھالئے اور اپنے لشکر کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہو گیا۔[1]

اگر حاکمِ شام نے بُسر بن ارطاۃ کو مدینہ کے لوگوں کے قتلِ عام کے لئے بھیجا تو

۱۔ محدث قمی، تتمۃ المنتہیٰ = ص ۵۸

اس کے ناپاک بیٹے یزید نے مُسرف بن عقبہ اور حصین بن نمیر کو اس کام کے لئے مکہ اور مدینہ کی طرف بھیجا۔

اگر حاکمِ شام نے جگر گوشہ علی علیہ السلام و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو ان کی زوجہ نانجیب جعدہ بنت اشعث کی مدد سے شہید کیا تو یزید نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پارہ عقلب یعنی امام حسین علیہ السلام کو لب تشنہ صحرائے کربلا میں شہید کیا۔

اگر حاکمِ شام نے امیر المومنین علیہ السلام کے شیعیان کو قتل کیا تو یزید نے بھی امام حسین علیہ السلام کے انصار و اولاد کو کربلا کی گرم ریت پر ذبح کیا۔

اس میں جو قابل توجہ بات ہے وہ یہ ہے کہ ان کفر و نفاق کے سرداروں نے اس قدر نقشہ کھینچا کہ لوگ اہلِ بیت علیہم السلام پر ظلم کرنے کے لئے قصدِ قربت کرتے تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام اور آئمہ علیہم السلام کی خلافت کے غاصبوں نے شروع سے ہی لوگوں کو ایسی راہ دکھائی کہ ہم جس راہ پر ہیں وہ ہی دینِ واقعی اور سنتِ خاتم الانبیاءؐ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا خاندان نعوذ باللہ غلط راستے پر ہے۔

شام کے لوگوں نے جب امیر المومنین علی علیہ السلام کے محراب میں شہید ہونے کی خبر سنی تو تعجب سے سوال کیا کہ کیا علی علیہ السلام بھی نماز پڑھتے تھے؟![1]

امام حسن علیہ السلام کا حاکمِ شام نے اس طرح تعارف کروایا کہ امام علیہ السلام کے اپنے اصحاب ہی ان کو "مذل المومنین" کہہ رہے تھے اور امام حسین علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) بے دینی کے جرم میں کربلا کے صحرا میں شہید کیا اور اہل کوفہ و شام اور جو کچھ ان کے درمیان تھا اور بلادِ رُوم و حبشہ میں ان کا بعنوان خارجی (جو دین و اسلام سے خارج ہو) تعارف کروایا۔

۱۔ حسین عمادزادہ، امویان ابوسفیان و معاویہ = ص ۱۱۷

امام سجاد علیہ السلام اور ایک بوڑھا شامی

سید ابن طاؤس اپنے مقتل میں لکھتے ہیں: "جب اہلِ بیت امام حسین علیہ السلام شام میں مسجد جامع کے دروازے پر تھے تو ایک بوڑھا شخص ان کے پاس آیا اور کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَتَلَکُمْ وَ اَهْلَکَکُمْ وَ اَرَاحَ الْبِلَادَ عَنْ رِجَالِکُمْ وَ اَمْکَنَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْکُمْ ۔

"خدا کی حمد ہے کہ جس نے تمہیں قتل کیا، تمہیں ہلاک کیا اور تمہارے مردوں کے قتل سے تمام شہروں کو سکون بخشا اور امیر المومنین (یزید ملعون) کو تم پر مسلّط کیا"۔

امام سجاد علیہ السلام نے ان سے فرمایا: "اے پیر مرد کیا تُو نے قرآن پڑھا ہے؟

اس نے کہا: ہاں۔

فرمایا: اس آیت کو قرآن میں پڑھا ہے؟

قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ۔ [1]

"کہہ دیجئے! میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے"۔

۱۔ سورہ الشوریٰ = آیت ۲۳

شامی نے کہا: ہاں پڑھی ہے۔

فرمایا: ہم ہی وہ اقربیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

فرمایا: اس آیت کو پڑھا ہے؟

اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ ۔ [1]

"اور قریب ترین رشتے دار کو اس کا حق دیا کرو"۔

شامی نے کہا = جی ہاں!

فرمایا: ہم ہی وہ ذی القربیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقربہ ہیں۔

فرمایا: اس آیت کو پڑھا ہے؟

وَ اعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی ۔ [2]

"اور جان لو کہ جو غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسولؐ اور قریب ترین رشتے داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے"۔

شامی نے کہا: ہاں پڑھی ہے۔

فرمایا: ہم ہی وہ ذی القربیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقربہ ہیں۔

آپؑ نے فرمایا = آیا اس آیت کو پڑھا ہے؟

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ

۱۔ سورہ بنی اسرائیل = آیت ۲۶

۲۔ سورہ انفال = آیت ۴۱

يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔[1]

"اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ ہر طرح کی ناپاکی کو اے اہلِ بیت! آپؑ سے دور رکھے اور آپؑ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے"۔

شامی نے کہا= پڑھی ہے۔

امام علی ابن الحسین علیہ السلام نے فرمایا: ہم ہی وہ اہلِ بیت علیہم السلام ہیں کہ خدا نے ہمیں تطہیر سے مخصوص کیا ہے۔ جب پیر مرد نے یہ کلمات سنے تو ساکت ہو گیا اور اپنے کلمات پر پشیمان ہوا اور کہا= میں آپؑ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آیا قرآن میں یہ آیات تمہاری شان میں نازل ہوئی ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: اللہ اور میرے جد کی قسم! یہ آیات ہمارے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

اس پیر مرد نے گریہ کیا اور اپنا عمامہ زمین پر پھینکا اور اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا: خدایا! مَیں آلِ محمد علیہم السلام کے دشمن، جن اور اِنس سے بیزاری اختیار کرتا ہوں۔

اس کے بعد امام سجاد علیہ السلام سے عرض کیا: کیا میری توبہ قبول ہوگی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! اگر توبہ کر تو خدا قبول کرے گا اور تو ہمارے ساتھ ہوگا۔

اس نے عرض کیا: میں نے توبہ کی۔ جب اس پیر مرد کی داستان یزید بن معاویہ تک پہنچی تو اس نے حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔[2]

پس! کوئی بے دین ہے تو یزید کو اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن اگر کوئی اس کے بُرے فعل کی مخالفت کرے گا تو وہ اُس کو قتل کر دے گا۔

۱۔ سورہ احزاب= آیت ۳۳

۲۔ اللہوف= ص۱۷۶

بادشاہِ رُوم کے سفیر کی یزید کے ہاتھوں شہادت

یہ بھی اسی کتاب "اللہوف" میں مرحوم سید ابنِ طاؤس، بادشاہِ روم کے سفیر کا واقعہ جو شام میں یزید کی طرف سے دعوت شدگان میں سے تھے، اس طرح نقل کرتے ہیں:

"امام سجاد علیہ السلام سے نقل ہے= جب امام حسین علیہ السلام کے سر کو یزید کے پاس لایا گیا تو ہر روز وہ شراب کی مجلس تشکیل دیتا اور اس سر مقدس کو اپنے سامنے رکھتا۔

ایک دن بادشاہِ روم کے سفیر جو خود روم کے بزرگان و اشراف میں سے تھا، مجلسِ یزید میں آیا اور اس نے کہا: اے بادشاہ عرب! یہ کس کا سر ہے؟

یزید نے کہا: تمہارا اس سر سے کیا کام؟

اس نے کہا: جب میں اپنے بادشاہ کی طرف واپس جاؤں گا اور جو کچھ میں نے دیکھا ہے تو وہ مجھ سے پوچھے گا اور میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس سر اور صاحب سر کی داستان اس سے بیان کروں تا کہ وہ تمہاری خوشی میں تمہارا شریک ہو۔

یزید نے کہا: یہ حسین ابن علی علیہ السلام کا سر ہے۔

رومی نے کہا: اس کی مادر کون ہے؟۔

کہا: فاطمہ سلام اللہ علیہا بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

نصرانی کہا: اُف ہو تم پر اور تیرے دین پر! میرا دین تیرے دین سے بہتر ہے

کیونکہ میرے والد داؤد علیہ السلام نبی کی اولاد سے تھے۔

میرا اور اس کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے لیکن نصرانی مجھے بزرگ شمار کرتے ہیں اور میرے پیروں کی خاک کو بطور تبرک اٹھاتے ہیں اس وجہ سے کہ میں اولاد داؤد علیہ السلام نبی سے ہوں۔ لیکن تم نے اپنے نبیؐ کی بیٹیؑ کے بیٹے کو شہید کر دیا اس صورت میں کہ اس کے اور تمہارے درمیان صرف ایک مادر سے زیادہ فاصلہ نہیں۔[1]

یہ کیسا دین ہے جس پر تم عمل کر رہے ہو؟

اس کے بعد یزید سے کہا: آیا کنیسہ حافر کی داستان سنی ہے تو نے؟

یزید نے کہا: بیان کرو تا کہ سنوں۔

اس مرد نصرانی نے کہا: عمان اور چین کے درمیان ایک سمندر ہے۔ اس کو عبور کرنے کی مسافت ایک سال ہے اور اس سمندر میں کوئی آبادی نہیں، سوائے ایک شہر کے جو پانی

[1] (مترجم):۔ اے نصرانی! تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس کے درمیان میں ایک مادر کا فاصلہ ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ یہ تو وہ قوم ہے جنہوں نے نبیؐ کی بیٹی کو بھی شہید کر دیا، حالانکہ اس کے اور نبیؐ کے درمیان کوئی فاصلہ نہ تھا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الْعَمْرَكِيِّ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ أَخِيهِ أَبِي الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: إِنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ صِدِّيقَةٌ شَهِيدَةٌ۔

بیشک بی بی سیدہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کو شہید کیا گیا۔

مسائل علیؑ بن جعفر و مستدر کا تھا، ج ۱، ص ۳۲۵، الکافی، ج ۱، ص ۴۵۸

اسی طرح "مصباح المتجد" میں بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی زیارت کے جملے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا زَوْجَةَ وَلِيِّ اللهِ وَ خَيْرِ الْخَلْقِ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ سَيِّدَيْ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ أَيَّتُهَا الصِّدِّيقَةُ الشَّهِيدَةُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ أَيَّتُهَا الرَّضِيَّةُ الْمَرْضِيَّةُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ أَيَّتُهَا الْفَاضِلَةُ الزَّكِيَّةُ۔۔ (مصباح المتجد = ج ۲، ص ۷۱۱)۔

"تمہارے اور داؤدؑ نبی کے درمیان بہت سا فاصلہ تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے کچھ دن بعد ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیؑ کو زخمی کیا گیا اور ایک روایت کے مطابق ۷۵ دن بعد"۔

ایک روایت کے مطابق ۹۵ دن بعد ان زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئیں۔

کے درمیان ہے۔ اس شہر میں اسی فرسخ در اسی فرسخ زمینی مساحت ہے۔ اور روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی شہر نہیں اور اس شہر سے یاقوت اور کافور دوسرے ممالک کی طرف حمل ہوتے ہیں۔ اور وہاں کے درخت عود و عنبر کے ہیں۔ اور یہ شہر نصاریٰ کے تصرف میں ہے اور سوائے نصرانی بادشاہ کے وہاں کسی بادشاہ کا تصرف نہیں ہے۔

اس شہر میں بہت سے کنیسہ (معبد گبران کلیسائے نصاریٰ) ہیں اور ان میں سب سے بڑا کنیسہ حافر ہے۔ اس کی محراب میں سونے کا ظرف ہے اس سونے کے ظرف میں ایک سُم ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سُم ایک گدھے کا ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سوار ہوتے تھے۔ اور اس ظرف کے اطراف کو حریر کے کپڑے سے باندھا گیا ہے۔

ہر سال نصاریٰ کی ایک بہت بڑی جماعت اس کینسہ کی زیارت پر جاتی ہے اور اس ظرف کے اطراف میں طواف کرتے ہیں اور اس کو بوسہ دیتے ہیں اور وہاں پر اپنی حاجات کو خدا کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

جی ہاں! نصاریٰ ایک سُم کہ جس کا صرف گمان ہے کہ وہ اُس گدھے کا سُم ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سوار ہوتے تھے، اُس کا اس طرح احترام کرتے ہیں۔ لیکن تم ہو کہ اپنے نبیؐ کے بیٹے کو (اس کے بجائے کہ ان کی حرمت کی رعایت اور خاص احترام کرتے) قتل کرتے ہو۔

لَا بَارَكَ اللهُ فِيكُمْ وَ لَا فِي دِينِكُمْ۔

یزید نے کہا: اس نصرانی کو قتل کر دو تا کہ یہ اپنے ملک میں جا کر ہمیں رُسوا نہ کرے۔

نصرانی نے جب اپنے قتل ہونے کا احساس کیا تو یزید سے کہا: کیا تم مجھے قتل کرو گے؟

اس نے کہا: ہاں۔

نصرانی نے کہا: پس جان لو کہ کل رات تمہارے نبیؐ کو میں نے خواب میں دیکھا، انہوں نے مجھ سے فرمایا: اے نصرانی تُو اہلِ جنت سے ہے۔ میں نے اس بشارت سے تعجب کیا۔ اَب یہ کہتا ہوں:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کے سر کو اٹھایا اور اپنے سینے سے چپکایا اور اس کے بوسے دیئے اور گریہ کیا یہاں تک کہ شہید ہوا۔[1]

مولا عباسؑ یزید کو رسواء کرنے والے ہیں:۔

قمر منیر بن ہاشم علیہ السلام یزید کو سب سے زیادہ رسوا کرنے والے تھے۔ یہ یزید لامذہب وملحد جو تمام انبیاءؑ و اولیاءؑ اور وحی وقرآن کا منکر تھا۔ وہ افراد جو مکہ معظّمہ کی طرف بھیجے تا کہ ابنِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا خون بیت اللہ کے کنارے میں بہائیں تو حضرت قمر منیر بنی ہاشم علیہ السلام یومِ ترویہ کعبہ کی چھت پر جاتے ہیں اپنی شجاعت کے ساتھ یزید اور یزیدیوں کو ایک بلند صدا سے کہتے ہیں: تم مسلمان نہیں ہو، کعبہ وحج کو نہیں پہچانتے، تم اللہ کا تقرب نہیں رکھتے، تمہارا مقصد، مقصدِ خدا ومقدساتِ الٰہی کے ساتھ کاملاً مغایر ہے۔ حسین علیہ السلام ہیں جو روحِ کعبہ ہیں، دین کی جان ہیں اور اس گھر کے سزاوارترین افراد میں سے ہیں۔ اگر تم حرمتِ کعبہ کو جانتے تو ہرگز راضی نہ ہوتے کہ اس گھر کے کنارے میں ایک خون کا قطرہ (خون پاک اور مقدس خونِ خدا "حسین علیہ السلام) بھی گرے۔

تم کہاں اور کعبہ کہاں؟

۱۔ اللہوف علی قتل الطفوف=ص۱۹۰

فصلِ چہارم

پروازِ بیت اللہ

حجج الٰہیہ کی معرفت اور مخلوق کا امتحان

قال مولانا العباس علیہ السلام:

...وَ لَوْلَا حِكَمُ اللهِ الْجَلِيَّةُ وَ اَسْرَارُهُ الْعَلِيَّةُ وَاخْتِبَارُهُ الْبَرِيَّةَ لِطَارَ الْبَيْتُ اِلَيْهِ قَبْلَ اَنْ يَمْشِيَ لَدَيْهِ...

"اور اگر اللہ کا واضح حکم نہ ہوتا اور اس کے بلند اسرار نہ ہوتے اور اس کا مخلوق کو آزمائش میں ڈالنا نہ ہوتا تو یہی اللہ کا گھر خود اڑ کر میرے مولاؑ کے پاس آجاتا، اس سے پہلے کہ امام حسین علیہ السلام اس کی طرف قدم بڑھاتے"۔

ایک مومن کے لئے قرآن کا قول اس کے اپنے مشاہدات سے زیادہ یقین آور ہے اور وہ قرآن کے اقوال میں کسی قسم کا شک نہیں رکھتا۔

جب عالمِ برزخ اور قیامت کے بارے میں بات ہوتی ہے جب کہ اس نے اس کو دیکھا نہیں ہوتا مگر کاملاً مع الوصف اس پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے وجود کی نسبت اپنے دل میں کسی قسم کا شک نہیں رکھتا۔

تسبیح موجودات:۔[1]

ان موارد میں سے کہ قرآنِ کریم نے جس کی مکرراً تصریح کی ہے، وہ عالمِ وجود کی موجودات کی تسبیح کا موضوع ہے۔

تمام مخلوقات تکویناً قادرِ سبحان کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور بہت ساری آیات اس حقیقت پر دلالت رکھتی ہیں=

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔[2]

"جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے"۔

دوسری آیت میں فرماتا ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۔[3]

"ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو موجودات ہیں، سب اس کی تسبیح کرتے ہیں"۔

اسی آیت کی بعد والی قسمت میں تمام موجودات کی تسبیح کا اظہار ہے اور تم اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اس کا ادامہ اس طرح ہے:

۱۔ راقم کی ایک کتاب بنام "غدیر در تکوین وتشریع" ہے جس میں مؤلف نے اس موضوع کے متعلق بطور مفصل کہ ولایت امیر المومنینؑ وغدیر کے ساتھ ارتباط ہے، بحث ہوئی ہے۔ دلچسپی رکھنے والے کے لئے اس کتاب کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

۲۔ سورہ الحدید=آیت ۱

۳۔ سورہ الاسراء=آیت ۴۴

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ۔[1]

"اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثناء میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو"۔

بعض دوسری آیات میں فرماتا ہے:

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۔[2]

"جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو بادشاہ نہایت پاکیزہ، بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے"۔

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔[3]

"جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں بادشاہی اسی کی ہے اور ثناء بھی اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے"۔

یہ آیات جو ذکر ہوئی ہیں، عموم پر دلالت کرتی ہیں۔ اس پر کہ تمام موجوداتِ عالم (انسان، ملک، جن، حیوان، سبزہ، پتھر وغیرہ) تمام پروردگار کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ انسان کی توجہ اور یقین کے اضافہ کے لئے اللہ نے تسبیح کرنے والے حیوانات اور جمادات کا نام لیا ہے۔

۱۔ سورہ اسراء = آیت ۴۴

۲۔ سورہ الجمعہ = آیت ۱

۳۔ سورہ التغابن = آیت ۱

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ۔[1]

"کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی؟"۔

تسبیح جبال (پہاڑوں) اور طیور (پرندگان) کے بارے داؤد علیہ السلام سے فرماتا ہے:

وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ۔[2]

"اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد علیہ السلام کے لئے مسخر کیا جو ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے"۔

دوسری آیت میں فرماتا ہے:

وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ ۔[3]

"اور (ان سے) ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا قصہ بیان کیجیے جو طاقت کے مالک اور (اللہ کی طرف) بار بار رجوع کرنیوالے تھے۔ ہم نے ان کیلئے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا، یہ صبح و شام انکے ساتھ تسبیح کرتے تھے"۔

تسبیح کے لغت میں معنی:۔

خدا کو پاکی کے ساتھ یاد کرنا، تنزیہ کرنا اور خدا کی حمد و ستائش کرنا ہے۔ یہ تمام

۱۔ سورہ النور = آیت ۴۱

۲۔ سورہ الانبیاء = آیت ۷۹

۳۔ سورہ ص = آیات ۱۷۔۱۸

آیات اس حقیقت کو بیان کر رہی ہیں کہ تمام موجوداتِ عالم وجود، کچھ انسان اور جنات کے علاوہ کہ جنہوں نے اپنے اختیار سے کفر اختیار کیا ہوا ہے، سب ہی خداوند عالم کی تسبیح میں مشغول ہیں لیکن ہر کان ان کی تسبیح کے سننے کی لیاقت نہیں رکھتا۔

اسی طرح جس طرح قرآن فرماتا ہے:

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔

"لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو"۔

نطق جمادات:۔

ایک کتاب "بنام گلزار اکبری" جو مرحوم شیخ علی اکبر نہاوندی کی تالیفات میں سے ہے، یہ کتاب اپنی نوع میں بے نظیر ہے اور بہترین مطالب کی حامل ہے۔

جس کا ۶۴ واں گلشن "در تنطق جمادات به نطق های انسانی" کے نام سے رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کے ۳۹۷ ویں صفحے پر لکھتے ہیں کہ:

۔"بامیان میں جو طخارستان (کابل اور بلخ کے درمیان ہے) کا ایک شہر ہے۔ اس میں ایک تلّی ہے کہ اس میں شگاف ہے۔ اس شگاف سے آہستہ آہستہ پانی اوپر آتا ہے لیکن اس میں ہیبت ناک آواز ہے اور اس سے لفظ "یا علی علیہ السلام" سنا جاتا ہے۔ لوگ گروہ در گروہ وہاں جا کر بھیڑ، بکرے ذبح کرتے ہیں اور اپنی حاجت طلب کرتے ہیں۔

اس قضیہ کا ناقل کہتا ہے کہ شروع شروع میں تو مَیں اس کو افسانہ سمجھ رہا تھا مگر جب خود وہاں گیا اور اس جریان کو نزدیک سے مشاہدہ کیا تو کہا:

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۹۸ پر آیا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے امر اللہ سے کشتی کو تمام کیا تو کشتی نے اس طرح صدائے بلند سے کہا کہ تمام لوگوں نے سنا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِلٰهُ الْأَوَّلِيْنَ وَ الْآخِرِيْنَ أَنَا سَفِيْنَةٌ مَنْ رَكِبَنِي نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنِّي هَلَكَ۔

"کوئی بھی خدا نہیں سوائے اللہ الہ الاولین و الآخرین کے، میں وہ کشتی ہوں کہ جو بھی مجھ میں سوار ہوا وہ نجات پائے گا اور جو بھی مجھ سے تخلف کرے گا وہ ہلاک ہوگا"۔

اور صفحہ ۳۹۹ پر لکھتا ہے:

ایک بزرگ راستے سے گزر رہے تھے کہ راستے میں اس نے ایک نان کا ٹکڑا دیکھا۔ اور اچانک اس نان سے صدا بلند ہوئی کہ کہا:

يَا فُلَانُ كُلْنِي بِاللهِ)۔۔۔۔"اے فلاں خدا کی قسم ہے مجھے کھاؤ"۔

پھر اس نے وہ اٹھایا اور کھالیا۔

اور پھر صفحہ ۴۰۰ پر لکھتا ہے

"راوی "عبادہ" ہے اور وہ کہتا ہے کہ مَیں نے امیر المومنین علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اودیہ اور شِعاب (کوہ اور ابریز درّہ کا شگاف) سے عبور کر رہے تھے کہ کسی بھی درخت اور پتھر سے نہ گزرتے تھے مگر یہ کہ وہ فصیح زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔

اور مَیں اُن کے سلام کو سنتا تھا"۔

تعلیم تسبیح:۔

وہ کچھ جو روایات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تمام موجوداتِ عالم نے اپنی تسبیحات کا طریقہ آئمہ معصومین علیہم السلام سے سیکھا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اقوال کے ضمن میں شہاب بن عبداللہ سے فرمایا:

....كُنَّا أَنْوَاراً صُفُوفاً حَوْلَ الْعَرْشِ نُسَبِّحُ فَيُسَبِّحُ أَهْلُ السَّمَآءِ بِتَسْبِيْحِنَا إِلَى أَنْ هَبَطْنَا إِلَى الْأَرْضِ فَسَبَّحْنَا فَسَبَّحَ أَهْلُ الْأَرْضِ بِتَسْبِيْحِنَا....[1]

"ہم عرش کی ایک صف میں انوار تھے اور خدا کی تسبیح کر رہے تھے۔ پس! اہلِ آسمان (نے ہم سے تسبیح سیکھی اور) ہماری تسبیح سے اللہ کی تسبیح کرتے یہاں تک کہ ہم نے زمین کی طرف ہبوط کیا اور اللہ کی تسبیح کر رہے تھے اور اہلِ زمین بھی ہماری تسبیح سے اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے"۔

امیر المومنین علیہ السلام اپنے خطبات میں سے ایک خطبے میں فرماتے ہیں:

إِنَّا آلُ مُحَمَّدٍ كُنَّا أَنْوَاراً حَوْلَ الْعَرْشِ فَأَمَرَنَا اللهُ بِالتَّسْبِيْحِ فَسَبَّحْنَا فَسَبَّحَتِ الْمَلَائِكَةُ بِتَسْبِيْحِنَا ثُمَّ أَهْبِطْنَا إِلَى الْأَرْضِ فَأَمَرَنَا اللهُ بِالتَّسْبِيْحِ فَسَبَّحْنَا فَسَبَّحَتْ أَهْلُ الْأَرْضِ بِتَسْبِيْحِنَا فَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّوْنَ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ۔[2]

---

[1] بحار الانوار = ج ۲۴، ص ۸۷، ح ۲

[2] بحار الانوار = ج ۲۴، ص ۸۸، ح ۳

"ہم آلِ محمد علیہم السلام اطرافِ عرش میں انوار تھے۔ پس! خداوندِ عالم نے ہمیں اپنی تسبیح کا امر کیا تو ہم نے اس کی تسبیح کی اور ملائکہ نے ہماری تسبیح سے اللہ کی تسبیح کرنا شروع کی۔ اس کے بعد زمین پر آئے تو خداوند نے ہمیں اپنی تسبیح کا حکم دیا، ہماری تسبیح کے ساتھ اہلِ زمین نے تسبیح و تنزیہ خدا کرنا شروع کی۔ بیشک ہم ہی صف باندھنے والے ہیں عرش خدا کے اطراف میں اور ہم ہی اس کی تسبیح کرنے والے ہیں"۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے وسیع مطالب کے مضامین میں جابر بن یزید جعفی سے فرمایا:

....ثُمَّ أَمَرَ اللهُ تَعَالَى أَنْوَارَنَا أَنْ تُسَبِّحَ فَسَبَّحَتْ فَسَبَّحُوْا بِتَسْبِيْحِنَا وَلَوْلَا تَسْبِيْحُ أَنْوَارِنَا مَا دَرُّوْا كَيْفَ يُسَبِّحُوْنَ اللهَ وَلَا كَيْفَ يُقَدِّسُوْنَهُ....[1]

"اس کے بعد اللہ عز و جل نے ہمارے انوار کو اپنی تسبیح کا امر فرمایا۔ ہم نے ایسا کیا۔ پس! ہماری تسبیح سے ملائکہ نے تسبیح کی۔ اگر ہمارے انوار کی تسبیح نہ ہوتی تو وہ اللہ کی تسبیح کا طریقہ نہیں جان سکتے تھے"۔

وہ کچھ جو روایات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تمام موجودات عالم نے اپنی تسبیحات کا طریقہ آئمہ معصومین علیہم السلام سے سیکھا ہے اور ان ذوات مقدسات کی معرفت رکھتے ہیں کیونکہ وہ ان پر اللہ کی حجت ہیں۔

---

[1] بحار الانوار = ج ۲۵، ص ۱۸، ح ۳۱

مخلوق پر حجج الٰہیہ:۔

حضرت سید الساجدین امام علی ابن الحسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

نَحْنُ أَئِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَ حُجَجُ اللهِ عَلَى الْعَالَمِيْنَ.... [1]

"ہم ہی مسلمین کے امام اور تمام عالمین پر اللہ کی حجت ہیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا:

يَا عَلِيُّ أَنْتَ وَ الْأَئِمَّةُ مِنْ وُلْدِكَ بَعْدِيْ حُجَجُ اللهِ عَلَى خَلْقِهِ وَ أَعْلَامُهُ فِيْ بَرِيَّتِهِ۔ [2]

"یا علی علیہ السلام! آپؑ اور آپؑ کے بعد آپؑ کی اولاد میں سے آئمہ علیہم السلام میرے بعد اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں اور مخلوقات کے درمیان اس کی نشانیاں ہیں"۔

اور زیارت جامعہ کبیرہ میں پڑھتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَى أَئِمَّةِ الْهُدَىٰ ....وَ حُجَجِ اللهِ عَلَى أَهْلِ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ الْأُوْلَى....

"سلام ہو ہدایت کہ آئمہ علیہم السلام پر اور اللہ کی حجتیں اہل الدنیا والآخرت اور عالم برزخ پر"۔

چہاردہ معصومین علیہم السلام کی طول تاریخ میں بہت زیادہ قضیات کا اتفاق ہوا ہے کہ اس میں حیوانات و جمادات اور سبزہ کی معرفت کا ان کی نسبت پتا چلتا ہے۔

۱۔ بحار الانوار= ج ۲۳، ص ۵، ح ۱۰

۲۔ بحار الانوار= ج ۲۳، ص ۹۷، ح ۴

حجج بالغہ الٰہی کی تعظیم میں حیوانات کا کلام کرنا اور سبزے اور درختوں کا ان کی تعظیم کرنا اور اسی طرح جمادات کا احترام کرنا ان کے سامنے اس جیسے واقعات کا مجموعہ ہے۔

اسی باب میں سے امام ہادی علیہ السلام کے واقعات اور برکۃ السباع اور شیروں کا امام علیہ السلام کی عظمت کے سامنے تواضع کرنا، سوسمار کا کلام کرنا اور اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا، گھاس کا فی الفور اُگنا، یا پھر اس کا جا بجا ہونا یا پھر رحمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر سے درخت کا کلام کرنا، اِسی طرح اس درخت کی شاخ کا تعظیم کرنا جس پر امام حسین علیہ السلام کا سر آویزاں کیا گیا تھا، سنگریزہ کا کلام کرنا اور وقتِ ظہورِ حضرت بقیۃ اللہ الاعظم روحی وأرواح العالمین لہ الفداء علیہ السلام کا پتھروں اور پہاڑوں کی مدد کرنا اور اس عزیز عالم وجود کے دشمنوں کی پہچان کرانا۔ یہ سب کے سب واقعات سے اِس ولی اللہ الاعظم پروردگار کی معرفت کروانا مقصود ہے اور معرفت کی خصوصیت میں جنّات اور ملائکہ کی معرفت کے واقعات تو اس قدر ہیں کہ شک کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

کعبہ کی معرفت، امام علیہ السلام کی طرف:۔

موجودات میں سے ایک جو امام علیہ السلام کی خاص معرفت رکھتا ہے، وہ خانہ کعبہ ہے۔ وہ گھر جو بعنوان بیتُ اللہِ الحرام اہلِ توحید کا احترام رکھتا ہے۔

خداوند متعال فرماتا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ [1]

۱۔ سورہ آلِ عمران= آیات ۹۶۔۹۷

"سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے جو عالمین کے لئے بابرکت اور راہنما ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں (مثلاً) مقامِ ابراہیمؑ اور جو اس میں داخل ہوا وہ امان والا ہو گیا"۔

عظمت کعبہ کے بارے ہم نے فصل اول میں مفصل بحث کی ہے۔ اور اس فصل میں ہم کعبہ کی امام علیہ السلام کی طرف معرفت پر بحث کریں گے۔

ہم اپنا میدان ہموار کرنے کیلئے اس بحث میں اترنے سے پہلے بطور مختصر عبادتوں اور سنت اور مخلوقات سے امتحانِ الٰہی کی انواع کو اور حج کی رسومات کا ذکر کریں۔

عبادت کی انواع از نظرِ لذت نوع:۔

پہلے یہ جان لیں کہ اعمال عبادی مختلف انواع رکھتے ہیں، ان میں سے بعض در عین حال عبادت اور خدا کے امر کی اطاعت کے لئے انجام دی جا رہی ہے، وہ حظ نفسانی بھی رکھتی ہے۔ جیسے ازدواج کرنا، غذا کھانا۔۔۔۔ بعض دوسرے اعمال ہیں جو لذتِ نفسانی نہیں رکھتے لیکن از نظرِ عقل رغبت انسان کا باعث ہے۔ جیسے تحصیل علم اور فقراء اور مستمندان پر احسان جو احیاناً ہوائے نفس اور طالب شہوت نہیں ہے لیکن عقل کی نگاہ سے مطلوب اور عقل والوں کے نزدیک مقبول ہے۔

اعمال کا ایک سلسلہ (بعنوانِ عبادت) وجود رکھتا ہے، نہ تو نفس اس کے انجام دینے کی طرف مائل ہے اور نہ ہی عقل اس کو اچھا کہتی ہے۔ جیسے لباس کا اتارنا اور ر سا "دو کپڑے بغیر سلے ہوئے، وہ بھی آدھے بدن پر پہننا، سر و پیر برہنہ کرنا اور بہت سی عادات کو ترک کرنا کہ انسان جس سے اُلفت رکھتا ہے۔

اور ایک پتھر کے گھر کے چکر لگانا اور ایک کالے پتھر کو بوسہ دینا جو رکن کعبہ میں نصب ہے اور صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سات بار آنا، جانا اور وقتِ معین پر خاک و پتھر سے پُر عرفات و مشعر و منیٰ اور جلانے والے بیابان میں توقف کرنا۔

اور پتھروں کا جمع کرنا اور مخصوص ستونوں کی طرف پھینکنا۔ ظاہر ہے کہ یہ اعمال نہ تو مطلوب نفس ہیں اور نہ ہی محبوب عقل۔ فقط امر خدا کی وجہ سے ایک مومن یہ کام انجام دیتا ہے۔ اور اس جیسے اعمال میں کوئی بھی لذّتِ نفسانی نہیں اور نہ ہی کوئی عقلی لحاظ سے فائدہ ہے۔

مسلمان واقعی کی نظر میں ہر وہ چیز لذّت بخش ہے جو خدا کو پسند ہے یعنی اللہ کی خوشنودی ہے اور تسلیم ہونا، وہ بھی دل و جان سے۔ اللہ کے اوامر کے سامنے یہ بزرگ ترین نعمتیں ہیں۔

بزرگان میں سے ایک لکھتے ہیں:

وہ کام جو نفسانی اور عقلانی دعویٰ نہیں کرتے، فقط وہی اطاعت خدا کے لئے ہیں اور حال خلوص پیدا کرنا اور تسلیم ہونا فوق العادہ مؤثر ہے۔

اور آدمی کو خدا کا خالص بناتے ہیں اور بندے میں خالص عبداللہ ہونے کی قابلیت پیدا کرتے کیونکہ وہ کام جو عقل پسند یا طبع پسند ہیں، اس کو تو سب انجام دیتے ہیں لیکن ان کاموں کے انجام میں عبد خالص اور غیر خالص کا امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔

خدا پرست، ہوی پرست سے پہچانا نہیں جاتا۔ سب ہی شادی کرتے ہیں، اب معلوم نہیں کہ کس نے اللہ کیلئے شادی کی اور کس نے اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے؟ سب ہی علم حاصل کرتے ہیں، اب پتا نہیں کہ کون اللہ کے امر کے لئے حاصل

کرر ہا ہے اور کون مخلوق کی ہدایت کے لئے علم حاصل کرنے میں مشغول ہے اور کون اپنے دنیاوی اور خواہش نفسانی پر عمل کے لئے حاصل کرر ہا ہے۔

سب ہی مستمندان اور قیدیوں اور بیماروں کی مدد کرتے ہیں مگر ریاکاروں اور شہوت طالب اور خدا کے لئے مدد کرنے اور آخرت کو چاہنے کی تمیّز جدائی حاصل نہیں ہوسکتی۔

وہ کام جو اَز نظرِ عقل و نفس عاری ہیں اور کسی بھی فائدہ سے فاقد ہیں، وہی خالص بندگی اور خالص ایمان سے نفاق اور شک سے یقین کی تمیّز جدائی کرتے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ [1]

"اور دین میں اس سے بہتر اور کون ہوسکتا ہے جس نے نیک کردار بن کر اپنے وجود کو اللہ کے سپرد کیا"۔

یہ آیت اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ نیک اور بہترین کام صرف وہی ہے جس میں خدا کے سامنے تسلیم ہوا جائے اور اللہ کے ارادے میں اپنا ارادہ اور اللہ کی چاہت میں اپنی چاہت فانی کرنے کا نام نیک کام ہے۔

لہٰذا اللہ نے دلوں کے امتحان کے لئے اور ہر جان کو پرورش دینے کے لئے اور اس مقصد تک پہنچانے کے لئے جو اللہ کی نظر میں ہے اور سعادت اور شقاوت سے جدا کرنے کے لئے مقررات ضمن دینی میں بندوں کے اعمال کا ایک سلسلہ بنایا ہے۔ بظاہر نہ تو حظّ نفسانی رکھتے ہیں اور نہ ہی فائدہ عقلانی، جو ظاہراً تو وقار کے خلاف نظر آرہا ہے لیکن اللہ کے اوامر کے لئے اس نے سر جھکایا ہوا ہے۔

---

[1] سورہ النساء = آیت ۱۲۵

لیکن افسوس کے ساتھ کہ یہ بے نوا انسان جو اپنے کام کی رمز سے بے خبر ہے اور تمام احکام کی طرف اپنا فلسفہ جھاڑ رہا ہے اور اپنی تیز نظری سے اس پر نظر رکھتا ہے کہ اسلام کا یہ حکم میرے بدن کے لئے کہاں فائدہ رکھتا ہے؟ اور وہ حکم از نظر اقتصادی اور اجتماعی کیا اثر رکھتا ہے؟

اور وہ عمل میری زندگی میں کہاں فائدہ دیتا ہے؟ اس قبیلے کے لوگوں کی اکثر فکر امور مادی میں ہے اور ان لوگوں نے دین کو دنیا کا نوکر سمجھا ہوا ہے اور اس سے دنیا کی خدمت گزاری لینا چاہتے ہیں اور اس سے مادی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے آسمانی احکام کا تقابل لوگوں کے درمیان کرر ہے ہیں۔

البتہ یہ جاہلانہ طرز کا تفکر کسی ایک وقت کے ساتھ معین نہیں ہے بلکہ تمام زمانوں میں ایسے جاہل موجود رہے ہیں۔ ایسے لوگ انبیاء اور اللہ کے افراد کے سامنے بھی تھے۔ [1]

سنت امتحان:۔

اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے والوں کے لئے حج بہت بڑا امتحان ہے اور بندوں کا امتحان کرنا تو اللہ کی سنت میں سے ہے جو خلقت عالم وجود سے چلی آرہی ہے۔ تمام انبیاءؑ اور ان کے پیروکاروں نے بھی امتحانات دیئے ہیں۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ٥
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ .... [2]

---

[1] حج برنامہ کامل محمد ضیاء آبادی = ص ۱۲۹۔۱۳۰

[2] سورہ العنکبوت = آیات ۲۔۳

"کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور یہ کہ وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟ اور بتحقیق ہم ان سے پہلوں کو بھی آزما چکے ہیں"۔

یہاں پر ہم بعنوانِ نمونہ اللہ کے امتحان کے چند موارد بیان کریں گے۔

اللہ عزوجل نے اصحاب سبت جو قوم یہود سے تھے کو موردِ آزمائش قرار دیا، اس صورت میں کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار حرام قرار دیا۔ اور اتفاقاً اس دن بہت ہی خوبصورت اور گوشت سے بھرپور مچھلیاں اس دریا میں آتیں تھیں اور پھر اتوار سے جمعہ تک ان مچھلیوں کا کوئی اَتا پتا نہیں ہوتا تھا۔

شیطان کے وسوسوں سے اس امر کی حرمت کو پارہ پارہ کیا گیا اور اللہ کی مخالفت کر بیٹھے اور پھر بلائے الٰہی میں مبتلا ہوئے اور پھر بندر کی شکل میں مسخ ہو گئے۔[1]

یا پھر طالوت کے لشکر کا امتحان کہ قرآن اس کو بعنوان بہترین ذمہ دار اور لائقِ رہبری جو قوتِ بدنی اور قدرتِ فکری اور علمی شخصیت کے ساتھ اس کی تعریف کرتا ہے۔ کہتا ہے:

بنی اسرائیل نے جالوت۔ سلطانِ جبار اور وقت کے ظالم۔ کی نابودی کے لئے اپنے انبیاءؑ سے ایک قائد چاہا جو ان کی رہبری کرے تو انبیاءؑ نے طالوت کو اللہ کے حکم سے ان پر قیادت کے لئے مسلط کیا۔ طالوت نے ایک لشکر کے نظام کے مطابق ان سے کہا= متوجہ رہنا، اللہ تمہیں ایک نہر کے وسیلے سے جو تمہیں راستے میں پڑے گی، تمہارا امتحان لے گا لیکن کوئی بھی شدید پیاسا ہوتے ہوئے بھی اس نہر سے پانی نہیں پیئے گا،

۱۔ سورہ اعراف = آیات ۱۶۵۔۱۶۶

(مگر تھوڑی مقدار میں)۔ اللہ نے حکم دیا اور انہوں نے جو اس کا حال کیا، اللہ اس کے بارے قرآن میں فرماتا ہے:

فَشَرِبُوا مِنۡهُ إِلَّا قَلِيلًا ۔[1]

"پس تھوڑے لوگوں کے سوا سب نے اس (نہر) میں سے پانی پی لیا"۔

اس ترتیب کے مطابق یہ گروہ بھی اللہ کے امتحان پر پورا نہیں اُترا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان نہیں ہوا؟

امتحان کی نوعیت دیکھیں کہ ایک مہربان باپ اس سے بھی سخت کمالِ عقل و ہوش اور درایت میں اس دل کے ساتھ جو مہر و محبت اور عطوفت سے بھرپور اپنے بیٹے کے لئے جو اس کے دل کا میوہ ہے، اُسے زمین پر سُلائے اور اپنے ہاتھوں سے گلہ کاٹنے والا چاقو اس کی گردن پر چلائے یہاں تک کہ اس کے گلے کی رگیں کٹ جائیں۔ یہ ایسا عمل ہے جس کو نہ تو طبیعت پسند کرتی ہے، نہ نفس اور نہ ہی عقل۔۔۔۔

اس کے لئے توجیہ و تفسیر ہے۔

طبیعتاً آدمی کاملاً اس سے متنفر اور عقل شدیداً اس کو قبیح کرتا ہے لیکن جو موضوع کو آسان اور میٹھا کرتا ہے، وہ عشق ہے۔ اور وہ خالق سے عشق ہے۔ اللہ، ابراہیم علیہ السلام جو عاشق ہیں، کو امر کرتا ہے۔ وہ عالمِ رؤیا میں دیکھتے ہیں کہ معشوق یہ چاہتا ہے تو عاشق فوراً بلا فاصلہ اقدام کرتا ہے تاکہ تمام اہلِ عالم جان لیں کہ وہ مکتبِ عشق و محبت اور تسلیم و رضا کے شاگردانِ اوّل میں سے ہے۔

۱۔ سورہ البقرۃ = آیت ۲۴۹

حج امتحان کا میدان

حج امتحان کا میدان ہے۔ حاجی کو چاہیے کہ وہ اپنے قدم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے پیچھے رکھے اور اس کی زبان کا حال یہ ہو کہ میں تمہارے قدموں کے پیچھے قدم رکھ رہا ہوں اور میری کوشش بھی اس پر ہے کہ جس طرح تُو نے خشک بیابان اور بے آب وعلف زمین میں اپنے محبوبِ واقعی یعنی خدا کی یاد میں ایک گھر اس کے نام پر بنایا تا کہ دور سے دنیا اس کے ساتھ خلوت نشینی کرے اور اس کی قرب کی وادی میں جگہ حاصل کرے، مَیں بھی دُور سے آیا ہوں اور تیرا راستہ اختیار کیا ہے کہ شاید اس کا مقامِ قرب حاصل کرسکوں۔

کہا گیا ہے= خدا کی سب سے بڑی نعمت اپنے بندے پر تحصیل رضایت و خوشنودی پروردگار ہے۔ قرآن کی تعبیر سے "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ" کہ یہ رضوانِ الٰہی، اس رضایت خدا کا حصول جو دنیا میں اللہ کے بندے پر ہر عنایت سے افضل ہے۔

امتحانات میں اور اوامر ونواہی الٰہی کی اطاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کتنی مقدار میں اس حصول میں کامیاب رہا ہے۔

بظاہر اور نوعِ امتحان کی طرف نگاہ نہیں کرنی چاہیے، چاہے اس میں کوئی مصلحت نہ

دیکھیں یا پھر اس کا کوئی فائدہ سمجھ میں نہ آئے بلکہ ظاہراً اس میں صرف نقصان دیکھیں۔

جیسے اصحاب سبت پر مچھلی کو حرام کرنا، وہ بھی ہفتے کے دن کہ جس دن اچھی مچھلیاں آتیں تھیں، جس میں ہمیں کوئی فائدہ تو نظر نہیں آیا، اُلٹا اقتصاد ڈوبتا ہوا نظر آیا۔

یا پھر لشکرِ طالوت کو جب وہ پیاسا تھا، پانی پینے سے منع کیا گیا۔ یا پھر ایک والد کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دینا۔ اس میں سے کوئی بھی ایسا مورد نہیں ہے جس میں کوئی فائدہ محسوس ہو یا پھر کوئی معقولی ان اعمال میں کہ جو امر ہوئی یا نہیں ہوئیں، نہیں دیکھی گئی۔

ان موارد میں جو عالی ترین فائدہ ہے، وہ تقربِ الی اللہ اور اللہ کی رضایت کا حصول ہے جو غایت الغایات اور منتہی الآمال العارفین ہے۔

اس ترتیب سے تھوڑے سے اندازے کے مطابق واضح ہوا ہے کہ بندگان کے اعمال کا ایک سلسلہ فقط اور فقط مقید ہے بندگی میں اخلاص اور اطاعتِ امرِ خدا پر بغیر اس کے کوئی اقتصادی وسیاسی اور اجتماعی فائدہ ہو، تنہاء اس کا فائدہ رضایتِ خدا اور امرِ خدا کے سامنے تسلیم ہونا ہے۔

پس! یہاں پر ہے کہ مخلوق نے اپنی لذتوں کو لات مار کر اپنا سر آستانِ خالق میں رکھا ہے۔ اور اللہ بھی اسے تمام لذاتِ جاویدان عطا فرمائے گا۔

خدا نے اس طرح مقرر فرمایا ہے کہ لوگ اس گھر اور ان اعمال کے وسیلے سے امتحان ہوں اور اس میں ایسے ایسے راز پنہاں ہیں کہ اگر بندہ مطیع واقعی ہو تو اللہ اُسے ان اسرار سے مطلع کرے گا۔

=====❖=====

بیت اللہ کی معرفت، امام علیہ السلام کی طرف

گر شود دیدہ ی دل باز، عیان می بیند
کعبہ پیوستہ طواف حرم یار کند

"اگر دل کی آنکھیں کھل جائیں تو عیاں دِکھے گا
کہ کعبہ ہمیشہ یار کے حرم کے طواف کرتا ہے"

جس طرح ابتدائے فصل میں وضاحت دی گئی ہے کہ تمام موجودات تکویناً تسبیح و تہلیل خداوند میں مشغول ہیں۔

اجزائے کعبہ میں جو سب سے زیادہ شرافت رکھتا ہے، وہ حجرِ الاسود ہے اور حجرِ الاسود وہ ہے جو باطن میں خدا اور ولیِ خدا کی معرفت رکھتا ہے۔

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام اسی بلند والا مقام کے فرزند ہیں کہ جس نے اس گھر کو ایک اور شرافت بخشی۔

اگر خداوند متعال دل کی آنکھوں کو کھولے تو قلب، انسان کو اپنے اسرار عالیہ کا محرم بنائے گا کہ یہ بیت عظمت کے ساتھ امام علیہ السلام کا طواف کر رہا ہے۔

اس کا حجرالاسود جو اللہ کے مقرب ملائکہ میں سے ایک ملک ہے، وہ اپنے مسائل کو ان کے آگے پیش کرتا ہے۔

محمد حنفیہؒ اور دعوائے امامت

زُرارہ، امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں:

"امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد محمد حنفیہؒ نے امام سجاد علیہ السلام سے کہا کہ آپؑ سے اکیلے میں کچھ گفتگو کرنی ہے، اور پھر امامؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا:

بھتیجے! آپؑ کو معلوم ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد امامت و وصایت امیر المومنین علیہ السلام کو عطا کی اور ان کے بعد امام حسن علیہ السلام اور پھر امام حسین علیہ السلام کو یہ عہدہ ملا، آپؑ کے والد "صلوات اللہ وسلامہ علیہ" کی شہادت ہوئی لیکن انہوں نے اپنے جانشین کے لئے کوئی وصیت نہیں کی۔ آپؑ کو معلوم ہے کہ میں آپؑ کا چچا ہوں اور آپؑ کے والدؑ اور مَیں، ہم دونوں علی علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ میں سن و سال میں آپؑ سے بڑا ہوں لہٰذا آپؑ سے زیادہ عہدۂ امامت کا حق دار ہوں، اس لئے جانشینی کے مسئلہ میں میری مخالفت نہ کریں"۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے چچا کے جواب میں بہت ہی نرم لہجے میں فرمایا:

"چچا جان! خدا کا خوف کریں اور جو چیز آپؑ کا حق نہیں ہے، اس کی

تمنامت کریں۔ میں آپؑ کو خبردار کرتا ہوں کہ آپؑ جاہلوں کی طرح نہ رہیں۔ چچا جان! ہمارے والدؑ نے عراق کی طرف جانے سے قبل اس سلسلے میں وصیت کی تھی اور اپنی شہادت سے تھوڑی دیر پہلے بھی مجھ سے اس عہد کی تجدید کی۔ یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلحہ میرے پاس ہے اور اس عہدہ کے لئے آپؑ دست درازی نہ کریں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپؑ کی عمر مختصر ہو جائے اور آپؑ کی حالت غیر ہو جائے۔ خداوندِ عالم نے عہدۂ امامت کو امام حسین علیہ السلام کی نسل میں رکھا ہے"۔

پھر امام علیہ السلام نے اس امر کو یقینی بنانے کے لئے اپنے چچا سے فرمایا:

"اگر آپ کو اس امر کا ادراک درکار ہے تو چلئے حجرِ اَسود سے فیصلہ کروائیں اور اس سے حقیقت معلوم کریں"۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"دونوں کی یہ گفتگو مکّہ میں ہوئی اور دونوں حجرِ اَسود کے پاس پہنچے۔ علی بن الحسین علیہ السلام نے محمد حنفیہ سے فرمایا: پہلے آپ خدا کی بارگاہ میں دعا کریں کہ خداوندتعالیٰ حجرِ اَسود کو گویائی دے اور آپ اس سے دریافت کریں۔ محمد حنفیہ نے تضرع وزاری کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں دعا کی اور حجرِ اَسود سے حقیقتِ امر دریافت کی۔ لیکن حجرِ اَسود سے کوئی جواب نہیں ملا۔ امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: اگر آپ امام اور وصی ہوتے تو حجرِ اَسود آپ کو جواب ضرور دیتا"۔

محمد حنفیہ نے کہا: اے بھتیجے! آپؑ دعا کریں۔

علی بن الحسین علیہ السلام نے دعا کی، پھر فرمایا:

"اے حجرِ اَسود! تجھے اس خدا کا واسطہ جس نے پیغمبروںؑ، اوصیاءؑ اور تمام لوگوں کا عہد و پیمان تیرے اندر رکھا ہے، تُو بتا کہ حسین بن علی علیہما السلام کے بعد امام کون ہے؟

فَتَحَرَّكَ الْحَجَرُ حَتّٰى كَادَ أَنْ يَزُوْلَ عَنْ مَوْضِعِهِ۔

"حجرِ اسوَد اتنی زور سے لرزا کہ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے اُکھڑ جائے گا"۔

ثُمَّ أَنْطَقَهُ اَللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِيْنٍ، فَقَالَ:

"پھر خدا نے اُسے گویا کیا اور اس نے فصیح عربی زبان میں کہا:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْوَصِيَّةَ وَالْإِمَامَةَ بَعْدَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ اِبْنِ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ۔

"بارِ خدایا! بے شک حسین بن علی علیہ السلام کے بعد امام و وصایت علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام فرزند فاطمہ سلام اللہ علیہا بنتِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے"۔

فَانْصَرَفَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَ هُوَ يَتَوَلّٰى عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ۔

پھر محمد حنفیہ نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا اور علی بن الحسین علیہ السلام کے مطیع بن گئے۔[1]

خداوند متعال نے اس کعبہ کو بدن کا قبلہ قرار دیا ہے کہ لازماً نماز گزار اپنا چہرہ

[1] اصول کافی = ج ۲، ص ۱۵۵۔۱۵۶

اس کی طرف کرے۔

لیکن امام علیہ السلام کو دل کا قبلہ قرار دیا کیونکہ نماز پڑھتے وقت کہتا ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔

جو صبح وشام حداقل دس مرتبہ پڑھتا ہے اور یہ پڑھتے وقت دل اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیونکہ یا تو خود امام علیہ السلام صراطِ مستقیم ہے یا پھر اس کا راستہ صراطِ مستقیم ہے جو خداوند متعال کا منظور ہے۔

تمام موجودات عالم بطفیل آئمہ ہدیٰ علیہم السلام خلق ہوئے ہیں۔

من جملہ کعبہ جو اس زمین کی شروعات کا نقطہ تھا "دحو الارض"۔

جی ہاں! مولودِ کعبہ کے وجود کی برکت سے ہے جو کعبہ خلق ہوا اور ہمیشہ کے لئے حق پرست بندوں کے لئے قبلہ گاہ قرار پایا۔

پس! اس خصوص میں اتنے اسرار ہیں کہ اللہ سے اس کو سمجھنے کے لئے کرامت کی دعا مانگیں۔

=====❖=====

کعبہ اور اس کالے پتھر کا طواف

آج وجودِ مقدس حضرت بقیۃ اللہ الاعظم، حجۃ ابن الحسن المہدی روحی وارواح العالمین لتراب مقدمہ الفداء علیہ السلام، وہی علی علیہ السلام اور وہی حسین علیہ السلام ہیں۔

وہ طواف کے لئے بظاہر کعبہ کے گرد گھوم رہے ہیں، لیکن اگر کسی کی بصیرت کی آنکھیں کھل جائیں تو وہ دیکھے گا کہ کعبہ امام علیہ السلام کا طواف کر رہا ہے۔

اگر کعبہ مطاف خاکیان است	ویا گر قبلہ می افلاکیان است
طواف کعبہ و سنگ سیاهش	بہ گرد مهدی صاحب زمانؑ است
یقیناً قبلہ ی دلهاست مهدیؑ	کہ مرغ دل بہ سویش پر زنان است
فراتر آستان او ز عرش است	مَلَک در خدمت این آستان است
یگانہ مظهر لطف خداوند	کہ سیل لطف او دائم روان است
عنایت های او هر جا هویدا است	تجلّی های او در دل عیان است
ببین در هر طرف با دیده ی دل	زرد پای آن دلبر نشان است
ولی اعظم باریتعالیٰ است	یگانہ مصلح کون و مکان است
بہ حکم حق در ایام ظهورش	بهین فرماندہ ی کلّ جهان است
یگانہ دادخواه آل طاهاست	امید قلب زهرای جوان است

تمام عاشقان منتظر را — همیشه نام او ورد زبان است
هوادار تمام شیعیان است — نگهدار زمین و آسمان است
ولای حضرتش امروز و فردا — برای شیعیان که امان است
مشوای "ملتجی" غافل ز یادش — که یادش بهترین آرام جان است

=====❖=====

فصلِ پنجم

حجرِ اسود کا بوسہ

حقائق سے آشنا

قال مولانا العباس علیہ السلام:

....قَدِ اسْتَلَمَ النَّاسُ الْحَجَرَ وَ الْحَجَرُ يَسْتَلِمُ يَدَيْهِ....

"بے شک! لوگ حجرِ اسود کو چومتے ہیں اور حجرِ اسود میرے مولاؑ کے ہاتھوں کو چومتا ہے"۔

ہم شیعیان کے تمام معنوی متخذات کتاب خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام کی احادیث اور سیرت سے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے ان ذواتِ مقدسات کو شرح اور آیات کے بیان کے لئے اور ہر آیت میں اپنے مقصد کے لئے اپنی خلق کے لئے مرشد اور رہنما قرار دیا ہے۔

اگر کوئی چاہتا ہے کہ علمِ قرآن کو چہاردہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کسی اور سے اتخاذ کرے تو یقیناً اُس نے گمراہی کا راستہ چن لیا ہے کہ اس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں گمراہی و شقاوت اور بدبختی ہے۔

قرآن اپنے پیروکار کو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی آیت تمہارے لئے روشن نہیں ہے تو جس کو میں نے اہلِ ذکر سے موسوم کیا ہے، اُس سے سوال کرو۔

....فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ....[1]

"اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو"۔

کون ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قرآن لانے والے ہیں، شائستہ تر ہے کہ اہل ذکر کی معرفی کرے؟

اگر آپ کتاب "غایۃ المرام" کی ۳۴ و ۳۵ فصل کی طرف رجوع کریں تو آپ کو ملے گا اور ۲۴ روایاتِ عامہ اور خاصہ سے آپ دیکھیں گے کہ فرمایا=

"اہلِ ذکر آلِ محمد علیہم السلام ہیں اور بس"۔

آیاتِ قرآن روشن اور گویا ہیں کہ منتہیٰ سب کے لئے نہیں بلکہ وہ کہ جن کے سینے میں علمِ قرآن رکھا گیا ہے۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے:

....بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ....[2]

"بلکہ یہ روشن نشانیاں ان کے سینوں میں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے"۔

صاحبِ تفسیرِ برہان [3] اس آیت کے ذیل میں اٹھارہ احادیث نقل کرتے ہیں کہ جن میں ہمارے پیشواء مختلف صورتوں میں فرماتے ہیں:

هُمُ الْاَئِمَّةُ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ "صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ)"۔

"ان سینوں کے مالک اور آیاتِ قرآن کے حقائق کے حاوی فقط آلِ محمد علیہم السلام ہیں"۔

۱۔ سورہ العنکبوت، آیت: ۴۹

۲۔ سورہ العنکبوت = آیت ۴۹

۳۔ البرہان فی تفسیر القرآن = ج ۳، ص ۲۵۵

اسی میدان میں ایک اہم آیت جو سورہ رعد کی آخری آیت ہے اس میں علم قرآن کے واحد کو وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فریقین کی معتبر تفاسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث نقل ہوئی ہیں کہ جس کے پاس کتاب کا تمام علم ہے وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے

اور آئمہ علیہم السلام نے ایک دوسرے کے بعد اس علم کو وراثت میں حاصل کیا۔

ابُو حنیفہ:۔

ابوحنیفہ کہ جس کا نام نعمان بن ثابت ہے اور فقہ اہلِ سنت و جماعت کے چار آئمہ میں سے ایک امام ہے۔ موسوم دو سال امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی میں رہا ہے اور وہ خود کہتا تھا:

لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ.

"اگر وہ دو سال" امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی میں" نہ ہوتا تو نعمان ہلاک ہو جاتا"۔

پس! ابوحنیفہ نے اپنی راہ امام علیہ السلام سے جدا کر لی اور اس نے راہ سقیفہ اختیار کی۔

اسی لئے امام علیہ السلام اور ان کے شاگردوں سے ہمیشہ بحث و جدل میں رہتا تھا۔ البتہ ہمیشہ رسوا ہوتا تھا۔ اس کی یہ داستان، بہلول عاقل کے ساتھ بہت مشہور ہے کہ بہلول عاقل نے اس کی پیشانی پر مٹی کا ڈھیلا مار کر اس کے تین اعتراضات کا جواب دیا۔

ایک دن ابوحنیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بہترین شاگردوں میں سے ایک جس کا نام محمد بن علی بن نعمان کوفی المعروف مومن الطاق ہے، سے کہا: تم شیعیان،

رجعت پر عقیدہ رکھتے ہو؟

مومن الطاق نے کہا: جی ہاں!

اُس نے کہا: پھر مجھے پانچ سو اشرفیاں قرض کے طور پر دو، اور جب رجعت میں پلٹیں گے تو مجھ سے لے لینا۔

مومن الطاق نے کہا: اپنے لئے کوئی ضامن[1] لے آؤ کہ جب تم دنیا میں آؤ گے تو انسان کی صورت میں ہی آؤ گے کیونکہ مَیں تمہارے لئے خوفزدہ ہوں کہ تم بندر کی شکل میں آؤ گے۔!

جب امام جعفر صادق علیہ السلام شہید ہو گئے تو ابوحنیفہ نے مومن الطاق سے کہا: تیرا امام وفات پا گیا ہے تو اس نے بھی بلا فاصلہ جواب دیا:

لٰكِنْ اِمَامُكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ.

"اگر میرا امام دنیا سے چلا گیا ہے تو تیرا امام شیطان وقتِ معلوم (قیامت) تک نہیں مرے گا"۔

ابوحنیفہ کبھی کبھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے گفتگو کرتا تھا۔ ان جریان میں سے ایک جریان جس کو مرحوم کراجکی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، وہ جریان یہ ہے:

كَنْزُ الْفَوَائِدِ لِلْكَرَاجُكِيِّ ذَكَرَ: ذُكِرُوْا أَنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ أَكَلَ طَعَاماً مَعَ الْإِمَامِ الصَّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا رَفَعَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَدَهُ مِنْ أَكْلِهِ قَالَ=
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا مِنْكَ وَمِنْ رَسُوْلِكَ.

۱۔ منتہی الآمال= ج۲، ص ۳۲۳

فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ أَجَعَلْتَ مَعَ اللهِ شَرِيكاً فَقَالَ لَهُ وَيْلَكَ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ - "وَ مَا نَقَمُوْا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللهُ وَ رَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ"۔[1]

وَ يَقُوْلُ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ "وَ لَوْ أَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتَاهُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهُ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ سَيُؤْتِيْنَا اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ رَسُوْلُهُ"۔[2]

فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَ اللهِ لَكَأَنِّيْ مَا قَرَأْتُهُمَا قَطُّ مِنْ كِتَابِ اللهِ وَ لاَ سَمِعْتُهُمَا إِلَّا فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ فَقَالَ أَبُوْ عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَلٰى قَدْ قَرَأْتَهُمَا وَ سَمِعْتَهُمَا وَ لٰكِنَّ اللهَ تَعَالَى أَنْزَلَ فِيْكَ وَ فِيْ أَشْبَاهِكَ- "أَمْ عَلَىٰ قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا"۔[3]

وَ قَالَ "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"۔[4]

"نقل ہوا ہے = ایک دن ابو حنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ دسترخوان پر تھا۔ جب امام علیہ السلام نے طعام سے ہاتھ ہٹایا تو آپؑ نے فرمایا: الحمد للہ رب العالمین، خدایا! یہ تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہم پر لطف ہے۔

ابو حنیفہ نے اعتراض کیا اور کہا = یا ابا عبد اللہ علیہ السلام! کیا آپؑ خدا کے

۱۔ سورہ توبہ = آیت ۷۴

۲۔ سورہ توبہ = آیت ۵۹

۳۔ سورہ محمد = آیت ۲۴

۴۔ کنز الفوائد = ج ۲، ص ۳۶؛ سورہ مطففین = آیت ۱۴

لئے شریک قرار دے رہے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وائے ہو تم پر! خدا اپنی کتاب میں "کفار و منافقین کے بارے میں فرماتا ہے":

"انہیں اس بات پر غصہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فضل سے ان (مسلمانوں) کو دولت سے مالا مال کر دیا ہے"۔

"اور کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ انہیں دیا ہے وہ اس پر راضی ہو جاتے اور کہتے: ہمارے لئے اللہ کافی ہے، عنقریب اللہ اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی"۔

اور دوسری جگہ فرماتا ہے =

"کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے لگ گئے ہیں؟"۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا =

"ہرگز نہیں بلکہ جو کچھ وہ کمایا کرتے تھے، اُسی نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا (یہ) ہرگز نہیں (مانیں گے)"۔

ابو حنیفہ (امام علیہ السلام سے قرآنی گواہی سننے کے بعد اپنی کم علمی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے =)

خدا کی قسم! گویا اب تک میں نے قرآنِ خدا میں ان آیات کی قرأت ہی نہیں کی تھی اور نہ ہی اب تک کسی سے سنی تھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً! تم نے اس کو سنا تھا لیکن تم وہ ہو کہ خدا تمہیں اور تمہارے جیسے لوگوں کے بارے فرماتا ہے:

پس! ہمارے بیان موضوع کے مقام میں (ہرگز نہیں!) بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں، جس قدر روشن ہوا بلکہ علمِ قرآن اور اس کے رموز و لطائف اور دقائق، فقط خاندانِ رسالتؐ ہی جانتے ہیں اور یہی ہمارے لئے کافی ہے۔

اَب ہم پلٹتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف۔

حجرِ اسود کیا ہے؟

آلِ محمد علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی حقیقتِ حجر الاسود سے آشنائی نہیں رکھتا اور وہ کچھ جو اس خاندان سے اس کے بارے میں ہم تک پہنچا ہے، بہترین و کامل ترین اطلاعاتِ ممکنہ ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ الْوَلِيدِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الصَّفَّارُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حَسَّانَ الْوَاسِطِيِّ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَثِيرٍ الْهَاشِمِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: مَرَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَى الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ وَ اللهِ يَا حَجَرُ إِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَ لَا تَنْفَعُ إِلَّا أَنَّا رَأَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ يُحِبُّكَ فَنَحْنُ نُحِبُّكَ فَقَالَ لَهُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَيْفَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ فَوَ اللهِ

لَيَبْعَثَنَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَهُ لِسَانٌ وَ شَفَتَانِ فَيَشْهَدُ لِمَنْ وَافَاهُ وَ هُوَ يَمِينُ اللهِ فِي أَرْضِهِ يُبَايِعُ بِهَا خَلْقَهُ فَقَالَ عُمَرُ لَا أَبْقَانَا اللهُ فِي بَلَدٍ لَا يَكُونُ فِيهِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ۔[1]

"ابنِ الخطاب طواف کے وقت حجرِ اسود کے پاس پہنچا اور کہا: اے حجر! خدا کی قسم، ہم جانتے ہیں کہ تُو ایک پتھر سے زیادہ کچھ نہیں اور نہ ہی تُو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی فائدہ، سوائے اس کے کہ ہم نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے محبت کرتے تھے، اس وجہ سے ہم بھی محبت کرتے ہیں۔

مولا علی علیہ السلام نے یہ کلمات سنے تو فرمایا: یہ کیا کلمات ہیں جو تُو کہہ رہا ہے۔ خدا کی قسم، خدائے متعال قیامت کے دن اس پتھر کو مبعوث کرے گا اس حال میں کہ اس کی زبان اور دو لب ہوں گے۔ پس! یہ گواہی دے گا اس کے لئے جس نے اس کے عہد کی وفا کی ہوگی۔ یہ زمین پر اللہ کا ہاتھ ہے کہ اللہ اس کے وسیلے سے اپنی مخلوق سے بیعت (مصافحہ) لیتا ہے۔

عمر نے کہا: خداوند متعال ہمیں اُس شہر میں کہ جس میں علی بن ابی طالب علیہ السلام نہ ہوں، باقی نہ رکھے"۔

ابنِ خطاب کیا جانتا ہے کہ حجر کیا ہے اور اس کی تاریخ کی جڑیں کہاں پر ہیں؟ وہ اس کو فقط ایک پتھر جانتا ہے جو نہ تو فائدہ دیتا ہے اور نہ ہی

۱۔ علل الشرائع = ج ۲، ص ۴۲۶

نقصان۔ اور وہ فقط خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں پڑا ہوا ہے اور لوگ اس پر اپنے ہاتھوں کو ملتے ہیں۔

جی ہاں! یہ علی علیہ السلام ہی ہیں جو اس کی حقیقت کو جانتے ہیں کہ یہ پتھر کیا ہے؟

یہ پتھر مخلوق کے درمیان اللہ کا نمائندہ ہے اور لوگوں کے درمیان اللہ کا ہاتھ ہے۔

وہ اسلام کے خدا نے دین و دنیا اور جامعہ و آخرت کے لوگوں کے لئے وضع کیا ہے اور اس کے متعدد وموکد قوانین ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے = جب دو مومن آپس میں ملتے ہیں تو وہ سلام کہتے وقت آپس میں مصافحہ کرتے ہیں۔ مصافحہ یعنی ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دینا۔

خداوند متعال مومن کے اس عمل کو اس قدر پسند کرتا ہے، روایت میں ہے کہ مصافحہ کرنے والوں کے گناہ جھڑ جاتے ہیں درخت کے اُس پتے کی طرح، جو درخت سے جھڑ جاتا ہے۔

"اصولِ کافی" کے ترجمہ کی چوتھی جلد ص ۲۵۹ میں ایک باب ہے عنوان "باب المصافحة" سے کہ اس باب میں ۲۱ حدیثیں اس عمل کی فضیلت میں ہیں۔

خدا کے اسماء میں سے ایک نام کا مضمون ہے اور سورۂ مبارکہ حشر کی آیت ۲۳ میں آیا ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ

"وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بادشاہ ہے، نہایت پاکیزہ، سلامتی دینے والا، مومن ہے"۔

پس! یہ مومن (یعنی اللہ) پسند کرتا ہے کہ وہ خود بھی مومنین سے مصافحہ کرے۔

حجرِ اسود نمائندۂ خدا ہے

خداوند متعال کی ذات واجب الوجود ہے اور ممکن الوجود سے توافق نہیں رکھتا لہٰذا اس نے امرِ مصافحہ کے تحقق کے لئے موجودات کے درمیان ایک نمائندہ قرار دیا ہے۔

یہی حجرِ اسود ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

هُوَ يَمِيْنُ اللهِ فِيْ أَرْضِهِ يُبَايِعُ بِهَا خَلْقَهُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ الْوَلِيدِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ أَبَانٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ= قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ: طُوفُوا بِالْبَيْتِ وَ اسْتَلِمُوا الرُّكْنَ فَإِنَّهُ يَمِينُ اللهِ فِي أَرْضِهِ يُصَافِحُ بِهَا خَلْقَهُ مُصَافَحَةَ الْعَبْدِ أَوِ الدَّخِيلِ وَ يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهُ بِالْمُوَافَاةِ۔[1]

---

[1] بحار الانوار، الجامعة لدرر اخبار الآئمة الاطهار علیہم السلام = ج ۹۶، ص ۲۲۰

"بیت اللہ کا طواف کرو اور رکن (حجر اسود) کو بوسہ دو کیونکہ اللہ کی زمین میں اللہ کا ہاتھ ہے۔ پس! زمین میں اس کے وسیلے سے اللہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے۔ اگر کوئی سرزدہ وارد ہوگا تو (کل قیامت کے دن یہ حجر اسود) اس کے عہد کی وفا کی جس نے اس کا بوسہ دیا ہوگا، گواہی دے گا"۔

پس! عہد سے وفا کا موضوع حجرِ اسود کے حضور میں اہم جریان رکھتا ہے کہ جو معصومین علیہم السلام کی روایات میں بطور کامل و مبسوط بیان ہوا ہے۔ ہم اس میدان میں ایک طولانی روایت کے ایک حصے کو جو وجود مقدس حضرت صادق علیہ السلام سے وارد ہوئی ہے، اُسے بیان کریں گے جس کو بکیر بن اعین روایت کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: حجرِ اسود اس رُکنِ جہان پر کیوں نصب ہوا ہے؟ اور وہ کسی دوسری جگہ پر نصب کیوں نہیں ہوا؟ اور اس کو بوسہ کیوں دیا جاتا ہے۔۔۔؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے مشکل مسائل سے سوال کیا ہے اور اپنی عقل کو انتہاء تک پہنچا دیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اب غور سے سننا تا کہ خدا کی چاہت کو سمجھ سکو جو مَیں کہتا ہوں۔۔۔۔"۔

خداوندِ متعال کے ساتھ تجدیدِ عہد

وَ أَمَّا الْقُبْلَةُ وَ الاِسْتِلَامُ فَلِعِلَّةِ الْعَهْدِ تَجْدِيْداً لِذٰلِكَ الْعَهْدِ وَ الْمِيثَاقِ وَ تَجْدِيْداً لِلْبَيْعَةِ لِيُؤَدُّوا إِلَيْهِ الْعَهْدَ الَّذِىْ أَخَذَ اللهُ عَلَيْهِمْ فِى الْمِيْثَاقِ فَيَأْتُوهُ فِى كُلِّ سَنَةٍ وَ يُؤَدُّوا إِلَيْهِ ذٰلِكَ الْعَهْدَ وَ الْأَمَانَةَ اللَّذَيْنِ أُخِذَا عَلَيْهِمْ أَلَا تَرَىٰ أَنَّكَ تَقُوْلُ= أَمَانَتِى أَدَّيْتُهَا وَ مِيْثَاقِى تَعَاهَدْتُهُ لِتَشْهَدَ لِى بِالْمُوَافَاةِ وَ وَ اللهِ مَا يُؤَدِّى ذٰلِكَ أَحَدٌ غَيْرُ شِيْعَتِنَا وَ لَا حَفِظَ ذٰلِكَ الْعَهْدَ وَ الْمِيثَاقَ أَحَدٌ غَيْرُ شِيْعَتِنَا وَ إِنَّهُمْ لَيَأْتُوهُ فَيَعْرِفُهُمْ وَ يُصَدِّقُهُمْ وَ يَأْتِيْهِ غَيْرُهُمْ فَيُنْكِرُهُمْ وَ يُكَذِّبُهُمْ وَ ذٰلِكَ أَنَّهُ لَمْ يَحْفَظْ ذٰلِكَ غَيْرُكُمْ فَلَكُمْ وَ اللهِ يَشْهَدُ وَ عَلَيْهِمْ وَ اللهِ يَشْهَدُ بِالْخَفْرِ وَ الْجُحُودِ وَ الْكُفْرِ وَ هُوَ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ مِنَ اللهِ عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَجِىءُ وَ لَهُ لِسَانٌ نَاطِقٌ وَ عَيْنَانِ فِى صُوْرَتِهِ الْأُوْلَى يَعْرِفُهُ الْخَلْقُ وَ لَا يُنْكِرُهُ يَشْهَدُ لِمَنْ وَافَاهُ وَ جَدَّدَ الْعَهْدَ وَ الْمِيْثَاقَ عِنْدَهُ بِحِفْظِ الْعَهْدِ وَ الْمِيْثَاقِ وَ أَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَ يَشْهَدُ عَلَى كُلِّ مَنْ أَنْكَرَهُ وَ جَحَدَ وَ نَسِىَ الْمِيثَاقَ بِالْكُفْرِ وَ الْإِنْكَارِ۔

"اور حجر الاسود کا بوسہ دینا اور اس کے سامنے اظہار خضوع، تجدید عہد اور اللہ کے ساتھ بیعت کی تجدید کرنا کہ ہر سال آئیں گے اور حجر کے پاس (جو فرشتہ امین اور خدا کا نمائندہ ہے زمین میں) وہ عہد جو خدا کے ساتھ کیا ہے اور وہ امانت جو قبول کی (اقرار ربوبیت ورسالت و ولایت) ادا کیا اور اظہار کریں گے

آیا نہیں دیکھتے ہو کہ (حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت) کہتے ہو:

أَمَانَتِي أَدَّيْتُهَا وَ مِيْثَاقِي تَعَاهَدْتُهُ لِتَشْهَدَ لِي بِالْمُوَافَاةِ

"یعنی امانت کو ادا کر دیا اور اپنے عہد کی محافظت کی یہاں تک میرے بارے میں وفاداری کی گواہی دینا"۔

اور خدا کی قسم کسی کا بھی پیمان ادا نہ ہوگا سوائے ہمارے شیعیان کے اور کوئی بھی اس عہد کا حافظ نہیں ہوگا سوائے ہمارے شیعیان کے۔

اور ہمارے ہی شیعیان ہیں کہ جب حجر الاسود کے پاس آتے ہیں تو وہ ان کی وفاداری کو جانتا ہے اور ان کی تصدیق کرتا ہے اور جب کوئی غیر شیعہ اس کے پاس آتا ہے تو وہ اس کا انکار کر کے تکذیب کرتا ہے کہ (خاندانِ عصمتؑ سے منحرفین نے) میثاق کا حفظ نہیں کیا۔

پس خدا کی قسم، حجر الاسود تمہارے لئے تمہارے فائدہ میں گواہی دے گا اور خدا کی قسم، ان کے لئے ان کے ضرر میں گواہی دے گا اور ان کے بارے میں نقض پیمان اور کفر و انکار کی گواہی دے گا"۔

اور وہ ان پر اللہ کی طرف سے حجت بالغہ ہے کہ وہ روزِ قیامت اس حال میں

آئے گا جس طرح پہلی صورت پر تھا۔ (یعنی ایک عظیم فرشتہ کی صورت میں) جس کی دیکھنے والی دو آنکھیں اور بولنے والی زبان ہوگی اور مخلوق اس کو پہچانے گی اور اس کا انکار نہیں کرے گی۔

اس کے بعد ان کے حق میں جنہوں نے وفائے عہد کیا ہوگا، وہ ان کی گواہی کے لئے کھڑا ہوگا۔ اور ان کے حفظ میثاق اور ادائے امانت کی گواہی دے گا اور ان کے بارے میں جنہوں نے پیمان کا انکار کیا ہوگا اور فراموش کیا ہوگا، وہ ان کے کفر اور انکار کی گواہی دے گا"۔

فرمایا = آیا جانتے ہو کہ حجرِ الاسود کیا تھا؟

راوی کہتا ہے: نہیں۔

آپؑ نے فرمایا:

كَانَ مَلَكاً مِنْ عُظَمَاءِ الْمَلَائِكَةِ عِنْدَ اللهِ فَلَمَّا أَخَذَ اللهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ الْمِيثَاقَ كَانَ أَوَّلَ مَنْ آمَنَ بِهِ وَ أَقَرَّ ذَلِكَ الْمَلَكُ فَاتَّخَذَهُ اللهُ أَمِيناً عَلَى جَمِيعِ خَلْقِهِ فَأَلْقَمَهُ الْمِيثَاقَ وَ أَوْدَعَهُ عِنْدَهُ وَ اسْتَعْبَدَ الْخَلْقَ أَنْ يُجَدِّدُوا عِنْدَهُ فِي كُلِّ سَنَةٍ الْإِقْرَارَ بِالْمِيثَاقِ وَ الْعَهْدِ الَّذِي أَخَذَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَيْهِمْ۔

"یہ اللہ کے عظیم فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا۔ جب ملائکہ سے پیمان لیا گیا (یہاں پر مقصود از پیمان اقرارِ ربوبیت و نبوت اور ولایت امیر المؤمنینؑ ہے کہ بعد والی حدیث کے جملوں میں اس کی تصریح ہوئی ہے) اور فرشتوں میں سب سے پہلے جو ایمان لایا یہی فرشتہ تھا۔

لہٰذا اللہ نے اس کو تمام مخلوق پر امین قرار دیا اور دوسری مخلوق سے جو پیمان لیا، اسی کو بطورِ امانت سپرد کیا اور لوگوں کو موظف کیا کہ وہ ہر سال اس کے سامنے حاضر ہوں اور اس میثاق و پیمان کی نسبت جو اللہ نے ان سے کیا، اس کی تجدید کریں اور مجدداً عہد کریں"۔

پس! اس وقت خدا نے اس فرشتے کو جنّت میں اَنیسِ آدم قرار دیا اور اس کو ہمیشہ متذکرِ میثاق قرار دیتا یہاں تک کہ حادثہ ترکِ اولیٰ، آدم علیہ السلام کے لئے پیش آیا اور جنت سے نکالا گیا تو زمین میں حیران و سرگردان اور بے مونس تھا۔ جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو خدا نے اسی فرشتے کو ایک سفید دُرّ میں نیچے اُتارا۔

حضرت آدم علیہ السلام اس کو دیکھتے ہی خوشحال ہو گئے لیکن اس سے پہلے کہ یہ ایک سفید گوہر ہے، کسی دوسرے عنوان سے اسے نہیں جانتے تھے۔

پس! امرِ خدا سے اپنی پہلے والی صورت میں پلٹا اور آدم علیہ السلام سے اپنا کو تعارف کروایا اور اسے اپنے میثاق کی یاد دلائی۔

اس کے بعد کہ آدم علیہ السلام نے اسے پہچانا، گریہ کرتے ہوئے اس کے پاس گئے اور اس کا بوسہ دیا اور تجدیدِ عہد کی۔ اور پھر سے خدا نے اسے بصورت سفید دُرّ اور جوہرِ درخشاں میں تبدیل کر دیا۔

اس کے بعد آدم علیہ السلام اس کو تعظیماً اپنی پشت پر اٹھاتے تھے اور اس سے انس لیتے تھے اور ہر سال اس آسمانی گوہر کے سامنے اپنے میثاق کا عہد کرتے اور اس کو بوسہ دیتے تھے۔ جب کعبہ بنایا گیا تو خدا کے امر سے وہ سفید موتی اسی مکان میں جہاں پر اس وقت موجود ہے، رُکنِ شرقی کعبہ میں نصب ہوا کیونکہ وہ جگہ کہ جہاں پر

خدا نے اولادِ آدم سے عہد لیا، یہی جگہ تھی۔

اور یہی مکان تھا کہ لوگوں سے لیا ہوا میثاق امانتاً اس فرشتے امینِ خدا کے سپرد ہوا اور اسی مکان سے جبرئیلؑ امامِ زمانہ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور امام زمانہ علیہ السلام کی بیعت کریں گے اور یہی مکان ہے کہ جہاں یہ بزرگوار ٹیک لگا کر فرمائیں گے:

فَإِنَّ اللهَ أَوْدَعَهُ الْمِيْثَاقَ وَ الْعَهْدَ دُوْنَ غَيْرِهٖ مِنَ الْمَلَائِكَةِ لِأَنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَمَّا أَخَذَ الْمِيْثَاقَ لَهُ بِالرُّبُوْبِيَّةِ وَلِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ بِالنُّبُوَّةِ وَ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْوَصِيَّةِ اِصْطَكَّتْ فَرَائِصُ الْمَلَائِكَةِ فَأَوَّلُ مَنْ أَسْرَعَ إِلَى الْإِقْرَارِ ذٰلِكَ الْمَلَكُ لَمْ يَكُنْ فِيْهِمْ أَشَدُّ حُبّاً لِمُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ مِنْهُ فَلِذٰلِكَ اِخْتَارَهُ اللهُ مِنْ بَيْنِهِمْ وَ أَلْقَمَهُ الْمِيْثَاقَ وَ هُوَ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَهُ لِسَانٌ نَاطِقٌ وَ عَيْنٌ نَاظِرَةٌ يَشْهَدُ لِكُلِّ مَنْ وَافَاهُ إِلَى ذٰلِكَ الْمَكَانِ وَ حَفِظَ الْمِيْثَاقَ۔ [1]

"بیشک! خدا نے میثاق و عہد فرشتوں کے درمیان اس فرشتے کو سونپا اس جہت سے کہ خداوند نے ملائکہ سے چاہا کہ اس کی ربوبیت اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور علی علیہ السلام کی وصایت کا اقرار کریں۔ ایک اضطراب (تکلیف کی سنگینی کی وجہ سے) پیدا ہوا۔ پس! پہلا ملک کہ جس نے اقرار کیا وہ یہی فرشتہ تھا۔

اور فرشتوں میں سے کوئی بھی فرشتہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد علیہم السلام سے اس

[1] الکافی = ج ۴، ص ۱۸۴، الجزء الرابع ۔ كِتَابُ الْحَجِّ. بَابُ بَدْءِ الْحَجَرِ وَ الْعِلَّةِ فِي اِسْتِلَامِهٖ

شدت کے ساتھ محبت نہیں کرتا جتنی یہ فرشتہ محبت کرتا ہے۔

اللہ نے اسی وجہ سے ملائکہ کے درمیان اس کو چُن لیا اور مخلوق کے پیمان اس کے سپرد کئے۔

وہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ بولنے والی زبان اور دیکھنے والی آنکھیں رکھتا ہوگا اور گواہی دے گا اس کے لئے جو اس مکان میں (محل نصب حجر اسود) حاضر ہوا اور تجدید عہد کی اور اپنے پیمان کا وفادار تھا"۔

=====❖=====

حجرِ اَسود امام علیہ السلام کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے

ہم نے کہا حجر الاسود اللہ کے ملائکہ میں سب سے بڑا مَلک تھا کہ روزِ میثاق۔

"کہ اللہ نے اپنی مخلوق سے اپنی الوہیت اور آخری نبیؐ کی رسالت اور مولیٰ الموحدین امیر المؤمنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولایت و امامت کا عہد لیا۔ "اس پر شاہد ہوا اور جو بھی اس گوہر کے ساتھ بوسہ (یا مصافحہ) کرتا ہے کل قیامت کے دن وہ گواہی دے گا کہ عالمِ دنیا میں اس کے حضور میں اس نے تجدید عہد و میثاق کیا تھا۔

یہ مَلک بزرگ بھی مثلِ باقی ملائکہ امام علیہ السلام کے مقام کا عارف ہے کیونکہ تمام ملائکہ نے اپنے رُتبے اور درجے اور اعتبار و اہمیت آئمہ علیہم السلام سے لئے ہیں۔ ان سچے پیشواؤں نے عالمِ وجود کے مامورین پر من جملہ ملائکہ کو تعیین کیا اور دستخط کئے اور یہ بحث معمولاً شبِ قدر کی راتوں میں بیان ہوتی ہے کہ ملائکہ بھی محتاط ہیں کہ ان کے اوامر کو جامہ عمل پہنائیں کہ بغیر اس کے کہ تھوڑی سی بھی دیر کریں یا چوں چرا کو راہ دیں۔

اسی طرح جانتے ہیں کہ فرشتگان، اجسامِ لطیفیہ اور نورانیہ الٰہیہ ہیں کہ اگر خدا چاہے تو ان کو بصورت مادی بھی ظاہر کرتا ہے (جیسے یہی حجر الاسود)۔

وہ مشکل کاموں پر تصرف رکھتے ہیں اور طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ عقل و فہم بھی رکھتے ہیں۔ ان کی جگہ آسمان میں یا پھر زمین میں (جیسے کچھ ملائکہ جو موکل حرمِ مطہر

سالارِ شہداء ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام ہیں) ہے۔ اللہ کے نزدیک ان کا درجہ متفاوت ہے۔ جس طرح خداوند متعال انہی کے زبان سے فرماتا ہے:

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۔[1]

"اور (ملائکہ کہتے ہیں =) ہم میں سے ہر ایک کیلئے مقام مقرر ہے"۔

اکثر مسلمین نے اس قول کو قبول کیا ہے (اور ان کہ اس قول کو قبول کرنا ہی چاہیے کیونکہ) اخبار بھی اس پر دلالت کرتی ہیں اور ان پر ایمان واجب ہے۔

جس طرح اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۔[2]

"رسولؐ اس کتاب پر ایمان رکھتا ہے جو اس پر اس کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور سب مومنین بھی، سب اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں"۔

تیسری دعا صحیفہ سجادیہ علیہ السلام سے جو نسبتاً مفصل ہے کہ اس میں امام سجاد علیہ السلام بعض ملائکہ کے مقامات اور ماموریت بیان فرمارہے ہیں اور وہ دعا ان جملوں سے شروع ہورہی ہے:

اَللّٰهُمَّ وَ حَمَلَةُ عَرْشِكَ الَّذِيْنَ لَا يَفْتُرُوْنَ مِنْ تَسْبِيْحِكَ وَ لَا يَسْأَمُوْنَ مِنْ تَقْدِيْسِكَ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِكَ وَ لَا

۱۔ سورہ الصافات = آیت ۱۶۴

۲۔ سورہ البقرۃ = آیت ۲۸۵

يُؤْثِرُوْنَ التَّقْصِيْرَ عَلَى الْجِدِّ فِيْ أَمْرِكَ وَ لَا يَغْفُلُوْنَ عَنِ الْوَلَهِ إِلَيْكَ۔

"بارالہا! وہ جو تیرے عرش کے عہدیدار ہیں، وہ ہیں جو ایک لحظہ کے لئے تیری تسبیح سے غفلت نہیں کرتے اور تیری تقدیس سے خستہ نہیں ہوتے اور تیرے سامنے تیری عبادت سے تنگ نہیں ہوتے اور تیرے امر پر کوتاہی کو جدیت پر ترجیح نہیں دیتے اور تیری طرف آتے ہوئے غافل نہیں ہوتے"۔

ملائکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آلِ محمد علیہم السلام کے مقام کے عارف ہیں

جی ہاں! تمام ملائکہ واسطہ بین خالق و مخلوق یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد علیہم افضل صلوات المصلین کے مقام والا کے عارف ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا:

يَا عَلِيُّ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى فَضَّلَ أَنْبِيَاءَهٗ وَفَضَّلَ أَنْبِيَاءَهُ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى مَلَائِكَتِهِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَ فَضَّلَنِيْ عَلٰى جَمِيْعِ النَّبِيِّيْنَ وَ الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْفَضْلُ بَعْدِيْ لَكَ يَا عَلِيُّ وَ الْأَئِمَّةَ مِنْ بَعْدِكَ وَ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَخُدَّامُنَا وَ خُدَّامُ مُحِبِّيْنَا۔

"یا علی علیہ السلام! اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو برتری دی اور انبیائے مرسل کو اپنے مقرب ملائکہ پر تقرب دیا اور مجھے تمام انبیاء اور مرسلین پر فضیلت دی اور فضل وتفوق میرے بعد تمہارے لئے ہے یا علی علیہ السلام

اور تیرے بعد آئمہ علیہم السلام کے لئے ہے۔ بیشک ملائکہ ہمارے اور ہمارے شیعیان کے خدام ہیں"۔

اور بعد کے مطالب:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے ملائکہ کے عالمِ انوار میں تعلیم دینے کے بیان میں فرمایا:

فَبِنَا اهْتَدَوْا إِلَى مَعْرِفَةِ تَوْحِيدِ اللهِ وَ تَسْبِيحِهِ وَ تَهْلِيلِهِ وَ تَحْمِيدِهِ وَ تَمْجِيدِهِ ثُمَّ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ آدَمَ فَأَوْدَعَنَا صُلْبَهُ وَ أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ بِالسُّجُودِ لَهُ تَعْظِيماً لَنَا وَ إِكْرَاماً وَ كَانَ سُجُودُهُمْ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ عُبُودِيَّةً وَ لِآدَمَ إِكْرَاماً وَ طَاعَةً لِكَوْنِنَا فِي صُلْبِهِ فَكَيْفَ لَا نَكُونُ أَفْضَلَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ۔[1]

"ملائکہ نے ہمارے وسیلے سے توحید اور تسبیح وتہلیل اور تحمید وتمجید کی، خدا کی طرف ہدایت پائی، پھر اس وقت خدا نے آدم علیہ السلام کو خلق کیا اور ہمارے نورِ وجودی کو اس کے صلب میں رکھا اور پھر ملائکہ کو حکم دیا کہ اسے سجدہ کریں (یہ نہ ہوتا مگر) ہمارے احترام کی وجہ سے اور ان کا سجدہ خدا کے امر کی وجہ سے تھا کہ ہمارے انوار اس کی صلب میں تھے، پھر کس طرح نہ ہو کہ ہم ملائکہ سے افضل نہ ہوں"۔

تمام ملائکہ مقرب وغیر مقرب اپنے امامؑ وقت کے حکم کے تابعدار ہیں اور اپنی

ا۔ طوالع الانوار=ص۱۰۶، طبع ۷ ۱۳۲۳ق

ماموریت کو انہی کے حکم سے انجام دیتے ہیں۔

اسی زمینے کے اثبات کے لئے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو مرحوم مقدس اردبیلی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

قضیہ یہ ہے کہ صفوان بن یحییٰ کہتا ہے کہ مَیں نے عبدی کوفی سے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا:

"میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم حج پر جاتے تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں جا کر بہت بڑی سعادت حاصل کر لیتے لیکن افسوس کہ اُنؑ کے دیدار کے فیض سے محروم رہ گئے۔

میں نے اس سے کہا: خدا کی قسم، وضیعت مالی خراب ہے اور میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔

اُس نے مجھ سے کہا: میرے پاس کچھ قیمتی کپڑے ہیں، ان کو لے جا کر بیچ آؤ تا کہ اپنے سفر کے لئے کچھ پیسے جمع کر سکیں۔

پس! میں نے یہی کام کیا اور ہمارے لئے سفر کے لوازم مہیّا ہو گئے اور ہم چل پڑے۔ جیسے ہی مدینے کے نزدیک پہنچے تو میری بیوی کی حالت خراب ہوگئی اور موت کے منہ میں چلی گئی۔ پس! مَیں نے ایک کمرہ لیا اور اُس کو اِس میں چھوڑا اور خود امام علیہ السلام کی بارگاہ میں شرفیاب ہوا۔

امام علیہ السلام نے میری بیوی کے حال کا سوال کیا تو میں نے عرض کیا کہ وہ حالت احتضار میں ہے اور اسے رہا کر دیا اور آپؑ کی خدمت میں آ گیا ہوں شاید کہ وہ اب تک دنیا سے بھی چل بسی ہو۔

امام علیہ السلام نے تھوڑی دیر تامل کیا اور پھر فرمایا:

اے عبدی! کیا اپنی بیوی کے حال پر ناراحت ہو؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں! ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آپؑ نے فرمایا: غمگین نہ ہو کہ اللہ نے اسے شفا دی ہے اور جاؤ جو کمرہ تم نے لیا ہے، وہاں پر اُسے دیکھو گے تو وہ تبرزد (شیرہ کی قسم ہے) کھانے میں مشغول ہوگی۔

پس! جب گھر گیا تو دیکھا کہ چھوٹی کنیز اسے تبرزد کھلا رہی ہے۔

میں نے اس سے حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ جب تم گئے مَیں نے خود کو حالتِ موت میں دیکھا اور ملک الموت میری روح قبض کرنے کے لئے آ گیا۔ اچانک مَیں نے ایک شخص کو ملاحظہ کیا اور انہوں نے مجھ سے فرمایا: تمہاری حالت کیسی ہے؟

میں نے عرض کیا: ملک الموت میری رُوح قبض کرنے کے لئے آیا ہے۔

اور انہوں نے فرمایا: اے ملک الموت!

اس نے جواب دیا: لَبَّيْكَ أَيُّهَا الْإِمَامُ!

انہوں نے فرمایا:

أَلَسْتَ أُمِرْتَ بِالسَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ لَنَا۔

"کیا اللہ نے تمہیں حکم نہیں دیا کہ ہمارے امر کی اطاعت کرو"۔

ملک الموت نے جواب دیا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

فَإِنِّي آمُرُكَ أَنْ تُؤَخِّرَ أَمْرَهَا عِشْرِيْنَ سَنَه۔

"پس میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ بیس سال اسے مزید مہلت دو"۔

اس نے کہا: "سَمْعاً وَ طَاعَتاً"۔

"مَیں نے سنا اور جان سے اطاعت کروں گا"۔

اس کے بعد دونوں مجھ سے چلے گئے۔

اس عورت نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی تمام نشانیاں دیکھی ہوئی تھیں اور اس مرد نے تصدیق کی اور اس بات کا اظہار کیا کہ اس وقت جب آپؑ تامل کر رہے تھے تو اللہ سے تیری شفاء مانگ رہے تھے اور ملک الموت سے گفتگو میں تھے"۔[1]

تمام ملائکہ آئمہ علیہم السلام کو جانتے ہیں اور اپنی وسعت کے اندازے کے مطابق ان کے مقام کے عارف ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا أُسْرِيَ بِي إِلَى السَّمَاءِ مَا مَرَرْتُ بِمَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا سَأَلُوْنِي عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّ اِسْمَ عَلِيٍّ فِي السَّمَاءِ أَشْهَرُ مِنْ اِسْمِي۔[2]

"جب مجھے آسمان کی سیر کرائی گئی تو مَیں فرشتوں کے کسی بھی گروہ سے نہیں گزرتا تھا مگر یہ کہ وہ مجھ سے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے

1۔ حدیقۃ الشیعۃ = ص ۵۶۷

2۔ بحار الانوار، الجامعۃ لدرر اخبار الأئمۃ الأطہار علیہم السلام = ج ۲۶، ص ۳۰۵

میں سوال کرتے تھے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ بیشک! علی علیہ السلام کا نام آسمان میں میرے نام سے بھی زیادہ مشہور ہے"۔

یہ نورانی روایت، معرفت وشناختِ فرشتگان کو آئمۂ ہدیٰ کی نسبت پہنچاتی ہے۔

اور زیارتِ جامعہ کبیرہ اور دوسری زیاراتِ معتبرہ میں ان ذوات مقدسہ سے **مُخْتَلَفَ الْمَلَائِكَةِ** یعنی محل آمد وشدِ ملائکہ تعبیر ہوا ہے

باتوجہ جو آیات واخبار کے استناد پر کہا گیا! بیشک امامؑ اللہ کے حکم کی اطاعت کی جہت سے اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کی جہت سے اللہ کے گھر کا طواف اور حجر کو بوسہ دیتے ہیں۔

یہ ایک فقہی حکم ہے جس کو تمام واجد الشرائط من جملہ آئمہ معصومین علیہم السلام انجام دیتے ہیں لیکن باطن امر میں حجر الاسود جو ایک مَلک (فرشتہ) ہے اور اپنے زمانے کے امامؑ کی معرفت سے آشنا ہے، وہ مشتاق ہے کہ امام علیہ السلام وحجت خدا کے ہاتھ کا بوسہ دے اور ہر بار اپنے عہد ومیثاق کی تجدید کرے اور لوگوں سے امام علیہ السلام کے لئے بیعت لیکر اور اپنی بیعت کو امام علیہ السلام سے تجدید کرے اور جتنی بیعت ہوئی ہے، اس کی شہادت دے۔

=====❖=====

امامِ سجاد علیہ السلام اور ہشام وفرزدق

جب ہشام بن عبد الملک بن مروان کعبہ کی زیارت کے لئے آیا تو کثرتِ اژدھام کی وجہ سے حجر الاسود کا بوسہ نہ دے سکا۔ ایک تخت اس کے لئے مسجد میں لگایا گیا اور وہ اس پر بیٹھا اور طوافِ حجاج کو دیکھ رہا تھا۔

اسی اثنا میں امام سجاد علیہ السلام چہرۂ نورانی وملکوتی مشغولِ طواف تھے اور جب بھی آپ کنارِ حجر کے قریب پہنچتے تو لوگ اُنؑ کے احترام میں ایک طرف ہوجاتے تھے تا کہ امام بزرگوارؑ استلام حجر کریں۔

اہل شام میں سے ایک شخص نے ہشام سے پوچھا: مَنْ هُوَ۔ یہ کون ہے؟

قَالَ هِشَامٌ لَا أَعْرِفُهُ۔

"ہشام نے کہا: میں نہیں جانتا"۔

اس نے کہا: لٰكِنِّي أَنَا أَعْرِفُهُ۔ "میں جانتا ہوں"۔

شامی مرد نے کہا: اُسے کیسے جانتے ہو؟

فرزدق نے فی البدیہہ امام علیہ السلام کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا اور یہ قصیدہ بنا بر نقل ابنِ شہر آشوب ج ۴ ص ۱۶۹ میں اکتالیس بیت کا ہے لیکن ہم یہاں پر صرف اس کے تین بیت جو ہماری بحث سے مناسبت رکھتے ہیں، بیان کریں گے۔

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ
وَ الْبَیْتُ یَعْرِفُهُ وَ الْحِلُّ وَ الْحَرَمُ
لَوْ یَعْلَمُ الرُّکْنُ مَنْ قَدْ جَاءَ یَلْثِمُهُ
لَخَرَّ یَلْثِمُ مِنْهُ مَا وَطِئَ الْقَدَمُ
یَکَادُ یُمْسِکُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهِ
رُکْنُ الْحَطِیْمِ إِذَا مَا جَاءَ یَسْتَلِمُ

"یہ آقا وہی ہیں جن کو سرزمین مکہ جانتی ہے، اور جانتی ہے کہ یہ کون ہیں جس نے اس پر قدم رکھا ہے۔کعبہ اس کی معرفت رکھتا ہے اور حرم وخارج اس کی معرفت رکھتے ہیں، اگر حجر الاسود جانتا کہ کون ہے کہ جو اس کی طرف آرہا ہے تو وہ اس کے بوسے لیتا اور زمین پر گر کر اس کے پاؤں کے بوسے دیتا (خداوند نے حجر کے اس تواضع کو لوگوں سے مخفی رکھا ہے)۔نزدیک ہے رُکنِ حطیم بوسے کے وقت اسے لے اور اپنے پاس محفوظ رکھے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کون سا ہاتھ ہے جو اس کا بوسہ دے رہا ہے"۔

ارتباطِ امام علیہ السلام اور بیت (شعر):۔

آج حجت کبریٰ الٰہی مخلوق کے درمیان وجود مقدس حضرت بقیۃ اللہ الاعظم حجۃ ابن الحسن المہدی روحی وأرواح العالمین لتراب مقدمہ الفداء ہیں کہ ہر سال حجر الاسود افتخار دست بوسی رکھتا ہے اور اس دن کی اُمید ہے کہ وہ دن آن پہنچے اور ہم بھی کعبۃ القلوب کے حضور اپنے نا قابل ہاتھ بیعت کیلئے ان کی طرف دراز کریں اور ہمیشہ اپنے سران کے نورانی قدموں پر رکھیں۔ان شاءاللہ۔

فصلِ ششم

مشیّت اور حملہ

مشیتِ خدااور مشیتِ امام علیہ السلام

قال مولانا العباس علیہ السلام:

....وَ لَو لَم تَکُن مَشِیَّةُ مَولَایَ مَجبُولَةً مِن مَشِیَّهِ الرَّحمٰنِ،
لَوَقَعتُ عَلَیکُم کَالسَّقرِ الغضبانِ عَلٰی عَصَافِیرِ الطَّیرَانِ.
اَتُخَوِّفُونَ قَوماً یَلعَبُ بِالمَوتِ فِی الطُّفُولِیَّةِ فَکَیفَ کَانَ فِی
الرُّجُولِیَّةِ؟ وَلَفَدَیتُ بِالهَامَاتِ لِسَیِّدِ البَرِیَّاتِ دُونَ
الحَیوَانَاتِ....

"اللہ کی مشیت میرے مولاؑ کی مشیت ہے اور میرے مولاؑ کی مشیت اللہ کی مشیت ہے، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تم پر اس طرح حملہ کرتا جیسے کہ عقاب غضبناک ہو کر اُڑتا ہوا چڑیوں پر حملہ کرتا ہے اور تم کو چیر پھاڑ دیتا۔ کیا تم ایسے لوگوں کو ڈراتے ہو جو بچپن ہی سے موت سے کھیلتے ہوں اور کیا عالم ہوگا ان کی بہادری کا جب کہ وہ عالم شباب میں ہوں؟

میں قربان کر دوں اپنا سب کچھ اپنے مولاؑ پر جو کہ اس پوری کائنات پر بسنے والے انسانوں اور حیوانوں کے سردار ہیں۔۔۔"

مشیتِ خدااور مشیتِ امام علیہ السلام:۔

آیات واحادیث، بابِ مشیتِ پروردگار میں بہت زیادہ ہیں۔ کتاب توحید شیخ صدوق باب ۵۵ "باب المشیة والإرادة" میں تیرہ احادیث ہیں۔ اور اصولِ کافی جلد اوّل ص ۱۵۰ "باب المشیة و الإرادة"، میں چھ احادیث ہیں۔ اور کتاب بحار الانوار جلد چہارم وپنجم "باب القضاء والقدر والمشیة" میں اور کچھ بعض مجلدات میں بطورِ متفرقہ احادیث بابِ مشیت میں بیان کی گئی ہیں

"مشیت" لغت میں ارادہ اور چاہنے کے معنی میں ہے اور روایات اسلامی میں ارادہ ومشیت خدا کے ایک ہونے سے تصریح ہوا ہے۔ اور اللہ کی مشیت وہی ارادہ اور ارادۂ خدا وہی فعل خدا ہے۔

مشیت کے ارتباط میں بہت زیادہ روایات ہیں کہ ان کو اس صورت میں جمع کیا جاسکتا ہے۔

الف: مشیّت، محدث ہے:۔

ایک راز روایات سے "مشیّت" کو موجود جانتے ہیں یعنی مخلوق۔ محمد بن مسلم، امام جعفر صادق علیہ السلام سے قول نقل کرتا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

عَن مُحَمَّدِ بنِ مُسلِمٍ عَن أَبِي عَبدِ اللّٰهِ عَلَیهِ السَّلَامُ قَالَ:
اَلمَشِیَّةُ مُحدَثَةٌ۔[1]

"مشیّت محدث (ایجاد ہوئی) ہے"۔

۱۔ التوحید= ج۱، ص۳۳۶، باب المشیئة والارادة

ب: مشیت تمام موجودات سے پہلے خلق ہوئی ہے:۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

خَلَقَ اللهُ الْمَشِيَّةَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ.[1]

"اللہ نے مشیت کو ہر چیز سے پہلے خلق کیا"۔

ج: تمام اشیاء کو مشیت سے اور مشیت کو اپنے نفس پر خلق کیا ہے:۔

جو بند "ب" میں ذکر ہوا ہے اس روایت کے ادامے میں فرمایا:

..ثُمَّ خَلَقَ الْأَشْيَاءَ بِالْمَشِيَّةِ..[2]

"اس کے بعد اشیاء کو مشیت کے وسیلے سے خلق کیا"۔

ابن اذینہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

خَلَقَ اللهُ الْمَشِيَّةَ بِنَفْسِهَا ثُمَّ خَلَقَ الْأَشْيَاءَ بِالْمَشِيَّةِ.[3]

"خداوند نے مشیت کو اپنے نفس سے خلق کیا اور اس کے بعد اشیاء کو مشیت کے وسیلے یا مشیت سے خلق کیا"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا كَانَ وَلَا يَكُونُ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيَّتِهِ.[4]

"کوئی چیز نہ تھی نہ ہی ہوگی مگر مشیت سے"۔

1۔ بحار الانوار= ج ۴، ص ۱۴۵، ح ۱۹

2۔ بحار الانوار= ج ۴، ص ۱۴۵، ح ۱۹

3۔ التوحید= ص ۱۴۸

4۔ بحار الانوار= ج ۵۴، ص ۱۰۴، ح ۸۷

امیر المؤمنینؑ نے مسجد کوفہ میں خطبہ پڑھا، اس کے ضمن میں فرمایا:

وَإِنَّمَا صَدَرَتِ الْأُمُورُ عَنْ مَشِيَّتِهِ.[1]

"بیشک! تمام امور کے صدور کی منشاء اس کی مشیت سے ہے"۔

صادرِ اول:۔

بہت زیادہ روایات میں (کہ جس کی تعداد کم نہیں ہے) آیا ہے کہ حکیم علی الاطلاق نے اول موجود کہ جس کو خلق کیا، وہ نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آلِ محمد علیہم السلام تھا اور پھر اس کے بعد تمام موجودات کو ان کے انوار مقدسہ سے خلق کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا سَلْمَانُ إِنَّ اللهَ خَلَقَنِي اللهُ مِنْ صَفْوَةِ نُورِهِ وَدَعَانِي فَأَطَعْتُ وَخَلَقَ مِنْ نُورِي عَلِيّاً فَدَعَاهُ فَأَطَاعَهُ، وَخَلَقَ مِنْ نُورِي وَنُورِ عَلِيٍّ فَاطِمَةَ فَدَعَاهَا فَأَطَاعَتْهُ، وَخَلَقَ مِنِّي وَمِنْ عَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ، الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَدَعَاهُمَا فَأَطَاعَاهُ. فَسَمَّانَا بِالْخَمْسَةِ الْأَسْمَاءِ مِنْ أَسْمَائِهِ: اللهُ الْمَحْمُودُ وَأَنَا مُحَمَّدٌ، وَاللهُ الْعَلِيُّ وَهٰذَا عَلِيٌّ وَاللهُ فَاطِرٌ وَهٰذِهِ فَاطِمَةُ، وَاللهُ ذُو الْإِحْسَانِ وَهٰذَا الْحَسَنُ، وَاللهُ الْمُحْسِنُ وَهٰذَا الْحُسَيْنُ ثُمَّ خَلَقَ مِنَّا وَمِنْ صُلْبِ الْحُسَيْنِ تِسْعَةَ أَئِمَّةٍ فَدَعَاهُمْ. فَأَطَاعُوهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ اللهُ سَمَاءً مَبْنِيَّةً وَأَرْضاً مَدْحِيَّةً، أَوْ هَوَاءً أَوْ مَلَكاً أَوْ مَاءً أَوْ بَشَراً.....[2]

1۔ بحار الانوار= ج ۵۴، ص ۱۰۸، ح ۹۰

2۔ بحار الانوار= ج ۱۵، ص ۹، ح ۹

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمانؓ سے فرمایا: اے سلمانؓ! اللہ عزوجل نے مجھے اپنے صفائے نور سے (بعض روایات میں ہے کہ نورِ عظمت سے) خلق کیا اور مجھے بلایا تو میں نے اطاعت کی

اور میرے نور کے بعد میرے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور سے علی علیہ السلام کو خلق کیا اور اس کو بلایا تو اس نے بھی خدا کی اطاعت کی۔

اس کے بعد میرے اور علی علیہ السلام کے نور سے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو خلق کیا اور اسے بلایا، پس اس نے بھی خدا کی اطاعت کی۔

اس کے بعد میرے، علی علیہ السلام اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نور سے نور حسنین علیہم السلام کو خلق کیا اور ان دونوں کو بھی دعوت کی تو انہوں نے اجابت کی۔

پھر ہمارے اسماء کو اپنے پانچ اسماء سے رکھا = اللہ محمود ہے اور میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ اللہ علی ہے اور اس (علی علیہ السلام) کا نام بھی علی ہے۔ خدا فاطر ہے اور یہ (میری بیٹی) فاطمہ سلام اللہ علیہا ہے۔ خدا صاحبِ احسان ہے اور یہ (میرا بیٹا) حسن علیہ السلام ہے۔ اور خدا محسن ہے اور یہ (میرا دوسرا بیٹا) حسین علیہ السلام ہے۔ اس وقت ہمارے نور سے اور وہ بھی صلب حسین علیہ السلام سے دوسرے نو (۹) امام خلق کئے اور اُن کو بلایا تو انہوں نے اجابت کی۔ (یہ جریانات) اس سے پہلے (تھے) کہ آسمان بنا ہو اور زمین بچھائی جائے اور یا ہوا یا پانی یا ملک یا بشر کو خلق کیا ہو۔

ہر موجود کی خلقت کس نور سے ہے؟:۔

دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ہر موجود کی خلقت ان انوارِ طیبہ میں کس میں سے ہے"۔

..فَتَقَ نُورِی فَخَلَقَ مِنْهُ الْعَرْشَ...ثُمَّ فَتَقَ نُورَ أَخِي عَلِيٍّ فَخَلَقَ مِنْهُ الْمَلَائِكَةَ...ثُمَّ فَتَقَ نُورَ اِبْنَتِي فَاطِمَةَ فَخَلَقَ مِنْهُ اَلسَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ....ثُمَّ فَتَقَ نُورَ وَلَدِیَ الْحَسَنِ فَخَلَقَ مِنْهُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ...ثُمَّ فَتَقَ نُورَ وَلَدِیَ الْحُسَيْنِ فَخَلَقَ مِنْهُ الْجَنَّةَ وَ الْحُورَ الْعِينَ....)۔[1]

"میرے نور کو شگاف کیا اور اس سے عرش کو خلق کیا۔ اس کے بعد میرے بھائی علی علیہ السلام کے نور کو شگاف کیا اور اس سے ملائکہ خلق کئے۔ اس کے بعد میری بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نور کو شگاف کیا۔ اس سے آسمان و زمین خلق کئے۔ اس کے بعد حسن علیہ السلام کے نور کو شگاف کیا اور اس سے سورج اور چاند کو خلق کیا۔ اس کے بعد میرے بیٹے حسین علیہ السلام کے نور کو شگاف کیا اور اس نور سے جنت اور حور العین کو خلق کیا"۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی۔[2]

"اللہ نے سب سے پہلے موجود جو خلق کی، وہ میرا نور تھا"۔

۱۔ بحارالانوار = ج ۱۰، ص ۱۵، ح ۱۱

۲۔ بحارالانوار، الجامعۃ لدرر اخبار الأئمۃ الأطہار علیہم السلام = ج ۵۴، ص ۱۷۰

د: مشیت کا حقیقتِ نوریہ کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلِ محمد علیہم السلام کے ساتھ ایک ہونا:۔

توجہ کے ساتھ جو روایات باب اخیر (مشیت) ذکر ہوئی، امام علیہ السلام نے ان کو پہلی مخلوق قرار دیا اور اسی طرح روایات ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلِ محمد علیہم السلام کو اولین مخلوق کہتی ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان دونوں حقیقتوں کے درمیان یگانگی موجود ہے اور روایات سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے ایک مفصل خطبے کے ضمن میں آئمہ علیہم السلام کے بارے میں فرمایا:

(..فَهُمْ خَاصَّةُ اللهِ.. وَ قُدْرَةُ الرَّبِّ وَ مَشِيَّتُهُ...)۔[1]

"وہ خاصۂ خدا اور قدرتِ پروردگار اور اس کی مشیت ہیں"۔

دوسری روایت میں آیا ہے:

نَحْنُ مَشِيَّةُ اللهِ۔[2]

"ہم ہی اللہ کی مشیت ہیں"۔

ایسی روایات سے حاصل ہوتا ہے کہ مشیت سے مراد حقیقتِ خود اور ان کا نور ہے۔

ھ: ذواتِ مقدسہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلِ محمد علیہم السلام وعائے مشیتِ پروردگار ہیں:۔

وعاء لغت میں ظرف کو کہتے ہیں "وعاء مشیت" یعنی ظرفِ مشیت ہیں۔

مراد یہ ہے کہ جو بھی خدا چاہے (خدا کی چاہت) اس ظرف میں موجود ہے۔

1۔ مشارق انوار الیقین فی اسرار امیر المؤمنینؑ = ص ۱۱۷

2۔ ولایۃ کلیۃ، میر جہانی = ص ۳۶۳

تمام خدا کی چاہتوں کو پھر وہ تکوینی ہوں یا تشریعی، خداوندِ متعال کو صرف یہی ذواتِ مقدسہ جانتی ہیں اور بس۔

ان کی چاہت عین خدا کی چاہت ہے اور اللہ کی چاہت عین ان کی چاہت ہے۔

امام حسین علیہ السلام اپنے قنوت میں اس طریقہ سے خدا کو پکارتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ مِنْكَ الْبَدْءُ وَلَكَ الْمَشِيَّةُ... جَعَلْتَ قُلُوبَ أَوْلِيَائِكَ مَسْكَناً لِمَشِيَّتِكَ وَ مَكْمَناً لِإِرَادَتِكَ...[1]

"اے میرے اللہ! ابتداء بھی تجھ سے ہے اور مشیت بھی تیرے لئے ہے اور تُو نے اپنے اولیاء کے قلوب کو مسکنِ مشیت اور اپنے ارادہ کا مکان قرار دیا"۔

پس! وجودِ مقدس حضراتِ معصومین علیہم افضل صلوات المصلین ظرفِ مشیت اور تیرا ارادہ ہیں۔ اس معنی میں کہ اگر کوئی چاہے کہ وہ جانے کہ اللہ کی چاہت اس سے کیا ہے یا پھر بطور کلی خدا کی چاہت کیا ہے تو وہ معصومین علیہم السلام کی طرف رجوع کرے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے معروف خطبۂ نورانیہ میں فرماتے ہیں:

نَحْنُ إِذَا شِئْنَا شَاءَ اللهُ وَ إِذَا كَرِهْنَا كَرِهَ اللهُ۔[2]

"ہم وہ ہیں کہ جب ہم ایک چیز کو چاہتے ہیں تو خدا بھی اسی کو چاہتا ہے اور اگر ہم کسی امر کو پسند نہیں کرتے تو اللہ بھی اس کو ناپسند کرتا ہے"۔

1۔ بحار الانوار = ج ۸۲، ص ۲۱۴، ح ۱

2۔ بحار الانوار = ج ۲۶، ص ۶، ح ۱

امام مہدی علیہ السلام نے چار سال کی عمر میں کامل ابن ابراہیم کے دعویٰ کے مسئلہ میں جو مفوضہ[1] و مقصرہ[2] تھا فرمایا:

.... بَلْ قُلُوبُنَا أَوْعِيَةٌ لِمَشِيَّةِ اللهِ فَإِذَا شَاءَ شِئْنَا وَ اللهُ يَقُولُ= وَ مَا تَشَآؤُنَ إِلَّا أَنْ يَشَآءَ اللهُ). [3]

"ہم اہلِ بیت علیہم السلام کے دل مشیتِ خدا کے ظروف ہیں۔ پس! جب کوئی خدا چیز چاہتا ہے تو ہم بھی وہی چاہتے ہیں (ہم بھی وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے=

"اور نہیں چاہتے مگر وہ جو خدا چاہتا ہے"۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر بن یزید جعفی سے فرمایا:

....فَنَحْنُ نَفْعَلُ بِإِذْنِهِ مَا نَشَآءُ وَ نَحْنُ إِذَا شِئْنَا شَآءَ اللهُ). [4]

1۔ مفوضہ کہتے ہیں= اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلق کر کے تدبیر عالم کو ان کے حوالے کر دیا ہے اور وہ بزرگوارؐ روزی پہنچانے والے، انبیاء کو مبعوث کرنے والے ہیں۔ اور مفوضہ کا دوسرا گروہ غلات کا ہے جو کہتا ہے= خداوند نے امورِ عالم کو حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے بعد علی بن ابی طالب علیہ السلام اور دیگر آئمہ علیہم السلام کو دے دیا۔

(فرہنگ فرق اسلامی =ص ۴۲۴)

2۔ مقصرہ از نقطہ نظر نصیریہ جو مقامِ علی بن ابی طالب علیہ السلام کو مقامِ "الوہیت" تک پہنچاتے ہیں، یہ وہ ہیں جو امیر المؤمنین علیہ السلام کے مقام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام سے بڑھا دیتے ہیں لہٰذا ان کو گناہگار اور مقصرہ کہا گیا۔۔۔۔(فرہنگ فرق اسلامی =ص ۴۲۴)

فرقۂ ناجیہ وہ ہیں، جو امیر المؤمنین علیہ السلام اور ان کے گیارہ بیٹوںؑ کو اللہ کی طرف سے منسوب مانتے ہیں۔ ان کے علاوہ فرقہ ضالہ کے زمرہ میں آتے ہیں اور مزید تحقیق کے لئے کتاب "گروہ رستگاران" جو دو جلدوں میں تالیف ہے جو مرحوم سلطان الواعظین شیرازی کی ہے، اُس کی طرف رجوع کریں۔

3۔ بحار الانوار= ج ۲۵، ص ۳۳۶، ح ۱۶

4۔ بحار الانوار= ج ۲۶، ص ۱۴

"ہم آلِ محمد علیہم السلام باذن اللہ جو کچھ چاہتے ہیں، انجام دیتے ہیں اور جب ہم کوئی چیز چاہتے ہیں تو خدا بھی وہی چاہتا ہے"۔

دوسری روایت میں ہے:

إِذَا شِئْنَا شَآءَ اللهُ وَلَا نَشَآءُ إِلَّا أَنْ يَشَآءَ اللهُ.

"جب ہم کسی چیز کو چاہتے ہیں تو خدا بھی اسی چیز کو چاہتا ہے اور ہم کسی چیز کو نہیں چاہتے مگر یہ خدا اس چیز کو چاہتا ہے"۔

یہ ہے معنی ظرفِ مشیتِ پروردگار۔ اگر چاہتے ہو کہ مشیتِ پروردگار عالم کی طرف دسترس حاصل کرو تو لازماً ان کے مقام کی طرف رجوع کریں۔

اور یہ مکان و جایگاہ سوائے وجودِ باہر النور حجج بالغہ کے علاوہ نہیں اور جو بھی ان ذواتِ مقدسہ کے علاوہ ایسا دعویٰ کرے تو وہ کذاب ہے اور اس کا یہ دھوکا زیادہ دیر چل نہیں سکے گا۔

ظرفِ مشیّت:۔

ای ظرف مشیّت اِلهی هستت — وی دست قَدَرْ قدرت یزدان دستت
مقصود تویی که شاهکار صنعی — شد خلقت ما خلق طفیل هستت
سر را ننهد به پای دیگر دلبر — دل را ندهد به غیر تو، دلبستت
زان دم که شراب عشق نوشانیدی — شد این سگ روسیاه پستت، مستت [1]

1۔ کبھی کچھ لوگ شدت کے ساتھ یا مؤدبانہ (لیکن سخت) تنقید کرتے ہیں اور کہتے ہیں= کیوں مقامِ انسان کو تنزل دے رہے ہو؟ اور اس کو کتے کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہو؟
اگر وہ عظمت و بزرگی مقامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آلِ محمد علیہم السلام کو جانتے تو اپنی حقارت کو ان کے مقابلے میں خود محسوس کرتے اور یہ اعتراض نہ کرتے۔

این نیست که تازہ پای بستت شدہ ام	از روز الست گشتہ پابستت
امکان جدایی از توام هر گز نیست	چون سایہ ھمیشہ بودہ ام پیوستت
من »ملتجی« ام غلام بی مقدارم	از دیدہ میفکن این غلام پستت

"اے وہ جو مشیتِ الٰہی کا ظرف ہو، جس کا اللہ کی قدرت کا قدر ہے، مخلوق کے مقصود صنع تم ہی ہو کہ آپ کی خلقت کے باعث ہماری خلقت ہوئی، کبھی بھی اپنے سر کو دوسرے دلبر کی پاؤں میں نہیں رکھے گا، جس نے آپ سے محبت کی وہ آپ کے غیر کو دل نہیں دے گا، جب سے اپنے عشق کی آپ نے شراب پلائی ہے آپ کا یہ روسیاہ پست کتنا مست ہو گیا ہے، یہ نہیں کہ ابھی تازہ آ کر آپ کے پیروں میں بندھا ہوں، بلکہ روز الست سے آپ کے پاؤں میں بندھا ہوں، آپ سے جدائی کا امکان تو ہرگز نہیں ہے کیونکہ ہمیشہ آپ کے ساتھ سائے کی طرح جڑا ہوں، میں ملتجی بے مقدار غلام ہوں اپنی آنکھوں سے نہ گرانہ اس پست غلام کو"۔

پس! توجہ کہ جو وضاحت دی گئی ہے اس سے مولانا ابوالفضل العباسؑ کے فرمان کے معنی با آسانی سمجھ آتے ہیں =

لَو لَم تَکُن مَشِیَّۃُ مَولَایَ مَجبُولَۃً مِن مَشِیَّۃِ الرَّحمٰنِ۔

"اگر میرے مولا حسین علیہ السلام کی مشیت خدائے رحمٰن کی مشیت سے سرچشمہ نہ لیتی"۔

اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی مشیت کی اجازت نہیں کہ میں عقاب کی طرح

تم پر حملہ کروں اور تم میں سے سب کو ختم کر دوں۔ اللہ نے ایسا ارادہ نہیں فرمایا کیونکہ امام حسین علیہ السلام کی مشیت، عین اللہ کی مشیت ہے۔ انہوں نے بھی ایسے اقدام کا اشارہ نہیں فرمایا لہٰذا میں کسی بھی عمل کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔

❖ ۔۔ہم جانتے ہیں کہ ایک بزرگ علماء و محدثین بنام اسوۂ تقویٰ وفضیلت کے زبانِ زدِ خاص و عام ہے۔ مرحوم شیخ عباس قمیؒ یہ اپنی کتاب "منتہی الآمال" کے آٹھویں باب میں در تاریخ امام جعفر صادق علیہ السلام اس مطلب کے ساتھ تمام کرتے ہیں =

"یہ "عباس قمی" ان کی خدمت میں عرض کرتا ہے = اے میرے آقا! میں نے خود کو پہچان لیا اور خود کو آپؑ کے گھر پر دیکھ لیا اور اپنے گوشت و پوست کو آپؑ کی نعمت سے پرورش دی ہے۔ امیدِ صادق ہے کہ اس آخری عمر میں میری حفاظت فرمائیں گے اور اس گھر کے دروازے سے مجھے دور نہ فرمائیں گے اور میں اپنی ذلت بھری زبان سے عرض کرتا ہوں:

شاھا چہ تو را سگی ببایذ	گر من بوم آن سگ تو شایذ
هستم سگکی ز حبس جستہ	برشاخ گل هوات بستہ
از مدح توبا قلادهی زر	زنجیر وفا بہ حلقم اندر
خود را بہ خودی کشیدہ از جل	پش تو کشیدہ از سر دل
خود را بہ قبول رایگانت	بستم بہ صویلہ سگانت
افکن نظری بر این سگ خویش	سنگم مزن و مرانم از پیش

"اے بادشاہ! کتنا اچھا ہوتا کہ آپ کا بھی کُتا ہو اور وہی کُتا میں ہوتا، میں وہ چھوٹا کُتا ہوں جو قید سے بھاگ کر تیرے باغ کی شاخ

سے بندھا ہوں، تیری مدح سے زَر و جواہر کے قلادہ سے میرے حلق میں وفا کی زنجیر بندھی ہے، خود کو خود ہی کی عزت سے نکال کر، تیرے پاس لایا ہوں، ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو مفت میں آپ کے کتوں کے تھیلے میں باندھا ہے، ایک نگاہ کریں اور اس کو نہ نکالیں باہر"۔

❖۔۔ مرحوم خواجہ نصیر الدین طوسی۔ یگانۂ دوران جو حرمِ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام میں مدفون ہیں، نے وصیت کی کہ اس کی قبر کے کتبے پر لکھیں:

وَ كَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ۔

"اور ان کا کُتا غار کے دہانے پر دونوں ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہے"۔

مولا عباس علیہ السلام کی گفتگو کا مفہوم:۔

جی ہاں! اگر وہاں پر کہ عقاب بھی اپنے پَر چھوڑ دے۔

پس اتنا تمہیں کہوں گا کہ اگر مشیتِ خدا اور مشیتِ امام حسین علیہ السلام (جو کہ دونوں ایک ہیں) نے تمہاری نابودی کا ارادہ کیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ ایک شخص بھی تم میں سے باقی نہ بچتا۔

=====❖=====

دشمنوں پر غضب ناک حملہ اور اِیثارِ جان

باب "۱۔۳" میں اس شیر کی مختصر شجاعت کا کلام کیا گیا ہے اور اس باب میں کچھ مزید بھی ذکر کریں گے۔

خصوصیت حاصل کرنے کے طریقے:۔

ایک انسان کہ جس میں ایک یا چند خصلتیں انسانی یا غیر انسانی ہوں ممکن ہے کہ ذیل میں دی گئی دو میں سے ایک سے واجد خصال ہوا ہو۔

۱۔ وراثت۔ ۲۔تربیت

الف: وراثت:۔

از نظرِ علمی، مسئلہ وراثت یا خصوصیاتِ جسمی اور روحی والد یا والدہ یا اجداد سے اولاد کی طرف اِنتقال کا ملأ موردِ تحقیق اور دقتِ نظر قرار پایا ہے۔

علماء نے اعماقِ سلّول میں راستے پیدا کئے اور متوجہ ہوئے کہ سلّول (سیل) جانداروں کے بدن میں ایک چھوٹا سا جزء ہے۔

۱۸۸۳ء، میلادی میں ایک کتاب لکھی گئی جس میں بدن کے تمام جزویات کو بیان کیا گیا۔

سیل کے تقسیم ہوتے وقت مادہ Chromatin سیل کے اندر متراکم ہوا۔

یہ چھوٹی چھڑیوں میں بنتا ہے جیسے فلیمینٹ کے بہت پتلے ٹکڑوں میں Fleming نے ان میلوں کو Chromosome نام دیا ہے۔

ہر سیل کی تقسیم سے ہر Chromosome ایک دوسرا اپنے جیسا Chromosome بناتا ہے۔اس نتیجے میں تمام Chromosome دوبرابر ہوتے ہیں۔

ان میں سے ایک، ایک طرف اور دوسرا، دوسرے سیل میں جاتا ہے۔ اس ترتیب سے سیل کے دونوں طرف سے ایک کامل Chromosome قرار پاتا ہے تو اس وقت سیل تقسیم ہوتے ہیں۔

انسان کے بدن کا ہر ایک چھیالیس Chromosome رکھتا ہے۔

والٹر (Walter) زندگی شناس امریکائی نے ظاہر کیا کہ ایک سیل کے Chromosomes جوڑی کی صورت میں ہوتے ہیں۔ اس ترتیب سے ۲۳ جوڑیاں ہر سیل میں موجود ہیں۔

جنس نر و مادہ کے سیلس ہر کوئی ۲۳ Chromosome رکھتے ہیں۔ جو ترکیب میں جدید حاصل سیل ۲۳ جوڑیاں ہوں گی، وہ جو مسلم ہے۔

بعض Chromosomes (جو صفات اور خصوصیات کے انتقال کے عامل ہیں) صفات بدنی کی تعداد کے مطابق اور اس کے غیر یکساں نہیں ہیں۔

اس معنی میں اگر فرض کریں کہ Chromosome کی ہر جوڑی صفات میں سے ایک صفت کنٹرول کرے تو اس صورت میں انسان فقط ۲۳ صفتِ بدنی اس کے علاوہ رکھتا ہو جو کسی بھی قسم پر قابل قبول نہیں ہے۔

ایک danmark کے سائنسدان Wilhelm نے اس موضوع پر کام کیا کہ ہر مخصوص صفت کو تھوڑی سی Chromosome سے بنام Genome کنٹرول کرتا ہے۔اس ترتیب سے ہر Chromosome بے شمار تعداد میں Genome رکھتا ہے جو ہر نسل کی خصوصیات کو ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل کرتا ہے۔[1]

❖۔۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمۂ ہدیٰ علیہم السلام جو کہ حقائق کو نورِ وحی اور الہام سے دیکھ رہے تھے اور اس قانون عظیم خلقت کی طرف کامل توجہ رکھتے تھے، ان بزرگواروں نے فرمایا:

وَ اُنْظُرْ فِي أَيِّ شيء تَضَعُ وَلَدَكَ فَإِنَّ الْعِرْقَ دَسَّاسٌ۔[2]

"قانونِ وراثت سے غافل نہ ہوں یاد رکھیں کہ پسِ منظر صاف ہو تاکہ تمہاری اولاد صفاتِ ناپسند کے وارث نہ ہوں"۔

"دس" ذیل لغت المنجد میں آیا ہے:

العِرقُ دَسَّاسٌ ای اِنَّ أَخلاقَ الآبَاءِ تَتَّصِلُ إِلَى الأَبنَاءِ۔

"عرق لغت عرب میں اس حقیقت کی طرف تفسیر ہوا ہے کہ نطفہ اخلاق وصفاتِ والدین کو بیٹوں کی طرف منتقل کرتا ہے"۔

جنگ جمل میں محمد بن حنفیہ کی ضعف پر دلیل:۔

ہم جانتے ہیں کہ محمد حنفیہ، امیر المؤمنین علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور جنگِ جمل میں

۱۔ مزید معلومات کے لئے کتاب "ژن ھا وژنتیك" آیزاک آسیموف، ترجمہ: علی غروی اور اس سے مربوط دوسری کتب کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ المستطرف = ج۲ ص ۲۱۸

علمدارِ لشکر تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اسے حملے کا حکم دیا تو محمد بن حنفیہ نے حملہ کیا لیکن دشمنوں کے تیر و تلوار اور نیزوں کے حملوں نے انہیں روک دیا اور وہ آگے جانے سے رُک گئے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے خود کو اس تک پہنچایا اور فرمایا: دشمنوں کے حملوں سے مت ڈرو اور حملہ کرو تو وہ تھوڑا سا آگے گئے اور پھر سے رُک گئے۔

امیرِ المؤمنین علیہ السلام اپنے بیٹے کے ضعف کی وجہ سے کافی آزردہ ہوئے، قبضہ شمشیر سے ان کے دوش پر مارا اور فرمایا:

أَدْرَكَكَ عِرْقٌ مِنْ أُمِّكَ ۔[1]

"یہ ترس اور ضعف تم نے اپنی ماں سے وراثت میں لیا ہے"۔

یعنی میں تمہارا باپ ہوں کہ کوئی خوف نہیں رکھتا۔ اگر تمہاری مادر شریف پُرفضیلت، صدیقہ اطہرؑ کی طرح رکھتی تو تم کبھی نہ ڈرتے۔ اس ڈر کو تم نے ماں سے اَرث میں لیا ہے۔

ایک بانو بہادروں کے خاندان سے:۔

اگر حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام شجاعت و قدرت میں بے نظیر ہیں تو وہ اپنے والد علی علیہ السلام اور مادر اُم البنین سلام اللہ علیہا کلابیہ جیسی بہادر خاتون کی وجہ سے ہیں جو بانو بہت ہی جلیل القدر اور با فضیلت ہیں۔

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا یگانہ کفو حمیدہ کی شہادت کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ شادی کریں تو اپنے بھائی عقیلؑ، جو کہ نسابہ تھے اور انساب و اخبار عرب سے

۱۔ تتمۃ المنتہی = ص ۲۱

مکمل آشنائی رکھتے تھے، سے فرمایا: قبائل عرب میں سے میرے لئے ایک خاتون تلاش کرو جو بہادروں کے خاندان سے ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ اس سے صاحبِ فرزند ہوں جو دلاور ہو۔ (اور میرے حسین علیہ السلام کی کربلا میں مدد کرے)۔

عقیلؑ نے کہا: اُمّ البنین سلام اللہ علیہا کلابیہ سے شادی کریں کیوں کہ پورے عرب میں ان کے اجداد سے زیادہ کوئی بہادر نہیں۔[1]

بنی کلاب شجاعت و دلاوری میں عرب کے درمیان مشہور و معروف تھے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنی پہچان اور نظر کے مطابق عقیلؑ کی رائے کو پسند کیا اور اُن کو اُمّ البنین سلام اللہ علیہا کی خواستگاری کے لئے بھیجا اور ان کے والد ماجد نے بھی اپنی بیٹی کی نظر مثبت لینے کے بعد سر بلندی اور افتخار سے اپنی نظر کا اعلان کیا اور یہ پیوند مقدس ثابت ہوا۔

❖ ۔۔ مرحوم سید عبدالرزاق موسوی المقرم جو متتبع خبیر ہے۔ اُم البنین سلام اللہ علیہا کے اجداد کے اسماء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ اُمّ البنین سلام اللہ علیہا کا ددھیال اور ننھیال اسلام سے پہلے دلیرانِ عرب میں سے اور مورخ ان سے جنگ کے وقت نقل کرتے ہیں کہ عین شجاعت و سالاری کے بزرگ اور اپنی قوم کے پیشوا بھی تھے۔

اس طرح کہ ان کے دور کے بادشاہ ان کے سامنے سرتسلیم کرتے تھے۔

یہ وہی ہیں کہ جو عقیل نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے فرمایا:

۱۔ دمع السجوم = ص ۱۷۶

"عرب کے درمیان ان سے زیادہ کوئی بہادر نہیں پایا گیا"۔

جنابِ اُمّ البنین سلام اللہ علیہا کے اجداد کے درمیان عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب ہیں کہ جنہیں اپنے قہرمانِ سالاری اور شجاعت کی وجہ سے (ملاعب الأَسِنَّةِ) کہاجاتا تھا یعنی جو سرنیزہ کے ساتھ کھیلتا ہو۔ یہ لقب حسان نے اُنہیں دیا کہ جب اس نے دیکھا کہ اُن کا ایک گروہ نے احاطہ کیا ہوا تھا اور وہ اکیلا ان سے لڑ رہا تھا۔

اوس بن حجر بھی اس عامر کے بارے میں کہتا ہے:

يُلَاعِبُ أَطْرَافَ الأَسِنَّةِ عَامِرٌ ٥ فَرَاحَ لَهُ حَظُّ الْكَتَائِبِ أَجْمَعُ۔

"عامر سر نیزوں کے ساتھ کھیلتے ہیں اور وہ ایک لشکر کی طاقت رکھتے ہیں"۔[1]

شجاعتِ امیر المؤمنین علیہ السلام:۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کے والدگرامی قدر امیر المؤمنین علیہ السلام کی شجاعت کے بارے میں خاص و عام کے ہاں زبان زد ہے کہ خصال والائے الٰہی اسلامی ایک انسان جو زمانے میں یگانہ ہو۔

فکر و اندیشہ اور کلام و قلم اور تصنیف اس سے بھی عاجز ہیں کہ کچھ کہہ سکیں، ایسے جیسے سمندر سے صرف ایک قطرہ کا ذکر کیا جا سکے۔

فقط شجاعت ہی نہیں بلکہ ان کے تمام فضائل و اوصاف قابل درک و بیان نہیں ہیں۔ اور والحق کہا جائے گا:

إِنَّ عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ صَحِيفَةٌ لَمْ يَقْرَأْهُ أَحَدٌ۔

"بے شک! علی علیہ السلام اس منزل کی کتاب ہیں کہ اب تک کسی نے اس

۱۔ سردار کربلا=ص ۱۵۴

کتاب کا مطالعہ تمام نہیں کیا"۔

صفات فعل خدا را علیؑ بود شامل   رموز سرّ و علن را علیؑ بود حامل
اگر به فرض علیؑ را صحیفه ای گیری   نخوانده هیچ کسی این صحیفه را کامل

"صفات فعل خدا علی علیہ السلام میں شامل ہیں، راز و اعلانیہ کے رموز کے علی علیہ السلام حامل ہیں، اگر بالفرض علی علیہ السلام کو ایک صحیفہ قرار دیں، تو یہ ایسا صحیفہ ہے کہ جس کو ابھی تک کسی نے مکمل نہیں پڑھا"۔

❖۔۔ تاریخ کو اس نسخہء مفرد کی شجاعتوں کا علم ہے۔

لیلۃ المبیت کا واقعہ۔ وہ شب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے خارج ہوئے تا کہ آسیب مشرکین سے محفوظ رہیں اور ان کے بستر پر سونا اور برہنہ شمشیر کا مواجہ کرنا اور اس آیت کا نزول ہونا:

وَ مِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَ اللهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ۔[1]

"اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضاجوئی میں اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے"۔

اعمالِ ما به عشق علیؑ پربها شود   تنها ولای او، سبب ارتقا شود
خوابید در فراش نبی لیلۃ المبیت   تا آن که حفظ جان رسول خدا شود

"ہمارے اعمال عشق علی علیہ السلام سے پر ہوں، فقط اس کی ولایت سبب ارتقا ہو، لیلت المبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سویا، تا کہ رسول

۱۔ سورہ بقرہ=آیت ۲۰۷

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کی حفاظت ہو"۔

انؑ کی بہادری کو کم نہ سمجھا جائے کیوں کہ کوئی بھی علی علیہ السلام کے علاوہ دشمنوں کے ایک گروہ کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔

جی ہاں!۔

آپؑ تمام جنگوں میں کہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر تھے، ان کے لئے سپر بلا تھے اور افواج دشمنوں کو ان سے دور بھگاتے تھے اور ان کے پہلوانوں کا خون ذوالفقار سے گرا کر جہنم بھیجتے تھے۔ ہاتف غیبی کی فریاد (اس فرشتہ کا نام رضوان تھا) آپؑ کی اور آپؑ کی تلوار کی مدح میں مشہور ہے۔

جنگ بدر[1] میں مشہور ہے کہ وہ کہہ رہا تھا:

لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ، لَا سَیْفَ اِلَّا ذُو الْفَقَارِ۔

"جوان نہیں مگر علی علیہ السلام اور تلوار نہیں مگر ذوالفقار"۔

یہی عبارت جبرئیلؑ سے بھی مشہور ہے کہ وہ جنگِ اُحد میں کہہ رہا تھا جب مولا علی علیہ السلام نے سپاہِ قریش کے علمداروں کو قتل کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار قریش کے تھوڑے سے لوگوں کو دیکھا تو امیر المؤمنین علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان پر حملہ کرے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان پر حملہ کیا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور شیبہ بن مالک کو قتل کیا۔

اور جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

۱۔ تاریخ طبری = ج ۳، ص ۱۷

فَقَالَ جِبْرَئِیلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ اِنَّ هٰذَا لَلْمُوَاسَاةُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ اِنَّهٗ مِنْهُ وَ هُوَ مِنِّیْ! فَقَالَ جِبْرَئِیلُ وَ اَنَا مِنْکُمَا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ ہے معنائے برادری و برابری۔

آپؐ نے فرمایا: علی علیہ السلام مجھ سے ہے اور میں اس سے۔

جبرئیل نے کہا: میں آپؐ دونوں بزرگواروں سے ہوں"۔

اس وقت ایسے کہ تمام لوگ صدا سن رہے تھے کہ وہ کہہ رہا تھا:

لَا سَیْفَ اِلَّا ذُو الْفَقَارِ، وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صدا سنی تو فرمایا:

قَالَ هٰذَا صَوْتُ جِبْرَئِیلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔[2]

"یہ صدائے جبرئیل ہے"۔

جابر بن عمیر انصاری کہتا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا جنہوں نے کئی مرتبہ یہ بیت پڑھا:

لَا سَیْفَ اِلَّا ذُو الْفَقَارِ وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ[3]

❖ ۔صاحبِ کتاب "فروغ ولایت" فصل پنجم کے تیسرے حصے میں جنگ اُحد میں امیر المؤمنین علیہ السلام کی فداکاری کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

۱۔ شرح نہج البلاغہ، لابن ابی الحدید = ج ۲، ص ۲۳۶

۲۔ کتاب صفین = ص ۲۵۷

۳۔ فروغ ولایۃ = ص ۹۳۔۹۴

"قریش مسلمانوں کی شجاعت و دلاوری جو انہوں نے بدر میں دیکھی، اُسی سے آگاہ تھے، اس رُو سے انہوں نے اپنے بہادروں کی ایک بہت بڑی تعداد حامل پرچم کے عنوان سے معین کی تھی۔

سب سے پہلے جس کو پرچم کا عہدہ دیا گیا، وہ طلحہ بن طلیحہ تھا اور وہی پہلا تھا، جو امیرالمؤمنین علیہ السلام کی ضربوں سے تمام ہوگیا۔ اس کے قتل کے بعد ایک کے بعد ایک کی نوبت پرچم اٹھانے کی آتی مگر سب کے سب ضرباتِ حیدریؑ سے قتل ہوتے جاتے تھے۔

سعید بن طلحہ، عثمان بن طلحہ، شافع بن طلحہ، حارث بن ابی طلحہ، عزیز بن عثمان، عبداللہ بن جمیلہ اور ارطاۃ بن شراجیل، ان کے قتل ہونے کے بعد سپاہِ قریش فرار ہونے لگی اور مسلمانوں کو یہ پہلی کامیابی امیرالمؤمنین علیہ السلام کی فداکاریوں سے نصیب ہوئی۔

ابن ہشام اپنی "سیرت" میں ان افراد کے علاوہ بھی دیگر نام لیتے ہیں جو پہلے ضرباتِ حیدریؑ سے واصلِ جہنم ہوئے۔

جنگِ خندق میں عمر بن عبدود کا قتل اس عالمِ وجود کے شجاع ترین شخص کے ہاتھوں، آشنا اور بیگانوں کی زبان پر مشہور ہے۔

جزیرۂ عرب کے طاقتور اور دلاور ترین جنگجوؤں میں عمر ابن عبدود کا نام آتا ہے۔ اور اس کا موازنہ ایک ہزار جنگی افراد سے کیا جاتا ہے۔

اور وہ فولادی زِرہ پہنتا تھا اور مسلمانوں کی صفوں کے درمیان شیر کے مانند غرارہا تھا اور کہتا تھا: بہشت کے دعوے دار کہاں ہو؟

اور ازروئے تمسخر کہتا: آیا تم میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مجھے جہنم بھیجے یا میں اُسے جنت بھیجوں؟

اس کے اِن نعروں نے مسلمانوں کے دلوں میں عجیب خوف اور رعب ڈالا ہوا تھا۔ اور ہر بار وہ قہرمانِ نامدارِ عرب مسلمانوں کے صفوں میں آتا اور مبارزہ طلبی کرتا اور سوائے امیرالمؤمنین علیہ السلام کے جن کی عمر جوانی سے زیادہ نہ تھی، کوئی نہیں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مبارزہ طلبی کی اجازت مانگتا۔

تیسری بار جب عمر نے نعرہ مارا اور کہا: صدائیں مار مار کر میرا گلا بیٹھ گیا ہے اور تمہارے درمیان کوئی نہیں ہے جو میرے سامنے مبارزہ کے لئے آئے۔ علی علیہ السلام نے التماس کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی۔ پھر اپنا عمامہ امیرالمؤمنین علیہ السلام کے سر پر باندھا اور علی علیہ السلام کو اپنی تلوار دی اور ان کے حق میں دعا فرمائی اور یہ وہ وقت تھا کہ فرمایا:

بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الشِّرْکِ کُلِّہٖ۔

"دو مظہر کامل ایمان و شرک ایک دوسرے کے سامنے ہوئے ہیں"۔

تیرہ شد از ہمت مولا علیؑ آفاق شرک
پارہ شد از تیغ او شیرازہ ی اوراق شرک
گفت در خندق پیغمبرؐ وقت میدان رفتنش
مظہر ایمان مبارز گشت با مصداق شرک

"امیرالمؤمنین علیہ السلام کی ہمت سے آفاق شرک پارہ ہوا
اور اس کی تلوار سے اوراقِ شرک پارہ ہوئے
کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ خندق میں اس کے جاتے وقت
مظہرِ ایمان کا سامنا مصداق شرک ہے"

عمر بن عبدود نہیں چاہتا تھا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام سے جنگ کرے کیونکہ اس نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی دلاوری بدر میں دیکھی ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ امیر المؤمنین علیہ السلام سے ڈر رہا تھا اور کہا: تمہارا والد میرے دوستوں میں سے تھا اور مَیں نہیں چاہتا کہ اس کے بیٹے کا خون بہاؤں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

تمہارے احساس کرنے کی ضرورت نہیں، میں قتل ہو جاؤں یا کامیاب ہو جاؤں، دونوں صورتوں میں کامیاب ہوں اور میری جگہ جنت ہے لیکن ہر حال میں دوزخ تیرے انتظار میں ہے۔

عمر نے مسکراتے ہوئے تمسخر آمیز لہجے میں کہا: یہ تقسیم عادلانہ نہیں ہے، جنت و دوزخ دونوں ہی تمہارا مال ہوں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس سے چاہا کہ وہ مسلمان ہو جائے تو اس نے قبول نہ کیا۔
اس کے بعد اُس کو پلٹنے کا کہا مگر اس نے انکار کیا اور کہا= جب تک اپنا انتقام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ لوں، ہاتھ نہیں ہٹاؤں گا۔

اور تیسری پیشنہاد مبارزہ اور جنگ کی تھی کہ جس پر وہ آمادہ ہوا لیکن تھوڑا ہی وقت نہیں گزرا تھا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام اس کے کٹے ہوئے سر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پلٹے اور مسلمانوں کی صدائے تکبیر ہوا میں بلند ہوئی۔[1]

ابن ابی الحدید کے نقل کی بناء پر اس جنگ میں وہ دستہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے لئے آئے تھے، پچاس افراد تھے لیکن امیر المؤمنین علیہ السلام اس حال میں کہ

۱۔ جعفر سبحانی، فروغ ولایت، فصل ششم از بخش سوم

پیادہ تھے، اُن سب کو متفرق کیا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی تمام فداکاریوں اور عمر ابن عبدود کے قتل کے بعد فرمایا:

ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ۔[2]

"خندق کے دن علی علیہ السلام کی ایک ضربت (جو آپؑ نے دشمن پر لگائی) وہ عبادت الثقلین سے افضل ہے"۔

اور اسی طرح مرحب خیبری کے قتل کرنے کی داستان اس بے نظیر ید اللہ وقدرۃ اللہ کی دلاوری کی گویا ہے، جو کتب تواریخ میں مسطور ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام اور ان کی ہمسر کے کلام میں شجاعت:۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَ فِيمَا كَتَبَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ: وَاللهِ لَوْ تَظَاهَرَتِ الْعَرَبُ عَلَى قِتَالِي لَمَا وَلَّيْتُ عَنْهَا وَلَوْ أَمْكَنَتِ الْفُرْصَةُ مِنْ رِقَابِهَا لَسَارَعْتُ إِلَيْهَا۔[3]

"خدا کی قسم! اگر تمام شجاعان عرب مجھ سے جنگ پر اتفاق کرلیں تو بھی میں ان کے قتل سے پیچھے نہیں ہٹوں گا"۔

کفار قریش سے لیلۃ المبیت میں فرمایا:

۱۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ = ج ۱۴، ص ۲۱۵
۲۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ = ج ۱۴، ص ۲۱۵
۳۔ نہج البلاغہ = نامہ: ۴۵ بہ عثمان بن حنیف

.... بَلِ اللهُ قَدْ أَعْطَانِي.... مِنَ الْقُوَّةِ مَا لَوْ قُسِمَ عَلَى جَمِيعِ ضُعَفَاءِ الدُّنْيَا لَصَارُوا بِهِ أَقْوِيَاءُ وَ مِنَ الشَّجَاعَةِ مَا لَوْ قُسِمَ عَلَى جَمِيعِ جُبَنَاءِ الدُّنْيَا لَصَارُوا بِهَا شُجْعَانَا۔[1]

"اللہ نے مجھے اس قدر طاقت دی ہے کہ اگر دنیا کے ضعفاء کے درمیان تقسیم کروں تو وہ تم سب سے طاقتور ہو جائیں گے اور اللہ نے مجھے اس قدر شجاعت عطا کی ہے کہ اگر میں تمام دنیا کے ڈرپوک لوگوں کے درمیان تقسیم کروں تو وہ بھی صاحبِ شجاعت ہو جائیں گے"۔

پس! اگر ہم امیر المؤمنین علیہ السلام کی شجاعت سے مربوط داستانیں نقل کریں تو اِس کتاب کے مقصد سے دور ہو جائیں گے۔ اس بحث کو خطبہ فدکیہ انیسۃ الحوراء اُمّ الائمۃ النجباء النقباء سیّدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا سے تمام کریں گے۔

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا اس خطبے میں اللہ کی حمد وثنائے الٰہی اور خلقت کے ہدف کے بیان کے بعد ذکر مقام والائے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہمیتِ کتابِ خدا اور اسرار و حکم و احکام اور نظامِ حاکم کے بعد اپنا موضع بیان فرماتی ہیں اور ویران کرنے کے آثار اور خراب کرنے والا طوفان بیان کیا، جو حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حریم اسلام مسلمین میں آیا اور اس کے بعد غاصبوں کی طرف سے ظلم ہوئے اور پھر جو امیر المؤمنین علیہ السلام کی اسلام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں کوششیں تھیں، وہ بیان کر کے فرمایا:

فَأَنْقَذَكُمُ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ بَعْدَ اللُّتَيَّا وَ الَّتِي وَ بَعْدَ أَنْ مُنِيَ بِبُهَمِ الرِّجَالِ وَ ذُؤْبَانِ الْعَرَبِ وَ

[1] بحار الانوار = ج ۱۹، ص ۸۳، ح ۳۴

مَرَدَةِ أَهْلِ الْكِتَابِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَاراً لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللهُ أَوْ نَجَمَ قَرْنُ الشَّيْطَانِ أَوْ فَغَرَتْ فَاغِرَةٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَذَفَ أَخَاهُ فِي لَهَوَاتِهَا فَلاَ يَنْكَفِئُ حَتَّى يَطَأَ جَنَاحَهَا بِأَخْمَصِهِ وَ يُخْمِدَ لَهَبَهَا بِسَيْفِهِ مَكْدُوداً فِي ذَاتِ اللهِ مُجْتَهِداً فِي أَمْرِ اللهِ قَرِيباً مِنْ رَسُولِ اللهِ سَيِّداً فِي أَوْلِيَاءِ اللهِ مُشَمِّراً نَاصِحاً مُجِدّاً كَادِحاً لَا تَأْخُذُهُ فِي اللهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ وَ أَنْتُمْ فِي رَفَاهِيَةٍ مِنَ الْعَيْشِ وَادِعُونَ فَاكِهُونَ آمِنُونَ تَتَرَبَّصُونَ بِنَا الدَّوَائِرَ وَ تَتَوَكَّفُونَ الْأَخْبَارَ وَ تَنْكِصُونَ عِنْدَ النِّزَالِ وَ تَفِرُّونَ مِنَ الْقِتَالِ۔[1]

"پس! اللہ عز وجل نے تمہیں وجودِ مقدس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام ذلّت وخواریوں اور ناتوانیوں سے نجات دی حالانکہ میرے باپ کو عربوں میں سے بہادر اور عرب کے بھیڑیوں اور اہل کتاب کے سرکشوں سے واسطہ تھا اور جتنا وہ جنگ کی آگ کو بھڑکاتے تھے، خدا اُسے خاموش کر دیتا تھا۔ جب کوئی شیاطین میں سے سر اٹھاتا یا مشرکوں میں سے کوئی بھی زبان کھولتا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بھائی علی علیہ السلام کو ان کے گلے میں اتار دیتے اور حضرت علی علیہ السلام ان کے سر اور مغز کو اپنی طاقت سے پائمال کر دیتے اور جب تلک ان کی روشن کی ہوئی آگ کو اپنی تلوار سے خاموش نہ کر دیتے، جنگ کے میدان سے واپس نہ لوٹتے۔ اللہ کی رضا کے لئے ان تمام سختیوں

[1] الاحتجاج = ج ۲، ص ۲۳۲؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید = ج ۱۶، ص ۲۵۰

کا تحمل کرتے تھے اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے تھے اور اللہ کے رسولؐ کے نزدیک تھے۔ علی علیہ السلام خدا کے دوست تھے، ہمیشہ جہاد کے لئے آمادہ تھے، وہ تبلیغ اور جہاد کرتے تھے اور تم اس حالت میں آرام اور خوشی میں خوش وخرم زندگی گزار رہے تھے اور کسی خبر کے منتظر اور فرصت میں رہتے تھے۔ دشمن کے ساتھ لڑائی لڑنے سے اجتناب کرتے تھے اور جنگ کے وقت فرار کر جاتے تھے"۔

اَب ہم پلٹتے ہیں صدر مطلب کی طرف توجہ کے ساتھ کہ اصالت وجودی حضرت اُمّ البنین سلام اللہ علیہا اور شجاعتِ ذاتی امیر المؤمنین علیہ السلام بیان کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بیٹا جوان سے متولد ہوگا، وہ ذاتاً شجاعت وشہامت کا مالک ہوگا۔

=====❖=====

شجاعت حضرت اباالفضل العباس علیہ السلام

سِرُّ أَبِيْهِ وَ هُوَ سِرُّ الْبَارِيْ
مَلِيْكُ عَرْشِ عَالِمِ الْأَسْرَارِ
وَارِثُ مَنْ حَازَ مَوَارِيْثَ الرُّسُلِ
أَبُو الْعُقُوْلِ وَ النُّفُوْسِ وَ الْمُثُلِ
وَ كَيْفَ لَا وَذَاتُهُ الْقُدْسِيَّةُ
مَجْمُوْعَةُ الْفَضَائِلِ النَّفْسِيَّةُ

"وہ والد کا آئینہ اور والد اللہ کا آئینہ، اور عالم اسرار کے تخت پر بیٹھا تھا، اور وہ اپنے والد کا وارث ہے کہ وہ والد جو تمام انبیاءؑ اور اُن کی میراث کا وارث ہے، ابوالعقول اور روح وملکوتی کی مثال ہے، اور کیسے نہ ہو اس طرح کہ اس کی ذات تمام عالم انسانیت کے فضائل کا مجموعہ تھی"۔

جنابِ اُمّ البنین سلام اللہ علیہا حضرت عباس علیہ السلام کے مرثیہ میں یہ بیت بیان فرماتی تھیں:

يَا مَنْ رَأَى الْعَبَّاسَ كَرَّ عَلَى جَمَاهِيرِ النَّقَدِ
وَ وَرَاهُ مِنْ أَبْنَاءِ حَيْدَرَ كُلُّ لَيْثٍ ذِي لَبَدِ

أُنبِئتُ أَنَّ ابنِي أُصِيبَ بِرَأسِهِ مَقطُوعَ يَدٍ
وَيلِي عَلَى شِبلِي أَمَالَ بِرَأسِهِ ضَربُ العَمَدِ
لَو كَانَ سَيفُكَ فِي يَدَيكَ لَمَا دَنَا مِنهُ أَحَدٌ [1]

"اے وہ کہ جس نے عباس علیہ السلام کو دیکھا کہ کس طرح بھیڑوں کے ریوڑ پر حملہ کر رہا تھا۔ اور حیدر علیہ السلام کے بچے شیروں کی طرح اسکے پیچھے پڑ گئے۔ مجھے خبر ملی کہ میرے بیٹے کے سر پر ضرب لگی اس حال میں کہ اس کے ہاتھ نہ تھے۔ مجھ پر وائے ہو کہ میرے بیٹے کا سر ضربت عمود سے پیچیدہ ہوا۔ اے میرے عباس علیہ السلام اگر تلوار تیرے ہاتھ میں ہوتی تو کوئی بھی تیرے نزدیک نہیں آسکتا تھا"۔

پس! علی علیہ السلام کی یادگار کی قدرت وصلابت نوجوانی سے ہی تدوینِ تاریخ میں ثبت ہوئی ہے۔ حضرت عباس علیہ السلام ناکثین (جنہوں نے بیعت توڑی) کے ساتھ جنگِ جمل میں (۳۶ ق) حدوداً دس سال کے تھے اور جنگِ صفین میں (۳۸ ق) قاسطین (ظالموں کا وہ گروہ جو حقیقت کی راہ سے دور تھا) سے جنگ کی، حدوداً ۱۲ سالہ تھے۔

قدر مسلم جنگِ جمل میں آپؑ نے اپنے والد بزرگوارؑ کے ہمرکاب جانفشانی کی لیکن افسوس کہ اربابِ تاریخ نے اس بزرگوارؑ کے متعلق کوئی واقعہ نہیں لکھا۔ یا پھر لکھا بھی ہے تو وہ زمانے کے حادثات سے فاقد ہو گیا لیکن جنگِ صفین میں حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کے متعلق دو واقعے نقل ہوئے ہیں، جو دونوں ہی حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کی شجاعت اور دلاوری پر روشن دلیل ہیں۔ اور قارئین کی خدمت میں دونوں واقعات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مفاتیح الجنان، بعد از زیارت حضرت ابا الفضل العباسؑ

پہلا حادثہ:۔

حاکمِ شام پچاسی ہزار کا لشکر لیکر سرزمینِ صفین میں داخل ہوا، اور اس نے آتے ہی فرات پر قبضہ کر لیا۔ قبضے کے بعد اس نے ابوالاعور اسلمی کو چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ فرات کا نگہبان بنایا۔

جب امیر المؤمنین علیہ السلام کا لشکر سرزمینِ صفین میں پہنچا تو لشکر پیاسا تھا اور اس طرف سے اُس لشکر نے ان پر پانی بند کیا ہوا تھا۔

روایات کے مطابق کئی مرتبہ امیر المؤمنین علیہ السلام کے لشکر نے قبضہ ختم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام نے مشاورت کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام سے اجازت لیکر سواروں کی مخلص جماعت (مانند مالکِ اُشتر) کے ساتھ قرارگاہ ابوالاعور اسلمی پر حملہ کیا اور ان کا حملہ اس قدر محکم و شدید تھا کہ زیادہ دیر نہ لگی اور امام حسین علیہ السلام کے توسط سے فرات کا پانی کھول دیا گیا۔

اور حاکمِ شام کے سپاہی اور نگہبان اطرافِ فرات سے بھاگ گئے اور بعض ہلاک ہو گئے۔ اور صفین کی یہ پہلی فتح تھی جو امیر المؤمنین علیہ السلام کے لشکر کو نصیب ہوئی۔ [1]

علامہ بیرجندی لکھتے ہیں: بعض معتبر کتب لکھتے ہیں کہ صفین کا پانی آزاد کرانے میں حضرت عباس علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے اور امام علیہ السلام کے ساتھ دوش بدوش اور رکاب بر رکاب لگاتے ہوئے فتح حاصل کی اور دشمنوں سے فرات کو خالی کیا۔ [2]

۱۔ میرزا ابوالقاسم سدھی اصفہانی، نفایس الاخبار = ص ۴۱۸، شیخ محمد مہدی مازندرانی، معالی السبطین = ج ۲، ص ۴۳۷

۲۔ علامہ بیرجندی، کبریت احمر = ص ۳۸۵؛ شیخ ذبیح اللہ محلاتی، فرسان الهیجاء = ج ۱، ص ۱۹۳

دوسرا حادثہ:۔

ایامِ جنگ میں سے ایک دن حضرت عباس امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس آئے اور امیر المؤمنین علیہ السلام سے اجازت لی تا کہ میدان میں جائیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان کی صورت پر نقاب ڈالا۔ عباس علیہ السلام اس وقت نوجوانی میں تھے۔

ایک عنوان کے تحت ایک ناشناس پہلوان میدان میں اُترا۔ اور اس نے اس طرح میدان میں حملہ کیا جیسے سارا میدان اس کے قبضۂ قدرت میں ہو اور میدان میں بے بدل تھا۔

سپاہِ شام نے اندازہ لگایا کہ ایک شجاع، قوی دل اور پُر جرأت میدان میں آیا ہے۔ اور لشکر کے مشاوروں نے مشورے کیئے تا کہ اس آنے والے کے مقابلے میں کسی کو میدان میں بھیجیں لیکن اس کے رعب کے اثر سے عجیب وحشت ان پر طاری ہوئی کہ وہ کوئی بھی مضبوط ارادہ نہ بنا سکے۔

بالآخر حاکمِ شام نے اپنے لشکر کے بہادر سرداروں میں سے بنام ابن الشعثاء (یا ابوالشعثاء جس کو کہتے تھے اور وہ ہزار سوار جنگجوؤں کی طاقت رکھتا تھا) کو طلب کیا اور اس سے کہا: اس ناشناس نوجوان کے مقابلہ میں میدان میں جاؤ اور اس سے جنگ کرو۔

ابن شعثاء نے کہا: اے امیر! لوگ مجھے بعنوانِ دس ہزار جنگجو کے برابر پہلوان مانتے ہیں، کیا یہ اچھا ہے کہ میں اس بچے سے لڑنے جاؤں؟

حاکمِ شام نے کہا: پس کیا کریں؟

ابن شعثاء نے کہا: میرے سات بیٹے ہیں، ان میں سے ایک کو اس کی طرف

بھیجتا ہوں تا کہ اُسے قتل کرے۔

حاکمِ شام نے کہا: ایسا ہی کرو۔

ابن شعثاء نے اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹا اس جوان کے مقابلے میں بھیجا۔ اور تھوڑا وقت نہیں گزرا تھا کہ اس کا بیٹا قتل ہو گیا۔ ابنِ شعثاء نے اپنا دوسرا بیٹا بھیجا اور وہ بھی اس جوان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس نے پھر تیسرا بھیجا، پھر چوتھا بھیجا، یوں ایک ایک کر کے بھیجتا رہا اور وہ قتل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ سب کے سب اس ناشناس نوجوان کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

اس وقت ابنِ شعثاء خود میدان میں اُترا اور چیخ مار کر کہا:

أَيُّهَا الشَّابُّ قَتَلْتَ جَمِيعَ أَوْلَادِي
وَ اللهِ لَأُثْكِلَنَّ أَبَاكَ وَ أُمَّكَ

"اے جوان! تم نے میرے سارے بیٹوں کو قتل کر دیا۔ خدا کی قسم! ضرور تمہاری ماں اور تمہارے والد کو تمہاری صفِ عزاء میں بٹھاؤں گا"۔

ابنِ شعثاء نے اس نوجوان پر حملہ کیا اور ان کے درمیان چند ضربیں رد و بدل ہوئیں۔ اس وقت اس نوجوان نے ایسی ضربت ابنِ شعثاء کے سر پر ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور اس کو اس کے بیٹوں سے ملحق کر دیا۔ اور حاضرین نے اس کی شجاعت سے تعجب کیا۔

اس وقت امیر المؤمنین علیہ السلام نے آواز دی: اے بیٹے! پلٹ آ، مجھے خوف ہے کہ کہیں دشمن تجھے نظرِ بد نہ لگائیں۔

وہ پلٹا تو امیر المومنین علیہ السلام اس کے استقبال کے لئے گئے اور نقاب کو اس کے چہرے سے ہٹایا اور دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

جب حاضرین نے نگاہ کی اور دیکھا کہ وہ تو قمر بنی ہاشم حضرت عباس علیہ السلام ہے۔[1]

پس! یہ ماجرا واضح کرتا ہے کہ عباس علیہ السلام، عمر کے اس حصے میں بھی شجاعت کی اس منزل پر فائز تھے کہ ہزاروں پہلوانوں سے ایسے ہی جنگ کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ حوادثِ عاشوراء میں آپؑ حدوداً ۳۴ سالہ تھے۔

اگر انہوں نے یہ دعویٰ کیا تو یہ باطل دعویٰ نہیں تھا۔ اگر یہ کفار و فجار (اس کی اپنی تعبیر کے مطابق کہ) فرمایا:

لَوقَعتُ عَلَيكُم كَالسَّقرِ الغَضبَانِ عَلَى عَصَافِيرِ الطَّيَرَانِ.

"اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تم پر اس طرح حملہ کرتا جیسے کہ عقاب غضبناک ہو کر اُڑتا ہوا چڑیوں پر حملہ کرتا ہے اور تم کو چیر پھاڑ دیتا"۔

وَلَفَدَيتُ بِالهَامَّاتِ لِسَيِّدِ البَرِيَّاتِ دُونَ الحَيَوَانَاتِ..

"میں قربان کردوں اپنا سب کچھ اپنے مولاؑ پر جو کہ اس پوری کائنات پر بسنے والے انسانوں اور حیوانوں کے سردار ہیں۔۔۔"

ب: تربیت:۔

حضرت اباالفضل العباس علیہ السلام کی بہرہ مندی از نظر وراثت پھر وہ والد کی طرف سے ہو یا والدہ کی طرف سے ہو، معلوم ہے۔

اس کے بعد دوسرا قضیہ مسئلہ تربیت ہے۔ اس بزرگوار نے فضائل سے بھرپور

۱۔ محمد مہدی مازندرانی، معالی السبطین = ج۱، ص ۴۳۸؛ علامہ بیرجندی، کبریت احمر = ص ۳۸۵، ۳۸۶

ماں فاطمہ کلابیہ سلام اللہ علیہا کے دامن میں اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام جیسے والد بزرگوارؑ کی آغوش میں تربیت پائی اور وہ بھی دو امامؑ بزرگوار اور دو سبطِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دو گوشوارۂ عرشِ الٰہی یعنی امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تربیت پائی اور انفاس قدسی سید الساجدین حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام سے بہرہ ور ہوئے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے فیض ملاقات پایا (جو کربلا میں موجود تھے اور حدوداً پانچ سال کے تھے)۔

آپؑ نے پانچ آئمہ علیہم السلام کو درک کیا اور خصوصاً امیر المؤمنین علیہ السلام سے تعلیم حاصل کی۔

هُوَ البَحرُ مِن أَيِّ النَّوَاحِي أَتَيتَهُ
فَلُجَّتُهُ المَعرُوفُ وَالجُودُ سَاحِلُهُ

"وہ ایسا دریا ہے جس طرف سے بھی آؤ (دیکھو گے)۔ اس کی امواج نیکیاں ہیں اور اس کے ساحل جود و کرم ہیں"۔

یہ عزیز والا شان اپنے والد بزرگوارؑ کے پسندیدہ تھے کہ جب اپنے بستر میں سوئے تھے تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے اٹھایا اور سینے سے لگایا اور فرمایا:

وَلَدِي وَ سَتَقِرُّ عَينِي بِكَ فِي يَومِ القِيَامَةِ.[1]

"میرے بیٹے! بہت جلد قیامت کے دن تیرے دیدار سے میری آنکھیں روشن ہوں گی"۔

حضرت اباالفضل العباس علیہ السلام کی اس طرح مکتب ولایت و توحید میں تربیت ہوئی ہے کہ سوائے رضائے الٰہی اور خوشنودی اولیائے الٰہی اور ان ذواتِ مقدسہ کی مدد

۱۔ معالی السبطین = ج۱ ص ۲۵۴

کے لئے، اپنے تمام وجود میں کسی اور چیز کی طرف فکر نہیں کرتے تھے اور علی الخصوص خود کو سید الشہداء علیہ السلام کے لئے وقف مانتے تھے اور ہمیشہ اس دن کے انتظار میں تھے کہ اپنی جان کو مولا حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں قربان کریں اور ہرگز اپنے والد بزرگوارؑ کی وصیت کو امام حسین علیہ السلام کی مدد کے بارے فراموش نہ کیا۔

روزِ عاشورا اپنے بھائیؑ کے پاس آئے اور بہت زیادہ اصرار کیا کہ جنگ میں جانے کی اجازت دیں لیکن امام علیہ السلام اجازت نہیں دیتے تھے۔

آپؑ نے عرض کیا: صفین کے دن میدانِ جنگ کی طرف گیا اور بہت سی کوشش کے بعد جب غبار آلود صورت اور خشک لبوں کے ساتھ والد بزرگوارؑ کے پاس واپس آیا تو انہوںؑ نے مجھے اپنے نزدیک طلب کیا اور میرے چہرے سے غبار کو صاف کیا اور مجھ سے فرمایا:

جب کربلا کا ماجرا واقع ہوگا تو تمہارا بھائی حسین علیہ السلام صحرائے کربلا میں مدد طلب کرے گا تو اس کی مدد سے ہاتھ مت اٹھانا اور اپنی جان کو اس کے قدموں میں نثار کرنا۔[1]

فدیہ لغت میں اس چیز یا مال کے معنی میں ہے کہ جسے انسان دے کر اپنی یا دوسرے کی جان محفوظ کر سکے۔ مثلاً ایک گوسفند حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے منیٰ میں آیا اور یہ اس لئے تھا کہ اسماعیل علیہ السلام زندہ رہے۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے خود کو اور اپنے تین بھائیوں اور دو بیٹوں بنام محمد و عبداللہ[2] کو اپنے وقت کے امام حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام پر قربان کیا۔

1۔ تذکرۃ الشہداء = ص ۲۵۵

2۔ اعیان الشیعۃ = ج ۱، ص ۶۱۰

جی ہاں! امام حسین علیہ السلام کے فدیہ یہ ہیں۔

اگر کوئی مکتبِ قرآن و ولایت میں تربیت ہوا ہو تو اپنی تمام ظاہری و باطنی ہستی سے خود کو کلمہ توحید و ولایت میں مخلصانہ انداز میں اپنے محبوب کے محضر اپنی جان کو فدا کرتا ہے اور اُن کا ہدف سوائے امام مفترض الطاعۃ و معصوم و ہدایتِ خلق کے امر احیاء کے علاوہ کچھ نہیں۔

او تربیت از ساقی کوثر دیدہ است — از باغ شہامت علیؑ گل چیدہ است
انگار کہ گلبرگ رخ ماہش را — در عطر گل محمدی پیچیدہ است

"اس نے ساقیٔ کوثر سے تربیت لی ہے، علی علیہ السلام کے شہامت کے باغ سے گلوں کو چنا ہے، جیسا کہ اس کے چاند جیسے چہرے کی گلبرگی عطر محمدیؑ سے بنی ہوئی ہے"۔

=====❖=====

وہ قوم جو بچپن سے ہی موت سے کھیلتی ہے

اَتُخَوِّفُونَ قَوماً يَلعَبُ بِالْمَوتِ فِي الطُّفُولِيَّةِ فَكَيفَ كَانَ فِي الرُّجُولِيَّةِ؟

"تم ایسے لوگوں کو ڈراتے ہو جو بچپن ہی سے موت سے کھیلتے ہوں"۔

یہ جملہ معترضہ ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام دو مذکور جملوں کے درمیان (۲۔۶ باب میں) بیان فرمایا ہے۔

خاندانِ رسالت کہ خداوندِ متعال کی طرف سے کلمہ توحید کی ترقی اور آئینِ مقدس اسلام کی حفاظت کے لئے جو فریضہ اُن کے سپرد کیا گیا ہے اور آلِ محمد علیہم السلام وہ نہیں ہیں کہ اپنی جان کی پرواکرتے ہوں یا اپنی دنیا کا فائدہ سوچتے ہوں اور موت کا خوف رکھتے ہوں۔ اور ان میں چھوٹا بڑا فرق نہیں کرتا بلکہ اس میں سب برابر ہیں۔

مرحوم نیر تبریزی نے کتنا اچھا بیان کیا ہے جو امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں اپنے اطرافیان سے فرمایا تھا۔

اشعار نیر تبریزی:۔

گفت ای گروہ هر که ندارد هوای ما — سر گیرد و برون رود از کربلای ما
نادادہ تن به خواری و ناکردہ ترك سر — نتوان نهاد پای به خلوتسرای ما
تا دست و رو نشسته به خون، می نیافت کس — راه طواف بر حرم کبریای ما

این عرصه نیست جلوه گه روبه و گراز — پای ما شیر افکن است بادیه ی ابتلای ما
همراز بزم ما نبود طالبان جاه — بیگانه باید از دو جهان آشنای ما
بر گردد آن که با هوس کشور آمده — سر ناورد به افسر شاهی گدای ما
ما را هوای سلطنت مُلك دیگر است — کاین عرصه نیست خور فرّ همای ما
یزدان ذوالجلال به خلوتسرای قدس — آراسته است بزم ضیافت برای ما
برگشت هر که طاقت تیر و سنان نداشت — چون شاه تشنه، کار به شمر و سنان نداشت

"فرمایا: اے وہ گروہ جو ہم سے سروکار نہیں رکھتے جس کو ہم سے کوئی عشق نہیں وہ سر اٹھائے اور باہر جائے ہماری کربلا سے، اپنی خواری کو نہ دیکھتے ہوئے سر کو ترک نہ کرتے ہوئے (سر دینا پڑے گا)، اس کے بغیر جو ہے ہماری خلوت سرا میں پاؤں نہ رکھے، جب تک ہاتھ اور چہرہ دھل نہ جائے خون سے تب تک حرم کبریائی کا طواف ممکن نہیں ہے اس کو راہ نہیں ملے گی، یہ جگہ ایسی نہیں ہے کہ ہر جانور آجائے، یہ ہمارا راستہ وہ ہے جہاں شیر بھی ٹوٹ جاتے ہیں اس کی ابتلا سے، ہماری بزم کے راز دار وہ نہیں ہو سکتے جو جاہ و منصب کے مالک ہوں، بیگانہ رہے ہماری آشنائی کے جہان سے، ہمیں ایک معنویت اور روحانی ملک کی حکومت کی ضرورت ہے اس ملک کی نہیں ہمیں، دوسرے ملک کے سلطنت کی خواہش ہے، یہ ملک کیا ہے جس میں ہم آ کے قدم رکھیں اور بادشاہی کریں، جس کو بھی نیزے اور تیر جھیلنے کی طاقت نہیں تھی کہ لوٹ گیا، کیونکہ امام حسین علیہ السلام پیاسے بادشاہ، شمر و سنان ملعون سے کوئی کام نہیں رکھتے تھے"۔

=====❖=====

احراقِ بیت اور مظلومیتِ سیّدہ سلام اللہ علیہا

پس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد شہید اوّل جو مظلومانہ طور پر شہید ہوا، وہ بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کا بیٹا محسن ابنِ علی علیہ السلام تھا۔

ظالم غاصبوں نے حقوقِ اہل بیت علیہم السلام کو غصب کرنے کے لئے سقیفہ میں اجتماع کیا اور اہل بیت علیہم السلام کے درمیان میں رہنے کی ہر سند کے ٹکڑے کئے۔ ان حقوق میں سے حق امیر المؤمنین علیہ السلام اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے عمال کو زمین فدک سے بے دخل کرنا ہے۔

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے گھر کے دروازہ پر آگ لگائی اور نامردانہ ہجوم لیکر بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے دروازہ پر آئے اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کو در و دیوار کے درمیان چسپاں کیا اور اتنا زور دیا کہ بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی پسلیاں توڑ دی گئیں اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کا چھ ماہ کا بچہ شہید کر دیا گیا جو دَر واقع راہِ ولایت امیر المؤمنین علیہ السلام کا پہلا شہید ہے۔ میری نظر میں راہِ ولایت کے پہلے شہید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کیونکہ اعلان ولایت کے بعد سب سے پہلے انہیں زہر دیا گیا۔

قَالَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ لِأَهْلِ بَيْتِهِ إِنِّي أَمُوتُ بِالسَّمِّ كَمَا مَاتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ فَقَالَ لَهُ أَهْلُ بَيْتِهِ وَ مَنِ الَّذِي

يَسُمُّكَ قَالَ جَارِيَتِي أَوْ اِمْرَأَتِي۔ [1]

"امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: بیشک میں زہر کے ذریعے شہید کیا جاؤں گا، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کئے گئے۔ ان کے اہل بیت علیہم السلام نے ان سے پوچھا = کون ہے جو آپؑ کو مسموم کرے گا۔ فرمایا: میری زوجہ یا کنیز"۔

اس کے علاوہ بہت زیادہ عامہ اور خاصہ کی روایات ہیں جو اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زہر سے شہید ہوئے)۔

اور عجیب ہے کہ علمائے اہلسنت مثل ابن ابی الحدید معتزلہ شارح نہج البلاغہ، ان تلخ تاریخی واقعات کا اعتراف کرتے ہیں لیکن تمام مذبوحان کوشش کرتے ہیں کہ ان کی جنایتوں کو پسِ پشت ڈال کر ان کے واقعات کو اسلام کی بقاء کیلئے بعنوانِ ماموریت قلمداد کریں۔

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کا دروازہ جلانا اور ان کا قتل ابن ابی الحدید کی نظر میں چھوٹا (صغیرہ) گناہ ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے =

وَأَمَّا حَدِيثُ الْإِحْرَاقِ فَلَوْ صَحَّ لَمْ يَكُن طَعنًا عَلَى عُمَرَ لِأَنَّ لَهُ أَن يُهَدِّدَ مَنِ امتَنَعَ مِنَ الْمُبَايَعَةِ۔ [2]

اور ثانی کا بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے گھر ہجوم لیکر جانا اور دروازہ جلانا اگرچہ ثابت بھی ہو جائے تو کیا مانعیت رکھتا ہے؟"

۱۔ المناقب = ج ۴، ص ۸ ؛ بحار الانوار، الجامعة لدرر اخبار الأئمة الأطهار علیہم السلام = ج ۴۴، ص ۳۴۲؛ الخرائج والجرائح = ج ۱، ص ۲۴۱

۲۔ شرح نہج البلاغہ = ج ۱۶، ص ۲۷۲

ابنِ حدید کہتا ہے= ثانی پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ تو حکومتِ وقت کا نمائندہ تھا اور اُس کا حق ہے کہ جو بیعت کرنے سے انکار کریں، ان کو قتل کے لئے ڈرایا جائے۔

اور دوسری جگہ پر یہ ثانی پرست لکھتا ہے:

یہ صحیح ہے کہ اوّل اور ثانی نے بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا سے خیانت کی اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا نے وصیت کہ وہ دونوں بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا پر نماز نہ پڑھیں اور ان سے دلِ پُردرد کے ساتھ دنیا سے گئیں۔ لیکن انہوں نے اپنی تشخیص کی ہوئی راہ صلح کو اختیار کیا اور ان کے خلاف سوئے ظن نہیں رکھنا چاہیے۔

وہ از نظر دینی بہت قوی اور مرتبہ میں بہت بلند تھے اور ہمارے زمانے میں ان کی مصالح زمانی کو اس زمانے میں دَرک نہیں کر سکتے۔ یہ ثابت ہے کہ انہوں نے خطا کی ہے۔ تو یہ خطائیں اتنی اہم نہیں ہیں سوائے گناہانِ صغیرہ کے جو بخشش کے قابل ہیں۔ اور یہ ان کی ولایت سے دوری کا سبب نہیں بنتے۔[1]

پس! خدا لعنت کرے اُن پر، جو ایسے مظالم کی اپنی طرف سے توجیہ کر رہے ہیں اور اُن کے بارے میں اُن کے اعمال کو معمولی اعمال بتا رہے ہیں کہ وہ خود بھی جنہوں نے یہ اعمال انجام دیئے ہیں، اپنے اعمال کی ایسی توجیہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

اگر ہم چاہیں کہ ابنِ ابی الحدید اور اس جیسوں کو جواب دیں تو اس مقام پر ہم اپنے اصلی ہدف سے دور چلے جائیں گے۔ اور الحمد للہ علماء و محققینِ شیعہ نے طولِ تاریخ سے اب تک بہترین منطق اور قوی استدلال سے جو انہی کی کتابوں سے ماخوذ

۱۔ شرح نہج البلاغہ= ج ۶ ص ۵۰

ہیں، انہی کے اقوال سے ان پر فراری کے سارے راستے بند کر دیئے ہیں جو اہلِ تحقیق سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

ابن ابی الحدید اور اس جیسے شیخین کے مظالم بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی نسبت قبول کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی مختلف کتب میں دیکھا ہے اور ان کو یقین ہو گیا کہ بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا نے وصیت کی تھی کہ وہ دونوں افراد بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے جنازے پر نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ آپؑ انہیں اس قابل ہی نہیں سمجھتی تھیں اور غیر مسلم کا ان کے جنازے میں حاضر ہونا جائز نہیں سمجھتی تھیں۔

اس حال میں کہتے ہیں = انہوں نے اچھا کام کیا اور مصلحت کا انتخاب کیا۔

پس! موت ہو ایسی مصلحت پر۔

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کو قتل کرنا بہترین انتخاب کس قاموس میں ہے؟؟

جی ہاں! فرہنگِ ظلم کے قاموس میں ہے۔

ظلم بہترین حربہ ہے، ان کو اپنے شوم مقاصد کے لئے کرسی پر بٹھانے کا۔

سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جو روحِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ وہ سیدہ سلام اللہ علیہا جو قرۃ العین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جسم کا ٹکڑا ہیں۔

وہ سیدہ سلام اللہ علیہا کہ جس کے دیدار سے ہر روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدرت حاصل کریں۔

وہ سیدہ سلام اللہ علیہا جو انسانی حقیقت میں حوریہ ہیں۔

وہ سیدہ سلام اللہ علیہا جو اللہ کی ناموس کبریٰ ہے۔

ابن ابی الحدید اور اس جیسوں کے ناپاک مقاصد جس کو وہ مصلحت کہتے ہیں، قابیل کے ظلم سے لیکر اور مبداء سے لیکر آخری ظلم تک، جو امام منتقم آلِ محمد حضرت حجۃ ابن الحسن

ابنِ حدید کہتا ہے= ثانی پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ تو حکومتِ وقت کا نمائندہ تھا اور اُس کا حق ہے کہ جو بیعت کرنے سے انکار کریں، ان کو قتل کے لئے ڈرایا جائے۔

اور دوسری جگہ پر یہ ثانی پرست لکھتا ہے:

یہ صحیح ہے کہ اوّل اور ثانی نے بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا سے خیانت کی اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا نے وصیت کہ وہ دونوں بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا پر نماز نہ پڑھیں اور ان سے دلِ پُردرد کے ساتھ دنیا سے گئیں۔ لیکن انہوں نے اپنی تشخیص کی ہوئی راہ صلح کو اختیار کیا اور ان کے خلاف سوئے ظن نہیں رکھنا چاہیے۔

وہ ازنظر دینی بہت قوی اور مرتبہ میں بہت بلند تھے اور ہمارے زمانے میں ان کی مصالح زمانی کو اس زمانے میں دَرک نہیں کرسکتے۔ یہ ثابت ہے کہ انہوں نے خطا کی ہے۔ تو یہ خطائیں اتنی اہم نہیں ہیں سوائے گناہانِ صغیرہ کے جو بخشش کے قابل ہیں۔ اور یہ ان کی ولایت سے دوری کا سبب نہیں بنتے۔[1]

پس! خدا لعنت کرے اُن پر، جو ایسے مظالم کی اپنی طرف سے توجیہ کررہے ہیں اور اُن کے بارے میں اُن کے اعمال کو معمولی اعمال بتارہے ہیں کہ وہ خود بھی جنہوں نے یہ اعمال انجام دیئے ہیں، اپنے اعمال کی ایسی توجیہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

اگر ہم چاہیں کہ ابنِ ابی الحدید اور اس جیسوں کو جواب دیں تو اس مقام پر ہم اپنے اصلی ہدف سے دور چلے جائیں گے۔ اور الحمد للہ علماء و محققینِ شیعہ نے طولِ تاریخ سے اب تک بہترین منطق اور قوی استدلال سے جو انہی کی کتابوں سے ماخوذ

1۔ شرح نہج البلاغہ= ج ٦، ص ٥٠

ہیں، انہی کے اقوال سے ان پر فراری کے سارے راستے بند کردیئے ہیں جو اہلِ تحقیق سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

ابن ابی الحدید اور اس جیسے شیخین کے مظالم بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی نسبت قبول کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی مختلف کتب میں دیکھا ہے اور ان کو یقین ہوگیا کہ بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا نے وصیت کی تھی کہ وہ دونوں افراد بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے جنازے پر نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ آپؑ انہیں اس قابل ہی نہیں سمجھتی تھیں اور غیر مسلم کا ان کے جنازے میں حاضر ہونا جائز نہیں سمجھتی تھیں۔

اس حال میں کہتے ہیں= انہوں نے اچھا کام کیا اور مصلحت کا انتخاب کیا۔

پس! موت ہو ایسی مصلحت پر۔

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کو قتل کرنا بہترین انتخاب کس قاموس میں ہے؟؟

جی ہاں! فرہنگِ ظلم کے قاموس میں ہے۔

ظلم بہترین حربہ ہے، ان کو اپنے شوم مقاصد کے لئے کرسی پر بٹھانے کا۔

سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جو روحِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ وہ سیدہ سلام اللہ علیہا جو قراۃ العین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جسم کا ٹکڑا ہیں۔

وہ سیدہ سلام اللہ علیہا کہ جس کے دیدار سے ہر روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدرت حاصل کریں۔

وہ سیدہ سلام اللہ علیہا جو انسانی حقیقت میں حوریہ ہیں۔

وہ سیدہ سلام اللہ علیہا جو اللہ کی ناموس کبریٰ ہے۔

ابن ابی الحدید اور اس جیسوں کے ناپاک مقاصد جس کو وہ مصلحت کہتے ہیں، قابیل کے ظلم سے لیکر اور مبداء سے لیکر آخری ظلم تک، جو امام منتقم آلِ محمد حضرت حجۃ ابن الحسن

المہدی روحی وارواح لہ الفداء علیہ السلام کے ہاتھوں ختم ہوگا، ان سب سے یہ ظلم بڑا ہے۔

ابن ابی الحدید اور اس جیسوں سے کہا جائے گا کہ کون سی مصلحت؟ آیا مصلحت یہ تھی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو اس امت کی رہبری کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس طرح پسِ پشت ڈال دیا جائے؟

اور غاصبین مقام خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہدافِ شوم کو میدان میں اتارا جائے؟ کس دلیل پر؟

آیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مصلحتِ اُمت کو جانتے تھے؟ مصلحت یہ تھی کی قولِ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جامۂ عمل پہنایا جاتا یا ان کے مخالفین کے قول کو؟

اچھا ہے کہ خود تم پر ثابت ہوا کہ وہ ان خطاؤں کے مرتکب ہوئے[1]، پھر بھی کہتے ہو کہ یہ زیادہ اہم نہیں ہے؟

پس! کون سا واقعہ اہم ہے؟

گناہِ کبیرہ کیا ہے جو کہہ رہے ہو کہ سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور محسن علیہ السلام کو شہید کرنا گناہِ صغیرہ ہے اور قابلِ بخشش ہے؟ کیا تم بخشو گے یا خدا؟

مگر یہ قرآن کی آیت نہیں ہے جو فرما رہا ہے:

وَمَن يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيمًا۔[2]

۱۔ یہ ج ۱۶ ص ۲۸۳ میں درج ہے اور لکھتا ہے: قَدْ بَيَّنَّا اَنَّ خَبَرَ الْاِحْرَاقِ قَدْ رَوَاهُ غَيْرُ الشِّيعَةِ۔
"ہمارے لئے اس طرح روشن ہوئی دروازہ جلانے کی داستان کہ اس کو غیر شیعہ نے بھی نقل کیا ہے"۔

۲۔ سورہ النساء = آیت ۹۳

"اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور ایسے شخص کے لئے اس نے ایک بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

آیا سیّدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا مومنہ نہ تھیں (نعوذ باللہ) جب کہ ایک معمولی سا مومن یہ سب حرمتیں رکھتا ہے کہ اُس کا قتل جہنم اور عذابِ شدید ابدی میں داخل ہونے کا سبب بنتا ہے۔ تو کس بناء پر اور کہاں سے کہہ رہے ہو کہ ان کا گناہ صغیرہ ہے۔ اگرچہ انہوں نے سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو قتل ہی کیا ہو؟ اُف ہے اس تعصب اور جہالت پر!!

پس! اس مطلب کو ہم اللہ پر چھوڑتے ہیں۔ مولائے کائناتؑ کی دعا کے آخری جملے کے ذکر سے، جو آپؑ نے دعائے "صنمی قریش"[1] میں فرمایا تھا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام ۲۶ سال ان کے مظالم کے ہاتھوں آنکھوں میں خار اور گلے میں ہڈی رکھے رہے، اس پر ختم کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں =

اَللّٰهُمَّ عَذِّبْهُمْ عَذَاباً يَسْتَغِيثُ مِنْهُ أَهْلُ النَّارِ آمِينَ رَبَّ الْعَالَمِينَ۔

۱۔ کتاب بحار الانوار = ج ۸۲، ص ۲۶۰ میں اس دعا کو کتاب "بلد الامین" اور "جنۃ الامان" سے نقل کیا ہے۔ آخر دعا میں مرحوم مجلسیؒ لکھتے ہیں = "مصباح کفعمی" سے نقل ہوئی ہے کہ دعائے صنمی قریش ایک ایسی دعا ہے جو عظیم الشان اور بلند منزلت کی حامل ہے اور اسرار مشکلہ اور بہترین اذکار سے ہے۔ عبداللہ بن عباس امیر المؤمنینؑ سے نقل کرتا ہے = امیر المؤمنینؑ اس کو نماز کے قنوت میں پڑھتے تھے اور رات، دن اور سحر میں یہ پڑھتے تھے۔ بعض علماء نے کہا ہے = اس دعا کا پڑھنا حوائج کے پورا ہونے کیلئے مجرب عمل ہے۔ روایت ہوئی ہے = یہ دعا اس کے مانند ہے جیسے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکاب میں جنگ بدر و حنین میں دس لاکھ تیر دشمن کی طرف پھینکے ہوں۔

"خدایا! اس طرح ان پر شدید عذاب بھیج کہ اہلِ جہنم بھی ان کے عذاب سے استغاثہ کریں۔ آمین پروردگارِ عالم"۔

جی ہاں! اس خاندان میں سے دین اور قرآن کی سلامتی کیلئے کسی نے بھی سالم جان نہ پائی اور یہ محسن علیہ السلام ہیں کہ جنہوں نے راہِ ولایت میں شہادت کے باب کا افتتاح کیا۔

ایک نوزاد جو خیمہ کے دروازہ پر شہید ہوا:۔

اس خاندان کے بچوں میں سے جس نے موت کو مسکراتے ہوئے قبول کیا اور موت سے کھیلا، وہ عبداللہ بن الحسینؑ ہیں کہ جنہوں نے عاشورا کی ظہر کو آنکھیں کھولیں اوران کی ولادت سے شہادت کا عرصہ ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں تھا۔

پس! امام حسین علیہ السلام اپنے انصار کی شہادت کے بعد خیامِ حرم کی طرف تشریف لے گئے اور گھوڑے سے اُترے اور خیمہ کے دروازے پر بیٹھے تو اس وقت نوزاد جو اسی وقت دنیا میں آیا تھا، اُسے امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں میں دیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اُن کے کانوں پر اذان واقامت کہی۔

اس کے بعد اس طفل کو آغوش میں لیا اور اپنی زبان مبارک کو اس کے دہان میں دیا۔ ابھی چاہا ہی تھا کہ اس نوزاد کو وداع کے لئے بوسہ دیں کہ عبداللہ بن عقبہ الغنوی ملعون نے ایک تیر کمان سے نکالا اور وہ تیر اس کے نازک گلو میں پیوست ہوگیا اور امام حسین علیہ السلام کے دامن میں ہی اُن کا سر کٹ گیا۔

شاعر، عرب زبان سید حیدر کہتا ہے:

لہ اللہُ مَفطُوراً مِنَ الصَّبرِ قَلبُہُ   وَلَو کَانَ مِن صُمِّ الصَّفَا لَتَفَطَّرَا

وَمُنعَطِفاً أَھوَیٰ لِتَقبِیلِ طِفلِہِ   فَقَبَّلَ مِنہُ قَبلَہُ السَّھمُ مَنحَرًا۔[1]

"خدا کی قسم! اس کا دل (تحمل) صبر سے شگافتہ ہوا، کہ اگر وہ دل، خارا پتھر سے ہوتا تو متلاشی ہوجاتا، امام حسین علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اپنے بچے کا بوسہ دیں، لیکن امام حسین علیہ السلام کے بوسہ دینے سے پہلے سہ شعبہ تیر نے اسکے گلو کا بوسہ دیا"۔

❖ ۔۔زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں آیا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلیٰ عَبدِ اللہِ بنِ الحُسَینِ الطِّفلِ الرَّضِیعِ.... المَذبُوحُ بِالسَّھمِ فِی حِجرِ أَبِیہِ، لَعَنَ اللہُ رَامِیَہُ۔[2]

"سلام ہو عبداللہ فرزند امام حسین علیہ السلام طفل شیرخوار پر، کہ اس کا سر دشمن کے تیر کے وسیلے سے آغوشِ پدر میں ذبح ہوگیا، خداوند تعالیٰ ان کے قاتل پر لعنت کرے"۔

۱۔ معالی السبطین = ج ۱ ص ۲۵۹

۲۔ بحار الانوار = ج ۵۴ ص ۶۶

دلائل فضیلت

قارئین محترم! ممکن ہے کہ اپنے ذہن میں گمان کریں کہ وہ ایک گھنٹے کا شہید" یا" "جناب محسن علیہ السلام" اپنی شہادت پر اختیار نہیں رکھتے تھے اور وہ تو میدانِ جنگ میں جانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور والد بزرگوارؑ کی آغوش میں مظلومانہ شہادت پائی تو پھر ان کے لئے کیسے کسی فضیلت کا تصور کر سکتے ہیں؟؟۔

تو اس کے جواب میں لازماً کہا جائے گا:

اولاً:۔

ان عزیزوں کی شہادت امام حسین علیہ السلام یا امیر المؤمنین علیہ السلام اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی مظلومیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اسی طرح جس طرح "جرجی زیدان مسیحی" کے کلام میں اِسی کتاب کے ص ۳۰۰ پر آئے گا۔

ثانیاً:۔

امامِ زمان علیہ السلام جو حجتِ بالغہ حکیم علی الاطلاق ہیں وہ عبث کام انجام نہیں دیتے اور نہ ہی کوئی فضول کلام کرتے ہیں۔

یہ موضوع ہم شیعیان کے عقائد کے مسلمات میں سے ہے اور اس پر ہمارے

پاس ہزاروں عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں۔

اگر عبداللہ بن الحسین علیہ السلام اس شہادت کے ساتھ صاحبِ فضیلت نہ ہوتے تو حضرت بقیۃ اللہ الاعظم روحی وارواح لہ الفداء العالمین علیہ السلام ان کو شہدائے کربلا کی ردیف میں کبھی نہ لاتے۔

ہم یقیناً مختلف اسرار کے موضوع کو اس طرح جس طرح سمجھنا چاہیے تھا، نہیں سمجھتے لیکن یہ اس سے نہیں ہے کہ ہم اپنے جہل کی وجہ سے اصل حقیقت اور اَسرار و رموز کا انکار کریں، وہ شہداء کی اسی ردیف میں ہیں۔

❖ ۔۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے صفوان جمال سے فرمایا:

کنار قبور اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر یوں کہو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَنْصَارَ أَبِي عَبْدِاللهِ بِأَبِي أَنْتُمْ وَ أُمِّي طِبْتُمْ وَ طَابَتِ الْأَرْضُ الَّتِي فِيهَا دُفِنْتُمْ وَ فُزْتُمْ فَوْزًا عَظِيمًا فَيَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَكُمْ فَأَفُوزَ مَعَكُمْ۔[1]

"سلام ہو آپؑ پر اے اباعبداللہؑ کے باوفا مددگار! میری اور میرے ماں باپ کی جان آپؑ پر فدا ہو۔

سعادت ہو آپؑ کیلئے اور اس سرزمین کیلئے جس میں آپؑ دفن ہوئے، خدا کی قسم! آپؑ بہت بڑی کامیابی پر پہنچ گئے = کاش! میں بھی آپؑ کے ساتھ اس روزِ عظیم پر نائل ہوتا"۔

مظہرِ صفات و مظہرِ امرِ خدا امام جعفر صادق علیہ السلام اس طفلِ شیر خوار کو امام حسین علیہ السلام

---

[1] مفاتیح الجنان = آخر زیارت مطلقہ امام حسینؑ

کے ناصرین کے عنوان سے یاد فرماتے ہیں۔

اور اس صِغَر و بچے نے امام حسین علیہ السلام کی صدائے استغاثہ پر حرکت کی لیکن تاریخ لکھنے والوں نے اس کے اِس عمل کی ظرافت پر یا تو توجہ نہیں دی یا پھر کینہ کی وجہ سے اس سے صرف نظر کیا۔

حضرت محسن علیہ السلام کے بارے میں بھی اس قدر مسلم اسرار و حقائق موجود ہیں جو خاندانِ رسالت علیہم السلام کے غیر پر پوشیدہ ہیں۔

امید ہے کہ حضرت بقیۃ اللہ الاعظم روحی و اَرواح الفداء العالمین علیہ السلام ظہور کریں گے اور مخلوق کی آنکھوں سے پردۂ جہالت کو ہٹائیں گے اور سب کو حقائق و اسرار سے آگاہ فرمائیں گے۔

چھ ماہ کی قربانی:۔

چھ ماہ کے حضرت علی اصغر علیہ السلام ابنِ حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان بچوں میں سے ہیں، جنہوں نے شہادت کا استقبال کیا۔

واعظ قزوینی لکھتا ہے:[1]

"جب صدائے استغاثۂ امام حسین علیہ السلام، شہزادۂ علی اصغر علیہ السلام کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے اپنی قوت و شجاعت کے ساتھ جو انہوں نے اپنے دادا علی علیہ السلام سے وراثت میں لی تھی، اس طاقت سے اپنے بندِ قنداق کو پارہ کیا اور خود کو گھوارہ سے باہر پھینک دیا اور اُن کا نالہ بلند ہوا اور زبان کی استعداد اور قابلیت سے عرض کیا:

[1] ریاض القدس= ج ۲، ص ۱۰۲ با تلخیص

لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ یَابْنَ رَسُولِ اللهِ۔

اس طفل کے نالہ وصدائے گریہ سے مخدراتِ حرم کی صدائیں بلند ہوئیں۔

امام حسین علیہ السلام نے ان کی صدائے گریہ اور زاری کو سنا تو خیمہ کے طرف پلٹے اور اپنی خواہر گرامیؑ سے گریہ کا سبب پوچھا تو بی بی سلام اللہ علیہا نے گریہ کا سبب مولاؑ کو بتایا۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اس کو میرے پاس لاؤ۔

امام حسین علیہ السلام شہزادےؑ کو میدان کے درمیان لے کر آئے اور پانی طلب کیا اور فرمایا:

أَمَا تَرَوْنَهُ كَيْفَ يَتَلَظّٰى عَطَشاً ...

"کیا تم اس کو نہیں دیکھتے ہو کہ یہ پیاس سے کیسے اپنے ہونٹوں کو آپس میں ملاتا ہے؟"

لیکن ان نامردوں نے امام حسین علیہ السلام کا جواب زہر آلود تیر سے دیا۔

فَرَمَاهُ حَرْمَلَةُ بْنُ كَاهِلِ الْأَسَدِيِّ بِسَهْمٍ، فَوَقَعَ فِي نَحْرِهِ فَذَبَحَهُ فِي حِجْرِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَام مِنَ الْأُذُنِ إِلَى الْأُذُنِ وَ مِنَ الْوَرِيدِ إِلَى الْوَرِيدِ۔

"جب حرملہ نے شہزادےؑ کو زہر آلود تیر مارا، تو ایک کان سے دوسرے کان تک اور ایک رگ سے دوسری رگ تک والدؑ کی آغوش میں علی اصغر علیہ السلام ذبح ہوا"۔

پس! ذاکرینِ اہل بیت علیہم السلام کے درمیان یہ جملہ معروف ہے کہ جب تین شعبہ تیر حرملہ ملعون نے علی اصغر علیہ السلام کے گلوئے مبارک پر مارا تو شہزادے نے مسکراتے

ہوئے اپنے والد بزرگوارؑ کی طرف چہرہ کیا۔ پھر کیا راز یا اَسرار باپ اور بیٹے کے درمیان ردّ و بدل ہوئے، وہ صرف خدا جانتا ہے۔

شیر خوار تو به هنگام شهادت خندید
آن که بر مرگ زند خنده علی اصغر توست
"تیرا شیرخوارؑ شہادت کے وقت مسکرایا
جو موت پر ہنسے، وہ تیرا علی اصغر علیہ السلام ہے"

شہادتِ علی اصغر علیہ السلام کی تاثیر جرجی زیدان کے کلام میں:۔

مشہور مسیحی "جرجی زیدان" لکھتا ہے:

"اس شیرخوار بے گناہ کی شہادت نے امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کو دنیا پر ثابت کیا۔

اگر شہزادے کی شہادت نہ ہوتی تو یہ امکان تھا کہ بنی اُمیہ کے مبلغ موضوعِ کربلا کو لوگوں کے سامنے ایسے بیان کرتے اور کہتے =

حسین علیہ السلام اپنے اہل بیتؑ کے گروہ کے ساتھ اور اپنے انصار کے ساتھ مقامِ سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے ہم سے جنگ لڑنے آئے۔ اور ہم نے اپنے حقوق کے دفاع کے لئے اُن سے جنگ کی اور اس نتیجے میں اُن کے انصار قتل ہوئے لیکن ہم تو مجرم نہیں ہوئے۔

لیکن اب لوگ کیا کہتے ہیں = فرض کریں کہ حسین علیہ السلام اور ان کے انصار نے گناہ کیا، اور وہ جنگجو تھے لیکن طفلِ شیرخوار تو جنگ پر نہیں آیا تھا، اس نے تو کسی کو قتل نہیں کیا تھا تو پھر اس کو تیر مارنے کا کیا ہدف ہے؟ اور بے گناہ کے قتل میں اپنے ہاتھوں کو کیوں رنگین کیا گیا۔[1]

۱۔ بہ نقل از (زندگانی امام حسینؑ، ترجمہ: لہوف، سید ابن طاؤس، مترجم سید محمد صحفی = ص ۱۳۲

تین سالہ خرابہ نشین کی شہادت کی تاثیر

اس خاندانِ رسالتؐ کے بچوں میں سے کہ جو کربلا و کوفہ اور شام میں اپنے والد بزرگوارؑ اور پھوپھیؑ کے ساتھ راہِ خدا میں مشکلات میں ساتھ تھیں اور جان دینے تک قائم رہیں، وہ رقیہؑ بنتِ امام حسین علیہ السلام ہیں۔ (جن کو برصغیر میں عموماً بی بی سکینہ سلام اللہ علیہا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے)۔

وہ تین سالہ یتیمہ پانچ صفر ۶۱ ہجری میں اس وقت کہ جب ان کے تن پر لباسِ اَسیری پہنا ہوا تھا، شام کے زندان کے ایک گوشہ میں اس حال میں کہ پدرِ عزیزؑ کا کٹا ہُوا سرِ مبارک اپنی آغوش میں لیا ہوا تھا اور اس حال میں جامِ شہادت نوش کیا۔

خوابید در خرابه که تا کاخ ظلم را   با ناله ی یتیمی خود زیر و رو کند

"زندان میں سوئی اس لئے کہ ظلم کے محل کو اپنی یتیمی کے نالوں سے گرادے"۔

واقعی اسی طرح ہے کہ ابھی تک بھی ہر عاقل و عاشق ان کی تربتِ نورانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اپنا سر اُن کے آستانہ پر رکھ کر یزید اور اس کے پیروکاروں پر لعنت کرتا ہے اور اُس نے جتنا ظلم و ستم کیا، وہ دیکھ کر اظہارِ تنفر کرتا ہے۔

وہ اپنی پھوپھی بی بی عالیہ سلام اللہ علیہا اور خاندانِ رسالتؐ کے شہدا کے باز ماندگان

کے ساتھ سفرِ اُسارت پر کوفہ سے شام اور دوسرے شہروں کی طرف چلتی رہیں۔ اور اس بی بی سلام اللہ علیہا کی وجہ سے حقوقِ اہل بیت علیہم السلام کے غصب ہونے اور اپنے والد مقدسؑ کی عصمت کی گواہی لوگوں نے خود دی۔

یہ صحیح ہے کہ مصیبتِ اُسارت مصائب میں سب سے بڑی مصیبت ہے اور غیر معصومینؑ کے لئے قابلِ تصور نہیں لیکن ان ساری عظمتوں کے ساتھ آلِ محمد علیہم السلام نے اقوالِ حق کو صرف دشمنوں کو ہی نہیں بلکہ پورے عالم تک پہنچایا۔

حضرت رقیہ سلام اللہ علیہا نے جب اپنے والد امام حسین علیہ السلام کا بریدہ سر شام کے زندان میں اپنے سامنے دیکھا تو تو دل خراش اور حزین صداؤں کے ساتھ۔ "اس وقت کے شدت غم کے اثر سے ان کی جان لبوں تک پہنچی۔ "زبان پر کلمات جاری کئے جو دقیقاً شام و کوفہ کے مظالم کی منظر کشی کرتے تھے۔

سنگدلی کس حد تک؟:۔

امام حسین علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے جو کوفہ و شام کی راہوں میں اونٹ پر سوار تھیں، اس بی بیؑ نے اپنے والدؑ کی جدائی میں اور اپنے اہل بیتؑ کی مظلومیت پر صدائے نالہ بلند کیا اور اس قدر آنسو بہائے کہ اُن کی رُوح پرواز کر گئی۔

یزیدی لشکر کے موکلین میں سے ایک نے اس بی بیؑ سے کہا:

اُسْكُتِي يَا جَارِيَةَ! فَقَدْ آذَيْتِنِي بِبُكَائِكِ.

"اے کنیز! خاموش ہو جاؤ کیونکہ مجھے تیرے رونے سے اذیت ہوتی ہے"۔

اس بی بی سلام اللہ علیہا نے مزید رونا شروع کیا تو اس ملعون نے کہا:

اُسْكُتِي يَا بِنْتَ الْخَارِجِيِّ.

"اے خارجی کی بیٹی! خاموش ہو جاؤ"۔

اس ملعون سے یہ کلمات سننے کے بعد بی بی سلام اللہ علیہا نے اپنے باپؑ کے کٹے ہوئے سر کی طرف دیکھ کر فرمایا:

يَا أَبَتَاهُ قَتَلُوكَ ظُلْمًا وَعُدْوَانًا وَسَمُّوكَ بِالْخَارِجِيِّ.

"اے بابا جانؑ! آپؑ کو ازروئے ظلم و دشمنی قتل کیا گیا اور اب آپؑ کو خارجی اور بے دین کہتے ہیں"۔

اس ملعون نے جیسے ہی بی بی سلام اللہ علیہا سے یہ جملات سنے تو اُس نے بی بی سلام اللہ علیہا کو اونٹ سے نیچے گرا دیا۔[1]

اس قدر سنگدلی اور ظلم جس نے بھی ایمان اور تقویٰ کی خوشبو سونگھی ہوگی وہ یہی کہے گا کہ یہ مسلمان نہیں ہیں۔

پس! بجائے اس کے کہ وہ ان زخمی دلوں کو تسلی دیتے، وہ ملعون ان کی رُوح اور جان پر عذاب بنے ہوئے تھے۔

۱۔ معالی السبطین = ج ۲، ص ۸۱

عبداللہ ابن الحسن علیہ السلام کی شہادت

راہِ ولایت کے شہداء میں سے اس خاندان کے بچوں میں ایک بچہ عبداللہ ابن امام حسن علیہ السلام ہے، جس کی عمر کربلا میں گیارہ سال تھی اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی کربلا میں یاد تھی، جو تمام وجود سے اپنے مولاؑ اور چچاؑ پر ایثارِ جان کرتا ہے۔

وہ جو از حیثِ ظاہری چھوٹا اور نابالغ تھا، عورتوں کے خیام سے باہر آیا اور امام حسین علیہ السلام کے نزدیک کھڑا ہوا۔ بی بی عالیہ سلام اللہ علیہا نے خود کو اس تک پہنچایا کہ اسے بچالے لیکن اس بچے نے سختی سے منع کیا اور کہا:

"خدا کی قسم! اپنے چچا سے دور نہیں ہوں گا"۔

اس وقت بحر بن کعب نے ایک قول کے مطابق حرملہ بن کاہل لعنت اللہ علیہما نے اپنی تلوار سے امام حسین علیہ السلام پر وار کیا تو اس بچے نے کہا:

وائے ہو تجھ پر اے حرامزادے! آیا تم یہ چاہتے ہو کہ میرے چاچاؑ کو قتل کرو۔

لیکن اس ملعون نے اپنی ناپاک تلوار سے امامؑ پر حملہ کیا اور اس بچے نے اپنے ہاتھ سپر تلوار کئے اور اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس نے فریاد بلند کی: یَا اُمّاہ!۔ امام حسین علیہ السلام نے اس کو اپنی بانہوں میں لیا اور سینے سے چسپاں کیا اور فرمایا:

اے بھتیجے! اس مصیبت پر جو تم پر آئی ہے، صبر کرو اور اللہ سے خیر طلب کرو کیونکہ

اللہ عزوجل تمہیں اپنے اجداد صالحینؑ کے ساتھ ملحق کرے گا۔

اچانک حرملہ بن کاہل نے اس پر تیر مارا اور اس کو اپنے چچاؑ کے دامن میں شہید کر دیا۔[1]

حضرت علی اکبر علیہ السلام اور حضرت قاسم علیہ السلام کی نظر میں موت:۔

ان میں سے ایک اور نوجوان حضرت قاسم علیہ السلام برادر عبداللہ علیہ السلام ہیں جو امام حسن علیہ السلام کے سب سے بڑے فرزند ہیں۔

شہزادۂ قاسم علیہ السلام تیرہ سال کے تھے کہ جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے رکاب میں جام شہادت نوش فرمایا۔

امام حسین علیہ السلام نے شبِ عاشورا اہل بیت علیہم السلام اور اپنے اصحاب کو جمع کیا اور کل کی اپنی شہادت کی خبر دی اور فرمایا: شب کی تاریکی سے استفادہ کرو اور چلے جاؤ! میں نے وہ عہد اور بیعت جو تم سے لی تھی، اُسے تم سے اُٹھالیا ہے۔

صحابہ میں ہر کسی نے عرض کیا= خدا کا شکر ہے کہ جس نے آپؑ کے ساتھ ہماری موت کو گرامی کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے ان کو دعا دی اور بہترین جزا کی اللہ سے ان کے لئے درخواست کی۔

حضرت قاسم علیہ السلام نے عرض کیا= کیا میں بھی آپؑ کے ہمراہ شہیدوں کی ردیف میں ہوں؟۔

امام علیہ السلام کا دل ان کے لئے جلا اور چاہا کہ ان سے امتحان لیں اور دامن ولایت

1۔ سید ابن طاؤس، اللہوف= ص ۱۲۲

میں پرورش پانے والوں کی عظمت بتائیں اور فرمایا:

يَا بُنَيَّ كَيْفَ الْمَوْتُ عِنْدَكَ؟

"اے میرے بیٹے! موت تمہاری نظر میں کیسے ہے؟"

عرض کیا: يَا عَمِّ أَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ۔[1]

"اے چچا جانؑ! موت آپؑ کی راہ میں شہد سے بھی شیریں تر ہے"۔

حضرت قاسم علیہ السلام اس طرح نہیں ہیں کہ اب جب کہ موت نزدیک آئی ہے تو ایسے فرمایا بلکہ وہ واقعاً موت کو اس راہ میں ایسے ہی پاتے تھے۔ اور اس خاندان کے سب افراد اس طرح تھے۔

حضرت علی اکبر علیہ السلام نے منزلِ ثعلبہ میں جب کہ امام حسین علیہ السلام سو رہے تھے اور ایک لحظہ کے بعد اٹھے اور فرمایا = ایک ہاتف کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ تم بہت جلد جاؤ گے اور موت تمہیں بہت جلد جنت میں لے جائے گی۔

شہزادہؑ نے اپنے والد بزرگوارؑ سے عرض کیا:

يَا أَبَهْ أَفَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ؟

"پدر جانؑ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں"۔

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں خدا کی قسم! ہم حق پر ہیں۔

إِذَنْ لَا نُبَالِي بِالْمَوْتِ۔[2]

"اس صورت میں ہمیں موت سے کوئی فرق نہیں پڑتا"۔

1۔ نفس المہموم = ص ۱۱۶

2۔ سید ابن طاؤس، اللہوف = ص ۷۰

قتل ہماری عادت اور شہادت ہمارا افتخار ہے:۔

امام سجاد علیہ السلام جب مجلس ابنِ زیاد میں آئے اور اس ملعون عبید اللہ ابنِ زیاد نے آپؑ کے قتل کا ارادہ کیا تو بی بی عالیہ سلام اللہ علیہا امام سجاد علیہ السلام پر آنے والی بلا پر سپر ہو گئیں اور اس حرامزادے سے فرمایا:

أَ بِالْقَتْلِ تُهَدِّدُنِي يَا ابْنَ زِيَادٍ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْقَتْلَ لَنَا عَادَةٌ وَ كَرَامَتُنَا الشَّهَادَةُ۔[1]

"اے ابنِ زیاد! ہمیں قتل کی دھمکی دیتے ہو اور ہمیں ڈراتے ہو، آیا تم نہیں جانتے کہ قتل ہماری عادت اور شہادت ہماری کرامت اور ہمارا افتخار ہے"۔

خود حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام بہت بڑے سردار ہیں کہ جن کو دشمن کی تلوار سے کوئی خوف نہیں اور ان کے رجزوں میں سے عاشور کا ایک رجز یہ ہے:

لَا أَرْهَبُ الْمَوْتَ إِذَا الْمَوْتُ رَقَا   حَتَّى أُوَارِي فِي الْمَصَالِيتِ لَقَا
نَفْسِي لِنَفْسِ الْمُصْطَفَى الطُّهْرِ وَقَا   إِنِّي أَنَا الْعَبَّاسُ أَغْدُو بِالسَّقَا
وَلَا أَخَافُ الشَّرَّ يَوْمَ الْمُلْتَقَى۔[2]

"میں موت سے اس وقت جب وہ سامنے ہو تو اُس کی پرواہ نہیں کرتا، یہاں تک کہ میرا پیکر دلاوروں کے درمیان خاک پر پڑے۔ میری جان نگہبان اور پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان پر فدا ہو گی، میں

1۔ ناسخ التواریخ = ج ۳، ص ۶۴

2۔ معالی السبطین = ج ۱، ص ۲۶۸

عباس علیہ السلام ہوں جو مشک کے ساتھ پیاسوں کو سیراب کرنے آیا
ہوں، موت اور دشمن کی گرفتاری سے میں نہیں ڈرتا"۔

جب حر بن یزید ریاحی نے امام حسین علیہ السلام کا راستہ روکا اور چاہا کہ امام حسین علیہ السلام کو عبید اللہ ابن زیاد کی کوفہ میں تحویل میں دے تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: نہیں آؤں گا۔

حر نے کہا: میں بھی ہاتھ نہیں ہٹاؤں گا۔

جب کلام زیادہ بڑھا تو حر نے کہا: میں اس پر مامور نہیں ہوں کہ آپؑ سے جنگ کروں بلکہ اس پر مامور ہوں کہ آپؑ سے ہرگز جدا نہ ہوں حتیٰ کہ آپؑ کو کوفہ لے جاؤں۔ اب اگر آپؑ قبول نہیں کرتے تو کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں جو نہ تو آپؑ کو کوفہ لے جائے اور نہ ہی مدینہ۔ اور میں بھی اس بارے میں ابنِ زیاد کی طرف خط لکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ خدا ایسی وضیعت پیدا نہ کرے کہ مَیں آپؑ سے جنگ کروں کیونکہ آپؑ بزرگوار ہیں۔

امام حسین علیہ السلام راہِ عذیب اور قادسیہ کی بائیں طرف جانے لگے تو حُر اور اس کے سپاہی بھی امام حسین علیہ السلام کے پیچھے آنے لگے اور کہہ رہے تھے: اے حسین علیہ السلام! تمہیں خدا کی قسم دیتے ہیں! جنگ مت کرنا، اگر جنگ کریں گے بغیر شک کے آپؑ قتل ہو جائیں گے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ الْحُسَيْنُ عليه السلام: لَيْسَ شَأْنِي شَأْنَ مَنْ يَخَافُ الْمَوْتِ، مَا أَهْوَنَ الْمَوْتُ عَلَى سَبِيلِ نَيْلِ الْعِزِّ وَإِحْيَاءِ الْحَقِّ،

لَيْسَ الْمَوْتُ فِى سَبِيلِ الْعِزِّ اِلَّا حَيَاةً خَالِدَةً وَلَيْسَتِ الْحَيَاةُ مَعَ الذُّلِّ اِلَّا الْمَوْتَ الَّذِى لَا حَيَاةَ مَعَهُ. اَفَبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِى... وَهَلْ تَقْدِرُونَ عَلَى أَكْثَرِ مِنْ قَتْلِي؟! مَرْحَباً بِالْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَلٰكِنَّكُمْ لَاتَقْدِرُونَ عَلَى هَدْمِ مَجْدِى وَمَحْوِ عِزِّى وَشَرَفِي فَإِذَا لَا أُبَالِي بِالْقَتلِ۔[1]

"میری شان اس جیسی شان نہیں جو موت سے ڈرے، موت تو عزت کی راہوں تک پہنچنا ہے اور سربلندی اسلام سوائے زندگیٔ جاوید کے نہیں ہے۔ اور ذلت کے ساتھ زندگی سوائے فاقد حیات کے کچھ نہیں ہے، آیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ افسوس کہ تمہارا تیر خطا ہو گیا اور تیری نصیحت ناکام ہو گئی، میں وہ نہیں ہوں جو موت سے ڈروں۔ میری برتر اور میری ہمت وَالاتر ہے اس سے کہ موت کے خوف سے ظلم کے سائے میں چلا جاؤں۔ آیا تم مجھے قتل کرنے کی زیادہ قدرت رکھتے ہو۔ درود ہو اس پر جو اللہ کی راہ میں قتل ہو لیکن تم میں طاقت نہیں کہ عزت و شرف کو نابود کر سکو تو پھر مجھے قتل ہونے سے کیا خوف ہے"۔

بنا بران مطالب کہ جو بیان ہوئے ہیں اور حضرت عباس علیہ السلام کے رجز سے پتا چلتا ہے کہ اس بافضیلت و کمال خاندان کو موت کی پریشانی و خوف نہیں ہے۔ جب کہ ان کے بچے ایسے ہیں تو بڑوں کی تو بات ہی اور ہے۔

---

[1] گروہ حدیث پژوھشکدہ باقر العلوم، فرہنگ جامع سخنان امام حسینؑ = ص ۴۰۳

أتُخَوِّفُونَ قَوماً يَلعَبُ بِالمَوتِ فِي الطُّفُولِيَّةِ فَكَيفَ كَانَ فِي الرُّجُولِيَّةِ؟

اگر انسان تاریخ کو ایک بار پڑھے تو اس کو پتا چلے گا کہ اس مکتبِ توحید و ولایت کے شاگرد ایسے ہیں تو ان کی اپنی کیا بات ہو گی۔

ایمان ایسی چیز ہے جو انسان سے جان کو لیتا ہے اور اس کو لایزال سے متصل کردیتا ہے۔

صدرِ اسلام کے مسلمان کہ جنہوں نے صرف اس پر "مَا اَنزَلَ الله" پر ایمان لائے۔ اور اس طرح انہوں نے جان دی کہ دشمن پریشان ہو گئے۔

تاریخ نے تو بہت زیادہ نمونے پیش کئے ہیں لیکن ہم یہاں پر صرف ایک کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایک جان سے زیادہ نہیں:۔

عبد اللہ بن حُذاقہ سہمی (ابوحُذاقہ) جو اسلام میں سابقین میں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ہیں، وہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رومیوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے۔

سردارِ رومی نے اُسے اذیت دی کہ عیسائی ہو جائے۔ کیوں کہ وہ موحد اور کامل اور راسخون فی الایمان تھا، اس لئے اس کی اطاعت سے انکار کیا۔

رومی سردار نے حکم دیا کہ ایک بہت بڑے برتن میں زیتون کا تیل ڈال کر اُسے آگ پر اُبالا جائے۔ اور اس کے بعد اُسراء مسلمین میں سے ایک کو لائے اور اس سے

چاہا کہ وہ اسلام سے پلٹ جائے اور نصرانی ہو جائے تو اس نے انکار کیا۔ پس! اس کو کمال بے رحمی کے ساتھ برہنہ کر کے زیتون کے تیل کے درمیان اس حال میں کہ وہ اُبل رہا تھا، پھینک دیا۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اس کے بدن کا گوشت متلاشی ہو گیا اور اُبلتے ہوئے تیل کے اوپر آ گیا۔ طبیعی ہے کہ اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد عبداللہ کا دل لرزائیں اور انہیں نصرانی کریں لیکن ایسا نہیں ہوا۔

ان سے کہا: اگر تم اسلام سے پلٹ کر نصرانی نہیں ہوئے تو تمہارے ساتھ بھی یہی حالت کریں گے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کمالِ قوتِ قلب و شہامت رُوح کے ساتھ اظہار ایمان اور اسلام و قرآن کی نسبت وفاداری کا ثبوت دیا اور بہت شدتِ نفرت سے ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اور اس کے بعد اس کو اُبلتے ہوئے تیل میں پھینکنے کا حکم صادر ہوا۔

مامورین اس کے حکم کے اجرا کے لئے آمادہ ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ عبداللہ گریہ کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا: اسے لے آؤ کہ وہ نادم و پشیمان ہو گیا ہے اور تسلیم کے لئے آمادہ ہے۔

لیکن اس مردِ موحد کہ جس کی جان میں حلاوتِ ایمان بیٹھ چکی تھی، اللہ کے علاوہ اور اس کی رضا کے لئے اُسے اپنی جان کے ساتھ ہر چیز چھوٹی لگ رہے تھی۔ اور اُس نے جو جواب دیا تمام حاضرین کو متعجب کر دیا۔

اُس نے کہا:

لَا تَرىٰ اَنِّي بَكَيتُ جَزَعاً مِمَّا تُرِيدُ أَن تَصنَعَ بِي وَلٰكِنِّي بَكَيتُ

حَيثُ لَيسَ اِلَّا نَفسٌ وَاحِدَةٌ يُفعَلُ بِي هٰذَا فِي اللهِ كُنتُ أَحَبُّ أَن يَكُونَ لِي مِنَ الأَنفُسِ عَدَدَ كُلِّ شَعرَةٍ فِيَّ ثُمَّ تُسَلِّطُ عَلَيَّ فَتَفعَلُ بِي هٰذَا. فَاَعجَبُ مِنهُ وَأَحَبُّ أَن يَطلُقَهُ۔[1]

"عجب کیسا اشتباہ کر رہے ہو، تم نے یہ سمجھ لیا کہ میں اس اُبلتے ہوئے تیل سے ڈر کر رو رہا ہوں۔ نہیں! ایسا نہیں ہے لیکن میں تو راہِ خدا میں اپنی جان کی کم اہمیت پر رو رہا ہوں۔ میں اس پر رو رہا ہوں کیوں کہ میرے پاس ایک جان سے زیادہ نہیں ہے تا کہ دین خدا کے دفاع میں فدا کروں۔ خدا کی قسم! مَیں اس چیز کو پسند کرتا ہوں کہ اپنے بالوں کی تعداد کے برابر جانیں رکھتا اور اِس وقت خدا کی رضا کے لئے اُن تمام جانوں کو فدا کرتا اور میرے لئے آزاد ہونے سے یہ محبوب تر ہوتا"۔

اس وقت سردارِ رومی جو ایک مسلمان کی قوتِ ایمانی سے اس قدر متاثر ہوا کہ بحرِ تعجب میں ڈوب گیا کہ ایک قوی القلب اور عظیم الروح کو قتل کرنا قبیح ہے۔ تو وہ بہانہ تلاش کرنے میں تھا کہ اس کو رہا کر دے۔ لہٰذا اُس نے کہا: آجاؤ! میرے سر کا بوسہ دو تا کہ تمہیں آزاد کروں۔

مُوحد یہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ایک کافر کے سامنے اپنی تذلیل کو قبول کرے اور اُس نے کہا= یہ کام بھی نہیں کروں گا۔

---

[1]۔ سفینۃ البحار= ج ۲، ص ۱۲۸

رومی سردار نے کہا: آجاؤ! نصرانیت کو قبول کرو کہ تمہاری شادی اپنی بیٹی سے کروں اور ملک و سلطنت بھی تمہارے ساتھ تقسیم کروں۔

ابوحذاقہ اس مردِ خدا نے دنیا سے بے اعتنائی کرتے ہوئے کہا: اے عجب! وہ جو عقیدہ و ایمان کی حفاظت کے لئے اس قدر جائے کہ اپنی جان قربان کر دے تو آیا وہ سلطنت اور ایک عورت کے سامنے تسلیم ہو جائے گا؟

رومیوں کے بزرگ نے کہا: آجاؤ! میرے سر کا بوسہ دو تا کہ تمہیں اور اَسی (۸۰) افراد جو مسلمانوں کے قید ہیں، ان کو تمہارے ساتھ آزاد کریں۔

ابوحذاقہ نے کہا: بہت اچھا! مَیں یہ کام کروں گا۔ اَسی (۸۰) مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لئے اللہ کی مرضی کے تحت ایک کافر کے سر کا بوسہ دوں گا۔

پس! اس نے ایسا کیا اور انہوں نے بھی اپنا وعدہ وفا کیا اور اس کے ساتھ اَسی (۸۰) مسلمانوں کو آزاد کر دیا۔

شہادت کا استقبال:۔

تعالیم مکتبِ اسلام اپنے پیرو کاروں کے لئے اس طرح ہے کہ وہ ان کو راہِ حفظ و بقائے دین کی خاطر شہادت کے لئے آمادہ کرتی ہے اور کسی بھی وجہ پر رعبِ دشمن یا مقابلہ کا اُنہیں خوف نہیں ہوتا اور وہ اپنے ایمان اور عقیدے کی حفاظت کے لئے ہر منزل کو عبور کر جاتے ہیں۔

کیا دشمن میں اتنی طاقت ہے کہ وہ کمیل ابنِ زیاد، میثمِ تمار، رشید حجری، حجر بن عدی اور سعید بن مسیب کا منہ بند کر سکے؟

کیا دشمن میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اپنے پورے لشکر کی طاقت اور ننگی تلواروں کے ساتھ یا زہر کے ساتھ اور تین شعبہ تیروں کے ساتھ امام حسین علیہ السلام اور ان کے باوفا اصحاب کا راستہ روک سکے؟۔

کیا حجاج ومنصور اور ہارون جیسی خونریزی میں طاقت ہے کہ وہ شیعیان کا اتصال اپنے امامِ زمانہ علیہ السلام سے قطع کرے؟

ہرگز نہیں! وہ کہ جس نے اللہ اور امیر المومنین علیہ السلام اور اسلام کی نورانی تعالیم کی لذتِ عشق چکھی ہو، اگرچہ اس کی اپنی جان بھی ہو تو اس پر اُس کا عشق مقدم ہے۔

علمائے اہلسنت میں سے ایک ہیں "قاضی زنگہ زوری حنفی" کہ وہ حقانیتِ تشیع اور ظلم وستم اصحابِ سقیفہ سے آگاہ ہونے کے بعد ایک کتاب لکھتے ہیں بنام "**تشریع و محاکمہ در تاریخ آل محمد** علیہم السلام" تو اس کتاب کے انتشار کے ساتھ اس کو تشیع کے جرم میں قتل کرتے ہیں۔

مرحوم شیخ آقا بزرگ طہرانی "طبقات اعلام الشیعہ" ص ۵ ۲۳ پر لکھتے ہیں =

"موصوف "زنگہ زور" جو ترکی اور قفقاز کے درمیان ایک شہر ہے، اس میں ۱۲۸۸ ھ میں متولد ہوئے۔ وہ وہاں پر قاضی تھے اور وہ اور اس کے اجداد حنفی مذہب سے وابستہ تھے، جب تک کہ نورِ ولایت اس کے دل میں آیا اور حقائق سے آگاہ ہوا۔ تو اُس نے ایک کتاب لکھی بنام "تاریخ آل محمد علیہم السلام"۔

اس نے دوسری کتابیں بھی لکھیں۔ چوں کہ کتب مزبور مخصوصاً اس کی کتاب "تاریخ آل محمد علیہم السلام" منتشر ہوئی تو متعصب سنیوں نے تشیع

کے جرم میں بے رحمانہ طریقہ سے اُسے قتل کر دیا"۔

رحمة الله عليه و حشره الله مع امير المؤمنين و أولاده المعصومين صلوات الله عليهم۔

جی ہاں! وہ اس پر تو حاضر ہے کہ قتل ہو لیکن اس پر حاضر نہیں کہ وہ عقائد جس کی طرف اللہ نے اس کی ہدایت کی، ان سے ہاتھ اٹھائے۔

مؤمن ومتقی اور عاشق وصادق نہ تنہا یہ کہ محبوب کی راہ میں شہادت سے نہیں ڈرتا بلکہ جان ودل سے اس کا استقبال بھی کرتا ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

...وَ الَّذِي نَفْسُ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ بِيَدِهِ لَأَلْفُ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ فِي غَيْرِ طَاعَةِ اللهِ أَهْوَنُ مِنْ مِيتَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ)۔[1]

"اس کی قسم جس کے قبضے قدرت میں ابن ابی طالب علیہ السلام کی جان ہے، تلوار کی ہزار ضربتیں (راہ خدا میں) مجھ پر آسان ہیں اس سے کہ اُس بستر پر جان دوں جس میں اللہ کی اطاعت نہ ہو"۔

ایک خط جو مالک اُشتر کی طرف لکھا گیا، اُس وقت جب وہ مصر کے حاکم تھے، آپؑ لکھتے ہیں:

إِنِّي وَ اللهِ لَوْ لَقِيتُهُمْ وَاحِداً وَ هُمْ طِلَاعُ الْأَرْضِ كُلِّهَا مَا بَالَيْتُ وَلَا اسْتَوْحَشْتُ۔[2]

۱۔ نہج البلاغہ = مکتوب: ۱۲۲، ص ۳۷۱

۲۔ نہج البلاغہ = مکتوب: ۶۲، ص ۱۰۴۱

"خدا کی قسم! اگر میں تن تنہا ان کے ساتھ (حاکمِ شام اور ان کے
سپاہیوں کے ساتھ) لڑنے نکل جاؤں اور اگر (ان کی تعداد سے)
زمین بھی چھلک رہی ہو بھی تو مجھے کوئی خوف و وحشت نہ ہوگی"۔

جی ہاں! قدرتِ ایمان اور بازو فوقِ تصور ہیں اور اس قدرت کا اعجاز بھی ایک اور مطلب رکھتا ہے اور شہادت، اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کا افتخار ہے اور یہ کسی بھی رعب اور دھمکی سے اپنی جگہ سے پیچھے نہیں ہٹتے۔

اسی کتاب کے صفحہ "۳۰۷" پر امام سجاد علیہ السلام کا ایک فرمان نقل کیا ہے جس کو تکرار کر رہا ہوں جو آپؑ نے عبید اللہ ابن زیاد سے فرمایا اور اسی پر اس بحث کو ختم کر رہے ہیں:

أَ بِالْقَتْلِ تُهَدِّدُنِي يَا بْنَ زِيَادٍ أَ مَا عَلِمْتَ أَنَّ الْقَتْلَ لَنَا عَادَةٌ وَ كَرَامَتَنَا الشَّهَادَةُ؟؟

"اے ابنِ زیاد! ہمیں موت سے ڈراتے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ
قتل ہونا ہماری عادت اور شہادت ہمارا افتخار ہے؟"۔

بالآخر ہر انسان مرے گا تو کتنا بہتر ہے کہ اُس کی موت راہ دین اور امامِ زمانہ علیہ السلام کے لئے ہو۔ ہم جو امامِ زمانہ علیہ السلام کی غیبت میں زندگی گزار رہے ہیں تو اللہ سے انؑ کے ظہور کی آرزو کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ عَجِّلْ فَرَجَهُ، وَسَهِّلْ مَخْرَجَهُ، وَاجْعَلْنَا مِنْ خَيْرِ اَعْوَانِهِ وَاَنْصَارِهِ، وَالذَّابِّيْنَ عَنْهُ، وَالْمُسْتَشْهَدِيْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ.

آمِيْنَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ

=====❖=====

فصلِ ہفتم

قیاس اور میزان

دِقّتِ نظر

قال مولانا العباس علیہ السلام:

هَیهَاتَ فَانظُرُوا ثُمَّ انظُرُوا مِمَّن شَارِبُ الخَمرِ وَمِمَّن صَاحِبُ الحَوضِ وَ الکَوثَرِ؟ وَ مِمَّن فِی بَیتِهِ الغَفوَانِیُّ السُّکرَانُ وَمِمَّن بَیتِهِ الوَحیُ وَ القُرآنُ؟ وَ مِمَّن فِی بَیتِهِ اللَّهوَاتُ وَالدَّنَسَاتُ وَ مِمَّن فِی بَیتِهِ التَّطهِیرُ وَ الآیَاتُ.

"لوگو! تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کیا تم غور وفکر نہیں کرتے کہ ایک طرف شراب پینے والے ہیں اور دوسری طرف حوض کوثر کے مالک ہیں، ایک طرف وہ ہیں جن کا گھر لہو لہب اور سارے جہان کی نجاستوں کی آماجگاہ ہے اور دوسری طرف پاکیزگی کے جہان اور آیات قرانیہ ہیں اور وہ گھر جس میں وحی اور قرآن ہے"۔

"ہیہات" کا لغت، قرآن، دعا اور نہج البلاغہ میں معنی:۔

"ہیہات" کا لغت میں معنی: بعید ہے۔

یہ اس طرح نہیں ہے اور اس طرح نہیں ہونا چاہیے، آیا ہے۔ اور راغب اصفہانی نے مفردات میں کلمہ "ہیہات" کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں:

هَیهَاتَ کَلِمَةٌ تُستَعمَلُ لِتَبعِیدِ الشَّیءِ، یُقَالُ: هَیهَاتَ هَیهَاتَ، وَهَیهَاتًا، وَمِنهُ قَولُهُ عَزَّ وَجَلَّ: هَیهَاتَ هَیهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ.[1]

"جس بات کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے بعید ہے، بعید ہے۔ ھیہات لفظ ہے جو کسی شئی کے بعید ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور ھیہا اور ھیہاتاً دونوں صحیح ہیں۔ لیکن قرآن میں خداوند متعال فرماتا ہے:

"جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ (عقل سے) دور ہے"۔

یہ کلام مترفین اور پیسوں والے کافروں کا ہے جو آخرت کی دنیا کو جھٹلاتے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو زیر سوال لاتے ہیں اور وہ لوگ جو ان کی اطاعت کرتے ہیں، انہیں نقصان اور خسارے میں سمجھتے ہیں اور انہوں نے اس جہان کے بعد والے جہانوں کے عقیدہ کو سختی سے رد کیا ہے اور اس کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جو وعدے تم سے کرتے ہیں، وہ بعید ہیں۔

اِن هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنیَا نَمُوتُ وَنَحیَا وَمَا نَحنُ بِمَبعُوثِینَ.[2]

"پس یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے جس میں ہمیں مرنا اور جینا ہے اور ہم اٹھائے نہیں جائیں گے"۔

لفظ "ھیہات" قرآن میں دو بار آیا ہے، اور یہ دعاؤں میں کئی بار استعمال ہوا

۱۔ سورہ المومنون= آیت ۳۶

۲۔ سورہ المومنون= آیت ۳۷

ہے۔ مثال کے طور پر، دعائے کمیل میں انسان جب وہ اپنے خدا سے مناجات کرتا ہے، تو وہ پیش کرتا ہے=

"......یا مَوْلاَيَ فَكَيْفَ يَبْقَى فِي الْعَذَابِ وَهُوَ يَرْجُو مَا سَلَفَ مِنْ حِلْمِكَ، اَمْ كَيْفَ تُؤْلِمُهُ النَّارُ وَهُوَ يَأْمُلُ فَضْلَكَ وَرَحْمَتَكَ اَمْ كَيْفَ يُحْرِقُهُ لَهِيبُهَا وَاَنْتَ تَسْمَعُ صَوْتَهُ وَتَرَى مَكَانَهُ اَمْ كَيْفَ يَشْتَمِلُ عَلَيْهِ زَفِيرُهَا وَاَنْتَ تَعْلَمُ ضَعْفَهُ، اَمْ كَيْفَ يَتَقَلْقَلُ بَيْنَ اَطْبَاقِهَا وَاَنْتَ تَعْلَمُ صِدْقَهُ، اَمْ كَيْفَ تَزْجُرُهُ زَبَانِيَتُهَا وَهُوَ يُنَادِيكَ يَا رَبَّهُ، اَمْ كَيْفَ يَرْجُو فَضْلَكَ فِي عِتْقِهِ مِنْهَا فَتَتْرُكُهُ فِيهَا هَيْهَاتَ مَا ذَلِكَ الظَّنُّ بِكَ....."۔

"میرے مالک! (تیرا گناہ گار بندہ) اگر اس کی نظر تیرے لامحدود حلم پر پڑے تو وہ آگ میں کیسے عذاب میں رہے گا؟

یا آگ نے اسے کیسے تکلیف پہنچائی جب کہ وہ فضل اور عزت کی امید رکھتا ہے؟

یا آگ کے شعلے اسے کیسے جلا سکتے ہیں حالانکہ تو اس کی کراہ سن کر اس کی جگہ دیکھ رہا ہے؟

یا جہنم کے شعلے اسے کیسے گھیر لیں حالانکہ تُو اس کی کمزوری اور بے صبری کو جانتا ہے؟

یا وہ کیسے اپنے آپ کو آگ کی تہوں میں لپیٹ کر بے چین رہ سکتا ہے حالانکہ تُو اس کی سچائی (دعا) سے واقف ہے؟

یا جہنم کے ماموراس کو کیسے عذاب دیں حالانکہ وہ تجھے اپنی آواز سے پکارتا ہے یا رب؟

یا یہ کیسے ممکن ہے کہ جہنم سے خلاصی میں تیرے فضل کا امیدوار ہو اور تُو اُسے جہنم میں رہنے دے۔ ہرگز نہیں! تیرے بارے میں یہ گمان نہیں ہو سکتا"۔

"یہ شکوک وشبہات آپ کی طرف سے بعید ہیں (کہ آپ اپنے خطا کار بندے کے ساتھ ایسا سلوک کریں جو اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہے)"۔

هیهات اور فرمانِ امیر المومنین علیہ السلام:۔

لما قبض رسول الله (صلى الله عليه وآله) وخاطبه العباس وأبو سفيان بن حرب في أن يبايعا له بالخلافة.

أَيُّهَا النَّاسُ شُقُّوا أَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ وَ عَرِّجُوا عَنْ طَرِيقِ الْمُنَافَرَةِ وَ ضَعُوا تِيجَانَ الْمُفَاخَرَةِ أَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحٍ أَوِ اسْتَسْلَمَ فَأَرَاحَ هَذَا مَاءٌ آجِنٌ وَ لُقْمَةٌ يَغَصُّ بِهَا آكِلُهَا وَ مُجْتَنِي الثَّمَرَةِ لِغَيْرِ وَقْتِ إِينَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ أَرْضِهِ. فَإِنْ أَقُلْ يَقُولُوا حَرَصَ عَلَى الْمُلْكِ وَ إِنْ أَسْكُتْ يَقُولُوا جَزِعَ مِنَ الْمَوْتِ هَيْهَاتَ بَعْدَ اللَّتَيَّا وَ الَّتِي وَ اللَّهِ لَابْنُ أَبِي طَالِبٍ آنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْيِ أُمِّهِ بَلِ انْدَمَجْتُ عَلَى مَكْنُونِ

عِلْمٍ لَوْ بُحْتُ بِهِ لَاضْطَرَبْتُمُ اضْطِرَابَ الْأَرْشِيَةِ فِي الطَّوِيِّ الْبَعِيدَةِ۔

"نہج البلاغہ میں امیر المؤمنین علیہ السلام نے کئی مرتبہ اس کلمہ کا تکرار فرمایا ہے اور آپؑ نے وفاتِ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر بھی اُس وقت ارشاد فرمایا تھا، جب عباس اور ابو سفیان نے آپؑ سے بیعت لینے کا مطالبہ کیا تھا=

ایہا الناس! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر نکل جاؤ اور منافرت کے راستوں سے الگ رہو۔ باہمی فخر و مباہات کے تاج اتار دو اور صحیح طریقہ عمل اختیار کرنے میں کامیاب وہ ہے جو اُٹھے تو بال و پَر کے ساتھ اُٹھے، ورنہ اقتدار کی کرسی کو دوسروں کے حوالے کر کے اپنے آپ کو آزاد کر لے۔ اور اس طرح خلقِ خدا کو بدامنی سے راحت میں رکھے۔ یہ پانی بڑا گندہ ہے اور ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلو گیر ہو کر رہے گا۔ اور یاد رکھو! کہ بے وقت پھل چننے والا ایسا ہی ہے جیسے نامناسب زمین میں زراعت کرنے والا۔ (میری مشکل یہ ہے کہ) میں بولتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اقتدار کا لالچ رکھتے ہیں اور خاموش ہو جاتا ہوں تو کہتے ہیں کہ موت سے ڈر گئے ہیں۔

افسوس! اب یہ بات جب کہ میں تمام مراحل (نشیب و فراز) دیکھ چکا ہوں۔ خدا کی قسم! ابو طالب علیہ السلام کا فرزند موت سے اتنا زیادہ مانوس ہے کہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے اِتنا مانوس نہیں ہوتا ہے۔ البتہ

میرے سینہ کی تہوں میں ایک ایسا علم پوشیدہ ہے جو مجھے مجبور کئے ہوئے ہے کہ اگر اسے ظاہر کر دوں تو تم اسی طرح پیچ و تاب کھانے لگو گے جس طرح گہرے کنویں میں رسّی تھرتھراتی اور لرزتی ہے"۔[1]

ایک معروف ھیہات امیر المؤمنین علیہ السلام میں سے ان کے لئے ہے جو فساد اور تباہ کاریوں کے باوجود اس کو نہیں روکتے اور پھر اِس امر کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ جنت میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے جوار رحمت حق میں رہیں گے اور ان کے محبوں میں سے ہوں گے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فَلَا مُنْكِرٌ مُغَيِّرٌ وَ لَا زَاجِرٌ مُزْدَجِرٌ أَ فَبِهَذَا تُرِيدُونَ أَنْ تُجَاوِرُوا اللهَ فِي دَارِ قُدْسِهِ وَ تَكُونُوا أَعَزَّ أَوْلِيَائِهِ عِنْدَهُ هَيْهَاتَ لَا يُخْدَعُ اللهُ عَنْ جَنَّتِهِ وَ لَا تُنَالُ مَرْضَاتُهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ لَعَنَ اللهُ الْآمِرِينَ بِالْمَعْرُوفِ التَّارِكِينَ لَهُ وَ النَّاهِينَ عَنِ الْمُنْكَرِ الْعَامِلِينَ بِهِ۔[2]

"فساد اس قدر پھیل چکا ہے کہ نہ کوئی حالات کا بدلنے والا ہے اور نہ کوئی منع کرنے والا اور نہ خود ہی پرہیز کرنے والا ہے۔ تو کیا تم ان ہی حالات کے ذریعہ خدا کے مقدس جوار میں رہنا چاہیے ہو اور اس کے عزیز ترین دوست بننا چاہتے ہو۔

۱۔ نہج البلاغہ = خطبہ:۵، ص۴۸
۲۔ نہج البلاغہ = فیض الاسلام، خطبہ:۱۲۹

افسوس! اللہ کو جنت کے بارے میں دھوکہ نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی اس کی مرضی کو اطاعت کے بغیر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ لعنت کرے ان لوگوں پر جو دوسروں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے ہیں اور سماج کو برائیوں سے روکتے ہیں اور خود ان ہی میں مبتلا ہیں"۔

ان میں سے ایک اور جگہ امیر المؤمنین علیہ السلام اسی کلمہ کو استعمال کرتے ہیں۔ آپؑ دنیا فریب دہندہ ہے، (نہ کہ دنیا ممدوح) کو مخاطب قرار دے کر فرماتے ہیں:

إِلَيْكِ عَنِّي يَا دُنْيَا فَحَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ قَدِ انْسَلَلْتُ مِنْ مَخَالِبِكِ وَ أَفْلَتُّ مِنْ حَبَائِلِكِ وَ اجْتَنَبْتُ الذَّهَابَ فِي مَدَاحِضِكِ أَيْنَ الْقُرُونُ الَّذِينَ غَرَرْتِهِمْ بِمَدَاعِبِكِ أَيْنَ الْأُمَمُ الَّذِينَ فَتَنْتِهِمْ بِزَخَارِفِكِ هَا هُمْ رَهَائِنُ الْقُبُورِ وَ مَضَامِينُ اللُّحُودِ وَ اللَّهِ لَوْ كُنْتِ شَخْصاً مَرْئِيّاً وَ قَالَباً حِسِّيّاً لَأَقَمْتُ عَلَيْكِ حُدُودَ اللَّهِ فِي عِبَادٍ غَرَرْتِهِمْ بِالْأَمَانِيِّ وَ أُمَمٍ أَلْقَيْتِهِمْ فِي الْمَهَاوِي وَ مُلُوكٍ أَسْلَمْتِهِمْ إِلَى التَّلَفِ وَ أَوْرَدْتِهِمْ مَوَارِدَ الْبَلَاءِ إِذْ لَا وِرْدَ وَ لَا صَدَرَ هَيْهَاتَ مَنْ وَطِئَ دَحْضَكِ زَلِقَ...

"اے دنیا مجھ سے دور ہو جا۔ میں نے تیری باگ دوڑ تیرے ہی کاندھے پر ڈال دی ہے اور تیرے چنگل سے باہر آ چکا ہوں اور تیرے جال سے نکل چکا ہوں اور تیری پھسلنے کے مقامات کی طرف جانے سے بھی پرہیز کرتا ہوں۔ کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تُو نے اپنی

ہنسی مذاق کی باتوں سے لبھالیا تھا اور کہاں ہیں وہ قومیں جنہیں تُو نے اپنی زینت و آرائش سے مبتلائے فتنہ کر دیا تھا۔ دیکھو اب وہ سب قبروں میں رہن ہو چکے ہیں اور لحد میں دبکے پڑے ہوئے ہیں۔

خدا کی قسم! اگر تُو کوئی دیکھنے والی شے اور محسوس ہونے والا ڈھانچہ ہوتی تو میں تجھ پر ضرور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں جاری کرتا کہ تُو نے اللہ کے بندوں کو آرزوؤں کے سہارے دھوکہ دیا ہے اور قوموں کو گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیا ہے۔ اور بادشاہوں کو بربادی کے حوالے کر دیا ہے اور انہیں بلاؤں کی منزل پر اتار دیا ہے جہاں نہ کوئی وارد ہونے والا ہے اور نہ صادر ہونے والا۔

افسوس! جس نے بھی تیری لغزش گاہوں پر قدم رکھا، وہ پھسل گیا اور جو تیرے موجوں پر سوار ہوا وہ غرق ہو گیا۔ بس جس نے تیرے پھندوں سے کنارہ کشی اختیار کی اس کو توفیق حاصل ہو گئی"۔[1]

اسی خط میں ہے:

وَلَوْ شِئْتُ لَاهْتَدَيْتُ الطَّرِيقَ إِلَى مُصَفَّى هَذَا الْعَسَلِ وَ لُبَابِ هَذَا الْقَمْحِ وَ نَسَائِجِ هَذَا الْقَزِّ وَ لَكِنْ هَيْهَاتَ أَنْ يَغْلِبَنِي هَوَايَ وَ يَقُودَنِي جَشَعِي إِلَى تَخَيُّرِ الْأَطْعِمَةِ...

"میں اگر چاہتا تو صاف ستھرے خالص شہد اور بہترین گندم اور ریشمی کپڑوں کے لئے راستے بھی پیدا کر سکتا تھا لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے

۱۔ نہج البلاغہ = مکتوب: ۴۵، بہ عثمان بن حنیف انصاری حاکم بصرہ

کہ مجھ پر خواہشات کا غلبہ ہو جائے اور مجھے حرص و طمع اچھے اچھے کھانوں کے اختیار کرنے کی طرف دعوت دے"۔

اَب پلٹتے ہیں اصل مطلب کی طرف:۔

کلمہ ھیھات جب استعمال ہو تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز جو ذہن سے دور اور نہ ہونے والی ہو اور واقعاً وہ امر نہ ہونے والا اور تعجب آور ہو۔

مثال! امیر المؤمنین علیہ السلام کا دنیا پر فریفتہ ہونا جو کہ ایک نہ ہونے والا امر اور ذہن سے دور ہے۔

لوگوں کو متوجہ کرنا:۔

حضرت قمر منیر بنی ہاشم علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کے بارے اپنی اور اپنے خاندان کی جانیں قربان کرتے وقت ایک چھوٹے سے جملے میں بیان فرمایا یہاں سے کہ یہ قوم خدا سے دور۔ اور شیطان کی طرف داری میں آئے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں کو کعبہ اور دین وحیات ظاہری سے قطع کریں۔ فرمایا:

ھیھات! ذہنوں سے دور اور افکار نہ ہونے والے ہیں اور تم دنیا پرست نادان لوگوں نے جو اپنے ذہنوں میں نقشہ بنایا ہے، وہ بہت دور ہے۔

فہم و شعور مردانگی کیوں نہیں رکھتے، اپنے افکار کو صحیح استعمال کیوں نہیں کرتے؟۔

فَانظُرُوا ثُمَّ انظُرُوا۔ "دیکھو، اور اچھے سے دیکھو"۔

تعریف "نظر":۔

"نظر" لغت میں بمعنی مطلق دیکھنا ہے۔ کیا وہ آنکھوں کے سَر سے ہو، کیا وہ دل کی آنکھوں سے ہو۔

راغب، مفردات میں کلمہ "نظر" کی تعریف یوں لکھتا ہے:

النَّظَرُ: تَقلِیبُ البَصرِ وَالبَصِیرَةِ لِإِدرَاكِ الشَّیءِ وَرُؤیَتِهِ، وَقَد یُرَادُ بِهِ التَّأَمُّلُ وَالفَحصُ، وَقَد یُرَادُ بِهِ المَعرِفَةُ الحَاصِلَةُ بَعدَ الفَحصِ، وَهُوَ الرَّوِیَّةُ....

"نظر گھمانا اور توجہ دینا ظاہری آنکھوں سے اور باطنی آنکھوں سے ایک چیز کو دیکھنے کے لئے ایک چیز کا ادراک ہے کہ اس عمل سے مقصود اس کے بارے میں غور اور تحقیق کرنا ہے"۔[1]

اور دیکھنا اور غور کرنا، سے مقصود معرفت و شناخت ہے جو تحقیق کے بعد حاصل ہو، اُسے فکر و تدبر کہتے ہیں۔

ایک کلمہ:۔

نَظَرتَ فَلَم تَنظُرُ۔ "یعنی دیکھا لیکن اندیشہ و تأمل نہیں کیا"۔

---

[1] ہر موجود، عالم وجود میں دو جنبہ یا دو چہرہ رکھتی ہے۔ ایک چہرہ عالمِ خلق کی طرف (یا جنبہ یلی الخلقی) اور ایک چہرہ عالمِ حق کی طرف (یلی الحق)۔ جنبۂ یلی الخلقی کی طرف مردہ و بے جان ہے اور جنبۂ یلی الحق سے زندہ و جان دار ہے۔

لوگوں کی ظاہری آنکھوں کو بھروسہ نہیں ہوتا کہ ایک عصا اژدھا بن جائے یا پتھر کا قطع ہونا یا پھر ایک درخت کا کلام کرنا یا پھر موجودات تسبیح خدا میں مشغول ہوں۔

(وَاِن مِّن شَیءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمدِهٖ وَلٰکِن لَّا تَفقَهُونَ تَسبِیحَهُم)۔

"اور ان میں جو موجودات ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثناء میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو"۔ (سورہ اسراء = آیت ۴۴)۔

یلی الحق ہر موجود کا چہرہ خدا کی طرف ہو تو اُسے ملکوت کہا جاتا ہے، جو یلی الخلق پر تسلط رکھتا ہے۔

(مزید معلومات کے لئے تفسیر میزان میں سورہ یٰسین کی آیت ۸۳ کی طرف رجوع کریں)۔

ملکوت کی اشیاء پر نظر:۔

قرآن فرماتا ہے:

اَوَلَمۡ يَنۡظُرُوۡا فِىۡ مَلَكُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ [1]

"کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان میں غور نہیں کیا"۔

یا پھر دوسری آیت میں فرماتا ہے:

فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ [2]

"پس انسان کو اپنے طعام کی طرف نظر کرنی چاہیے"۔

اس نظر سے دونوں مورد منظور ہیں یعنی دیکھے کہ ایک طعام جو کھا رہا ہے، وہ سالم تھا اور اس میں کوئی آلودگی موجود نہ تھی۔

یا پھر از نظر اجتماعی جماعت میں غذا کھائے تو صرف اپنے برتن کی طرف نگاہ کرے۔ شرع مقدس کا حکم ہے کہ انسان کھاتے وقت دوسرے کے برتن کی طرف نہ دیکھے بلکہ اس کی اچھی سے پذیرائی کرے۔

اس کے بعد جو اہم قضیہ معنوی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان دیکھے کہ یہ طعام پاکیزہ و پاک ہے (از نظر مسائل فقہی و احکام)۔

دوسرا یہ کہ کیا مکمل مال حلال سے بنایا گیا ہے وگرنہ اس میں حرام خوری نجس خوری ہوگی۔

۱۔ سورہ الاعراف = آیت ۱۸۵

۲۔ سورہ عبس = آیت ۲۴

تاویل طعام:۔

آئمہ ھدیٰ علیہم السلام کی احادیث میں تاویل طعام میں "علم" آیا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ انسان صحیح طریقے سے دیکھے کہ وہ اپنا علم کس سے اور کون سے عالم سے لے رہا ہے۔

یا دوسری آیت میں فرماتا ہے:

فَانۡظُرۡ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰهِ كَيۡفَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى [1]

"اللہ کی رحمت کے اثرات کا نظارہ کرو کہ وہ زمین کو کس طرح زندہ کر دیتا ہے اس کے مردہ ہونے کے بعد، یقیناً وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے"۔

کاملاً واضح ہے کہ ان آیات میں اور دوسری آیاتِ شریفہ قرآنی میں نظر کرنے سے مراد ایک چیز میں توجہ و تفکر و تامل کرنا ہے تا کہ مفید فائدہ ہو اور نظر کی حیثیت افراد کی صلاحیت کے مطابق ہے۔

ایک طبیب اگر کسی مریض کو دیکھتا ہے تو وہ اپنے علم کے مطابق نتیجہ نکالے گا لیکن وہ افراد جو اس علم سے اطلاع نہیں رکھتے اور اس علم میں بالکل ہی جاہل ہیں اگرچہ وہ آنکھیں رکھتے ہیں اور مریض کو دیکھتے ہیں لیکن اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے۔

لازماً انسان اہل بصیرت ہو یعنی اس کی نظر فکر و تامل کے ساتھ ہو اور اس سے معنوی نتائج حاصل کرے۔

۱۔ سورہ روم = آیت ۵۰

باہم نظرِ عبرت کے ساتھ:۔

متن حدیث میں آیا ہے: "مومن وہ ہے جو عبرت کے لئے نظر کرتا ہو"۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں خصوصاً لوگوں کے بیدار کرنے میں اور عبرت لینے میں خطبہ "فی التزھید فی الدنیا" میں فرماتے ہیں:

أَيُّهَا النَّاسُ! اُنْظُرُوا إِلَى الدُّنْيَا نَظَرَ الزَّاهِدِينَ فِيهَا الصَّادِفِينَ عَنْهَا۔۔۔۔رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً تَفَكَّرَ فَاعْتَبَرَ وَ اعْتَبَرَ فَأَبْصَرَ۔۔۔۔[1]

"ایہا الناس! دنیا کی طرف اس طرح دیکھو جیسے وہ لوگ دیکھتے ہیں، جو زہد رکھنے والے اور اس سے نظر بچانے والے ہوتے ہیں۔ خدا رحمت نازل کرے اس شخص پر جس نے غور و فکر کیا تو عبرت حاصل کی اور عبرت حاصل کی تو بصیرت پیدا کر لی"۔

دوسری جگہ پر اپنی نصیحتوں میں قلوب کو نورانیت اور تقویت دینے کے لئے فرماتے ہیں:

اَعْرِضْ عَلَيْهِ أَخْبَارَ الْمَاضِينَ وَ ذَكِّرْهُ بِمَا أَصَابَ مَنْ كَانَ قَبْلَكَ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَ سِرْ فِي دِيَارِهِمْ وَ آثَارِهِمْ فَانْظُرْ فِيمَا فَعَلُوا وَ عَمَّا انْتَقَلُوا وَ أَيْنَ حَلُّوا وَ نَزَلُوا۔[2]

"اخبار گزشتگان کو اس پر پیش کرو اور وہ جو گزشتہ سے پہنچا ہے اس کی

۱۔ نہج البلاغہ = خطبہ: ۱۰۲

۲۔ بحار الانوار، الجامعہ لدرر اخبار الأئمۃ الأطہار علیہم السلام = ج ۹۰، ص ۳۳۲، ح ۱۸

یاد آوری کرو اور اس کو دیار و آثار مخروبہ میں گردش کرواؤ۔ پس! صحیح دیکھو کہ انہوں نے کیا کیا اور دیکھو کہ کہاں سے منتقل ہوئے ہیں اور کہاں پر آ کر مکین ہوئے ہیں"۔

اگر انسان اہلِ نظر ہو تو گزشتگان کی تاریخ اس کے لئے بہترین معلّم و رہنما ہے۔

از نظر اہل بیت علیہم السلام وہ قدم کہ جس میں کوئی عبرت و درس نہ ہو تو وہ غفلت و فراموشی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْخَيْرُ كُلُّهُ فِي ثَلَاثِ خِصَالٍ= فِي النَّظَرِ وَ السُّكُوتِ وَ الْكَلَامِ فَكُلُّ نَظَرٍ لَيْسَ فِيهِ اِعْتِبَارٌ فَهُوَ سَهْوٌ۔۔۔فَطُوبَى لِمَنْ كَانَ نَظَرُهُ اِعْتِبَاراً أَوْ۔۔۔۔[1]

"تمام خیر تین خصوصیات میں ہے=

نظر اور سکوت اور کلام:۔

پس وہ ہر نظر و نگاہ کرنا کہ جس میں عبرت و آگاہی نہ ہو، وہ غفلت و فراموشی ہے۔۔۔۔ سعادت ہے اس کے لئے جس کا نظر کرنا اس کے لئے عبرت ہو۔۔۔۔۔

حضرت قمر منیر بنی ہاشم علیہ السلام نے عمال یزید کو توجہ کروائی اور ان کی خصوصیات کو بیتِ ولایت اور خانۂ وحی کے ساتھ مقائسہ کر کے فرمایا:

اُنْظُرُوا ثُمَّ انْظُرُوا۔۔۔

۱۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام = مکتوب: ۳۱ ص ۹۰۰۔۹۰۱

"نگاہ کرو اور بہترین نگاہ کرو"۔

پس! تمہاری نگاہیں توجہ کے ساتھ ہوں نہ کہ بے توجہی یا ہوا و ہوس یا غرور سے ہو۔ پس! کس کے پیچھے جا رہے ہو اور کس کے اہداف کی پیروی کر رہے ہو؟ امام حسین علیہ السلام یا پھر یزید بن معاویہ بن ابوسفیان کی؟

یزید بن معاویہ کا تعارف:۔

یزید (نامی) بیٹا، معاویہ کا ہے جو ۲۵ یا ۲۶ ہجری میں پیدا ہوا اور چودہ ربیع الاوّل ۶۴ھ کو درکاتِ جحیم میں واصل ہوا۔

اس کے بعد کچھ دن اس کا نجس اور متعفن بدن "حوارین" نامی جگہ پر زمین پر پڑا رہا۔

اس ترتیب سے اس کی عمر کا دورانیہ ۳۸ یا ۳۹ سال بنتا ہے اور اس کی مدتِ خلافت تین سال نو ماہ ذکر ہوئی ہے۔

یزید بن معاویہ بنی اُمیہ کا دوسرا خلیفہ ہے کہ جو شجرۂ ملعونہ کی طرف تعبیر ہوا ہے۔

ثانی نے ابنِ عباس سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا=

لَیَصعَدَنَّ بُنُو اُمَیَّةَ عَلٰی مِنبَرِی، وَلَقَد رَأَیتُهُم فِی مَنَامِی یَنزُونَ عَلَیهِ نَزوَةَ القِرَدَةِ وَفِیهِم اُنزِلَ=وَمَا جَعَلنَا الرُّءیَا الَّتِیۡ اَرَیۡنٰكَ اِلَّا فِتنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ المَلعُونَةَ فِی القُراٰنِ "۔[1]

"بنی اُمیہ میرے منبر پر آئیں گے اور ان کو میں نے خواب میں

[1] شرح ابن ابی الحدید= ج ۳، ص ۱۱۵؛ سورہ اسراء= آیت ۶۰

بندروں کی شکل میں دیکھا ہے جو میرے منبر پر آتے ہیں اور یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی:

"جو خواب ہم نے آپ کو دِکھلایا ہے ہم نے اُسے نہیں مقرر کیا مگر لوگوں کے لئے ایک آزمائش۔ اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون ٹھہرایا گیا ہے"۔

یزید ملعون قرآن میں:۔

اس آیت کے علاوہ یزید ملعون کا ذکر ایک آیت میں بصورت کنارہ آیا ہے۔

حروفِ مقطعات کی شرح جو حضرت بقیۃ اللہ الاعظم روحی واَرواح فداہ کی طرف سے ان کی تفسیر آئی ہے:

... فَالۡکَافُ اِسۡمُ کَرۡبَلَاءَ وَ الۡهَاءُ هِلَاكُ الۡعِتۡرَةِ وَ الۡیَاءُ یَزِیۡدُ لَعۡنَةُ اللهِ عَلَیۡهِ وَ هُوَ ظَالِمُ الۡحُسَیۡنِ عَلَیۡهِ السَّلَامُ وَ الۡعَیۡنُ عَطَشُهُ وَ الصَّادُ صَبۡرُهُ...[1]

"کاف" اشارہ ہے کربلا کی طرف اور "ھا" اشارہ ہے عترتِ طاہرہ علیہم السلام کی اَسارت اور قتل ہونے کی طرف۔ یا اشارہ ہے یزید ملعون جو امام حسین علیہ السلام پر ظلم کرنے والا ہے کی طرف۔ "عین" امام حسین علیہ السلام کی پیاس کی علامت ہے اور "صاد" ان مصیبتوں کے سامنے اور تمام مصائب کے سامنے صبرِ امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے"۔

[1] تفسیر صافی= ج ۲، ص ۳۸

آخری درجہ کی خباثت :۔

اگر تاریخ یزید کی کوئی رذالت نہ بھی لکھتی سوائے امام حسین علیہ السلام کے قتل کرنے کے تو یہی اس کی سب سے بڑی خباثت اور اس پر لعنت کرنے کے لئے کافی تھی۔

حاکمِ شام نے امام حسن علیہ السلام کے ساتھ معائدہ کے باوجود اپنے بیٹے یزید کو مسلمانوں کا ولی عہد قرار دیا در حالانکہ تمام مسلمان جانتے تھے کہ یزید دائم الخمر، عیاش اور فاسق وفاجر ہے۔ یہ حسن بصری کا کلام ہے۔[1]

یزید کا گناہوں میں مرتکب ہونا اور بے باکی سے لذاتِ نفسانی حاصل کرنے میں حریص تھا۔ اللہ کے احکامات کے ساتھ مذاق کرتا تھا اور اس کی ماں ایک نصرانی عورت تھی جس کا نام میسون بنتِ بجدل کلبی تھا۔

اسی طرح ثالث کی بیوی بھی ایک نصرانی عورت تھی۔

یزید کی ماں نے اپنے باپ کے غلام کو اپنی طرف راہ دی اور اس سے حاملہ ہوئی اور کلبی نسابہ نے اس نسب کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَإِن يَكُنِ الزَّمَانُ أَتَى عَلَينَا
بِقتلِ التُّركِ وَ المَوتِ الوَحِيِّ
فَقَد قَتَلَ الدَّعِيُّ وَ عَبدُ كَلبٍ
بِأَرضِ الطَّفِّ أَولَادَ النَّبِيِّ۔[2]

”کیسا زمانہ ہم پر آیا کہ ہماری سب سے بڑی جماعت کو قتل کر دیا

۱۔ ابو ہریرہ = ص ۱۸۴
۲۔ تتمۃ المنتہی = ص ۵۶

گیا (اسی طرح) دعی وعبدکلب نے کربلا میں اولادِ نبیؐ کو (ایک بار میں قتل کیا)“۔

مراد از دعی ابنِ زیاد اور عبدکلب سے مراد یزید فاسق ہے۔

حاکمِ شام نے جب چاہا کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے لوگوں سے بیعت لے تو جو بھی اس کی مخالفت کرتا تو وہ اگر اس کو قتل کر سکتا تھا تو اُسے قتل کر دیتا تھا۔

من جملہ ان میں سے عبدالرحمٰن ابن ابی بکر جس نے جنگِ جمل میں اپنی بہن بی بی عائشہ کے رکاب میں اور صفین میں حاکمِ شام کے ہمرکاب ہو کر امیر المؤمنین علیہ السلام سے جنگ کی، اس کو زہر سے قتل کر دیا گیا کیونکہ اس نے حاکمِ شام کے اس ظلم پر حاکمِ شام پر تنقید کی تھی کہ کیا یہ ہرقلی[1] رسم ہے؟ جب کسرائی مرتا تو لازماً اس کا بیٹا اس کی ذمہ داری سنبھالتا۔ خدا قسم! میں اس رسم کو قبول نہیں کروں گا۔

حاکمِ شام نے خاموش کرنے کے لئے پہلے تو اس کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے لیکن عبدالرحمٰن نے قبول نہیں کئے اور اس کو واپس کر دیئے اور کہا: آیا حاکمِ شام مجھ سے یہ توقع کرتا ہے کہ میں اپنے دین کو دنیا کے مقابلے میں بیچ دوں؟

جب حاکمِ شام نے اس کا یہ ردِعمل دیکھا تو پھر اس نے عبدالرحمٰن کو مسموم کرنے کا پروگرام بنایا اور اس کو مدینے میں بنام الحبشی پہاڑ کے نیچے دفن کر دیا۔[2]

یزید نے اپنی زندگی میں بندروں، چیتوں، شراب اور انواع جوا کے کھیل اور

۱۔ فلسفہ کا پیروکار ہرقل فلاسفر یونانی جو مکتب افلاطون سے تھا حدوداً ۳۳۰ سال قبل از مسیح مرگیا۔
توضیح الملل = ج ۱، ص ۱۷۵
۲۔ طلیق بن طلیق = ص ۱۴۰

اسلام کی حرمت کا مذاق اور ذریت طاہرہ علیہم السلام کا قتل، مہاجر و انصار کی عورتوں کے ستر ظاہر کروائے اور حرم رسول اللہ علیہم السلام کی توہین کی اور مدینہ کے لوگوں کا خون بہایا، آزاد بزرگ تابعی[1] مردوں کو غلام بنایا، کعبہ کو ویران کرنا اور اس کے پردوں کو آگ لگائی اور اس نے علی الاعلان شراب پی۔

یزید اس قدر پست تھا کہ سبطِ ابنِ جوزی ایک رسالہ بنام "تجویز لعن" میں لکھتا ہے:

ایک دستہ مدینہ سے شام گیا اور جب واپس پلٹا تو یزید کو گالیاں دیں اور کہتے تھے:

قَدِمْنَا مِنْ عِنْدِ رَجُلٍ لَيْسَ لَهُ دِينٌ، يَشْرَبُ الْخَمْرَ وَ يَعْزِفُ بِالطَّنَابِيرِ وَ يَلْعَبُ بِالْكِلَابِ.[2]

"ہم اس شخص کی طرف سے آرہے ہیں جس کا کوئی دین نہیں، شراب پیتا تھا، طنبورہ ولہو ولعب اور کتوں سے کھیلنا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں"۔

اور عبداللہ بن حنظلہ سے نقل کرتا ہے جو یزید کے بارے کہتا ہے:

إِنَّهُ رَجُلٌ يُنْكِحُ الْأُمَّهَاتِ، وَ الْبَنَاتِ وَالْأَخَوَاتِ وَ يَشْرَبُ

۱۔ تابعین وہ تھے جنہوں نے اصحاب رسول کو درک کیا اور ان کے طریقے سے سنت واحادیث سے آشنا ہوئے قرآن ان میں سے بعض کے بارے میں فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ.

"جو ان کے بعد آئے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لئے کوئی عداوت نہ رکھ، ہمارے رب! تو یقیناً بڑا مہربان، رحم کرنے والا ہے"۔۔۔۔(سورہ الحشر= آیت ۱۰)۔

۲۔ تتمۃ المنتہی=ص۵۶

الْخَمْرَ وَ يَدَعُ الصَّلَاةَ.[1]

"وہ تارک الصلاۃ اور شارب الخمر تھا جو ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے بھی گریز نہیں کرتا تھا"۔

حتیٰ کہ لکھا: اس کی ایک کنیز تھی جو فوت ہوگئی، اس کا جنازہ ایک ہفتہ اس کے پاس پڑا رہا جب تک کہ اس میں بدبو پیدا نہیں ہوئی اور غیر قابل برداشت نہ ہوئی، اس نے اس سے ہاتھ نہیں نکالا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اس کو دفن کرو۔

مسعودی "مروج الذہب" میں لکھتا ہے:

"یزید کے پاس ایک بندر تھا جس کا نام ابوالقیس تھا۔ اس نے اس حیوان کے لئے ایک تکیہ استراحت کی جگہ بنائی ہوئی تھی اور اس کو اپنی مجلس میں حاضر کرتا تھا اور کبھی گدھے پر سوار کرتا تھا تاکہ مقابلہ میں شرکت کرے"۔[2]

پس! جو اس نے کام کیا، اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو اس کی پیشانی چوم کر کہتا:

أَنْتَ مِنِّي وَ أَنَا مِنْكَ وَ كُلُّنَا مِنْ هٰذَا آكِلَةُ الْأَكْبَادِ.

فسق و فجور اور علی الاعلان گناہ کے ظہور اور اپنے عقیدہ میں کفر و ارتداد اور اپنے عمل اور گفتار میں صرف جنایاتِ کربلا و مدینہ اور مکہ پر قناعت نہیں کی بلکہ عبیداللہ بن زیاد کو حاکمِ کوفہ بنایا تاکہ اپنے باپ کے عمل کو دہرائے اور شیعیانِ علی علیہ السلام کے قتل کی تاریخ دہرائے۔

۱۔ تتمۃ المنتہی=ص۵۶

۲۔ تاریخ مفصل اسلام حسین عمادزادہ=ص۲۷۰

عبیداللہ ابن زیاد، شیعیانِ علی علیہ السلام کو قتل کرتا، زندان میں ڈالتا، دار پر لٹکاتا اور ہاتھ پاؤں کاٹتا اور میثم تمار سے۔ "جو انصارِ امیر المؤمنین علیہ السلام سے تھے"۔ کہا۔ علی علیہ السلام سے بیزاری اختیار کرو ورنہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور تمہیں دار پر لٹکا دوں گا۔

میثم نے اس دھمکی کے مقابلے میں علی علیہ السلام کے فضائل پڑھے اور ابن زیاد اور بنی اُمیہ پر لعنت کی۔ ابن زیاد حرامزادے نے میثمؒ کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ کر اس کے جنازے کو دار پر لٹکا دیا۔[1]

ایک یزیدی، تمام عیار:۔

واقعاً انسان ایک دنیا میں تعجب میں ڈوب جاتا ہے جب دیکھتا ہے کہ محمد غزالی۔ "جس کو اہلسنت حجۃ الاسلام کہتے ہیں۔ "اپنی کتاب" آفات اللسان" مجلد ثالث "احیاء العلوم" میں کہتا ہے:

"یزید مسلمان ہے! اس پر لعنت جائز نہیں۔ امام حسین علیہ السلام کے قتل کی طرف امر کی نسبت دینا مسلمانوں کی طرف سوئے ظن ہے جو حکمِ کتاب وسنت کے مطابق حرام ہے اور جو بھی اس کی صحت کی طرف گمان کرے وہ حماقت کی انتہاء پر ہے اور یزید کو رحمۃ اللہ کہنا جائز بلکہ مستحب ہے، وہ مومن تھا"۔

قارئین محترم! آپ جس طرح چاہیں غزالی کو جواب دیں یقین رکھیں اس پر کہ غزالی اور اس جیسے نہ حقیقت رکھتے ہیں اور نہ ہی انصاف۔ اور قطعاً یزید پر لعنت کا جواز اس نے اور ان کے پیروکاروں نے اپنی روائی کتب میں دیکھا ہے لیکن خود

۱۔ شیعۃ وزمامداران خودسر=ص ۱۱۱، مصطفیٰ زمانی

نادان بنتے ہیں یا پھر بے بنیاد توجیہ کرتے ہیں۔

غزالی میں اگر تھوڑا سا بھی انصاف ہوتا تو وہ اپنے تعصب کو ایک طرف رکھتا، قطعاً اس کی قضاوت بے اثر نہ تھی۔

یہ بھی جان لیں کہ امام احمد بن حنبل اور بہت زیادہ اہل سنت کے طراز اوّل کے علماء نے یزید پر لعنت کرنا جائز لکھا ہے۔ حتیٰ کہ ابن جوزی اس باب میں ایک کتاب لکھتا ہے: بنام "الرد علی المتعصب العنید المانع عن لعن یزید" جو وہاں پر مفصلاً یزید پر لعنت کے جواز میں بحث کرتا ہے۔

اور ملا سعد تفتازانی جس نے صیت فضل سے کائنات کے کانوں کو پُر کیا ہوا ہے، اپنی کتاب "شرح عقائد نسفیہ" میں کہتا ہے:

و الحق: أن رضا »یزید« بقتل »الحسین« و استبشاره بذلك، و اهانته أهل بيت النبی علیه السلام، مما تواتر معناه، و ان كانت تفاصيله آحادا، فنحن لا نتوقف فی شأنه، بل فی ایمانه۔ لعنة الله علیه و علی أنصاره و أعوان۔[1]

"بیشک! یزید کی خوشنودی و رضا قتل امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کی توہین کی طرف حدِ تواتر سے ثابت ہے اگرچہ اس کی تفصیل احادیث میں نقل ہوئی ہے۔ مثل شجاعت امیر المؤمنین علیہ السلام اور سخاوت حاتم۔ ہم اس کی شان میں توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں ہی توقف نہیں کرتے (یعنی ہمیں کوئی شک نہیں کہ کوئی اس

۱۔ تتمۃ المنتہی=ص ۶۸

کوکافر جانیں) اللہ کی لعنت ہو اس پر اس کے انصار و اعوان پر"۔

اگر کوئی مائل ہے کہ اس ملعون کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ۔۔۔۔

۱۔ تتمۃ المنتہی، تالیف: محدث قمی، ص ۵۵ تا ۷۲

۲۔ تاریخ مفصل اسلام تالیف: حسین عماد زادہ، ص ۲۶۷ تا ۲۷۲

۳۔ اخبار الطوال تالیف: ابو حنیفہ، احمد بن داؤد دینوری، ترجمہ دکتر محمود مہدوی دامغانی۔۔۔۔کی طرف رجوع کرے۔

خدا اور مخلوق کی لعنت ہو یزید پر اور یزیدیوں پر:۔

بحث کی اس قسمت میں مختصراً ہم کچھ موارد کا ذکر کریں گے کہ جن میں اللہ و رسول گرامی اسلام، انبیاء عظام علیہم السلام، ملائکہ اور دوسری موجودات نے یزید اور اس کے پیروکاروں پر لعنت کی اور قدر مسلم امثال مذکور جوان مظالم سے خوش ہیں اور اس حرامزادے یزید کے افعال سے راضی ہیں تو وہ بھی اس لعنت کے زمرے میں آتے ہیں:

مَن رَضِيَ بِفِعلِ قَومٍ فَهوَ مِنهُم.

"اگر کوئی کسی گروہ کے عمل سے راضی ہو تو وہ ان میں سے ہے"۔

اور یہ ایک بنیاد ہے جو تبدیل نہیں ہوتی۔

یہ احادیث جو ذیلاً نقل ہو رہی ہیں "کامل الزیارات" ابن قولویہ مصحح علامہ امینی سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام کو آغوش میں لیا ہوا تھا اور حضرت سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا سے فرمایا کہ علی اعلیٰ فرماتا ہے:

بُورِكَ مِنْ مَوْلُودٍ عَلَيْهِ بَرَكَاتِي وَ صَلَوَاتِي وَ رَحْمَتِي وَ رِضْوَانِي. وَ لَعْنَتِي وَ سَخَطِي وَ عَذَابِي وَ خِزْيِي وَ نَكَالِي عَلَىٰ مَنْ قَتَلَهُ وَ نَاصَبَهُ وَ نَاوَاهُ وَ نَازَعَهُ.[1]

"مبارک باد ہو اس مولود پر کہ میری برکات و صلوات اور رحمت و رضوان اس پر ہیں اور میری لعنت و خشم اور عذاب و ذلت اور عقوبت اس کو قتل کرنے اور اس کو نصب کرنے والے پر اور اس کے ساتھ ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین سلام اللہ علیہا کو آغوش میں لیا ہوا تھا، فرمایا:

لَعَنَ اللهُ قَاتِلِيكَ وَلَعَنَ اللهُ سَالِبِيكَ وَ أَهْلَكَ اللهُ الْمُتَوَازِرِينَ عَلَيْكَ وَ حَكَمَ اللهُ بَيْنِي وَ بَيْنَ مَنْ أَعَانَ عَلَيْكَ.[2]

"اللہ لعنت کرے تمہارے قاتلوں پر، خدا لعنت کرے تمہارے (خیام کو) غارت کرنے والے پر، خدا نابود کرے ان کو جو تمہارے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور خدا خود حکم کرے میرے اور ان کے درمیان"۔

...فَلَمْ يَبْقَ مَلَكٌ فِيهَا. لَعَنَ قَتَلَتَهُ وَ أَشْيَاعَهُمْ وَ أَتْبَاعَهُمْ.[3]

"کوئی بھی فرشتہ باقی نہیں رہتا مگر یہ کہ قاتلانِ حسین علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں پر لعنت کرتے ہیں"۔

أَوَّلُ مَنْ لَعَنَ قَاتِلَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِبْرَاهِيمُ

۱۔ کامل الزیارات = ج ۱، ص ۶۷

۲۔ کامل الزیارات = ج ۱، ص ۶۸

۳۔ کامل الزیارات = ج ۱، ص ۶۷

خَلِيلُ الرَّحْمٰنِ وَ أَمَرَ وُلْدَهُ بِذٰلِكَ وَ أَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ وَ الْمِيثَاقَ ثُمَّ لَعَنَهُ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ وَ أَمَرَ أُمَّتَهُ بِذٰلِكَ ثُمَّ لَعَنَهُ دَاوُدُ وَ أَمَرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِذٰلِكَ ثُمَّ لَعَنَهُ عِيسَى وَ أَكْثَرَ أَنْ قَالَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْعَنُوا قَاتِلَهُ.....[1]

"سب سے پہلے جس نے قاتل حسین علیہ السلام پر لعنت کی وہ ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام ہیں، اس نے اپنے بیٹوں کو اس امر کی تعلیم دی اور ان سے اس عہد پر پیمان کیا۔ اس کے بعد موسیٰ ابن عمران علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کے قاتل پر لعنت کی اور اپنی امت کو بھی اس کا حکم دیا۔
اس کے بعد داؤد علیہ السلام نے اس پر لعنت کی اور بنی اسرائیل کو حکم دیا۔
اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے اس پر لعنت کی اور بہت زیادہ اپنی امت کو کہتے = اے بنی اسرائیل! ان کے قاتل پر لعنت کرو"۔

مَا مِنْ سَحَابَةٍ تَمُرُّ وَ تُرْعِدُ وَ تُبْرِقُ إِلَّا لَعَنَتْ قَاتِلَهُ.[2]

"کوئی ابر نہیں جو گزرے اور بجلیاں پیدا کرے مگر یہ کہ قاتل حسین علیہ السلام پر لعنت نہ کرتا ہو"۔

امام حسین علیہ السلام کی زیارت نامہ میں عموماً ان کے قاتلوں پر لعنت اصلی ارکان ہیں۔ زیارت عاشورہ میں ان کے ناموں کو مکرراً بنام لعنت کی گئی۔

...اَللّٰهُمَّ الْعَنْ يَزِيدَ خَامِساً۔

"اے اللہ! ------- کے بعد پانچویں یزید پر لعنت کر"۔

۱۔ کامل الزیارات = ج۱، ص۶۷

۲۔ کامل الزیارات = ج۱، ص۷۳

امام حسین علیہ السلام صاحبِ کوثر و تطہیر اور بیتِ وحی سے ہیں

قمر منیر قمرِ بنی ہاشم نے یزید اور امام حسین علیہ السلام کی صفات کو بیان کیا۔ دین فروش لوگوں کی آگاہی کے لئے اور ان پر اتمامِ حجت کے لئے جو مطالب بیان فرمائے ان کا مضمون یہ ہے:

"اپنے دل کی آنکھوں کو کھول کر دیکھو۔ آیا ایک وہ جو شارب الخمر ہے، وہ اتباع کے لئے شائستہ ہے یا وہ جو صاحبِ حوض و کوثر ہے؟
کوثر و سلسبیل اور دوسرے جنتی شرابوں کا اختیار سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حسین علیہ السلام کے پاس ہے اور کل قیامت کے دن وہی کوثر سے سیراب ہوگا جو ولایتِ آل محمد علیہم السلام رکھتے ہوئے ہر گناہ کے ارتکاب سے پرہیز کرے گا۔
حقیقت وظہور کوثر، وجود دنیا میں امام حسین علیہ السلام کی ذی جُود مادرِ گرامی قدر سیّدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا ہیں اور جو بھی دنیا میں اس کوثر سے دل بستگی رکھے گا اور محبت کرے گا اور ان کے دشمنوں اور مخالفوں سے بیزار ہوگا، وہ کل قیامت کے دن اس خاندان کے ہاتھوں کوثر سے سیراب ہوگا۔

اور اگر کوئی یزید اور ان کے پیروکاروں سے متصل ہوگا اور ان پر مظالم کرے گا تو وہ روزِ قیامت زقوم وسجینِ جہنم سے سیراب ہوگا۔

یزید وہ ہے جو غوانی یعنی گویوں اور مست رقاصوں کو اپنے گھر اور دربار میں بلاتا تا کہ ان سے طَرب ناک آواز سنے اور بدمستی سے تمام لذتیں اٹھائے۔ لیکن حسین علیہ السلام کا گھر وحی الٰہی کا گھر ہے کہ جبرئیل و وحی اور قرآن وہاں پر نازل ہوتے ہیں ملائکۃ اللہ، اللہ کی بارگاہ میں اپنے مقام کے ارتقاء کے لئے یہاں پر نازل ہوتے ہیں اور اس بیتِ مقدس کی تراب نورانی سے استفادہ کرتے ہیں۔

ان ذوات مقدسہ کے گھر مکمل اس آیت شریفہ کے مصداق ہیں:

فِي بُيُوتٍ اَذِنَ اللهُ اَن تُرفَعَ وَ يُذ كَرَ فِيهَا اسمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيهَا بِالغُدُوِّ وَ الاٰصَالِ۔[1]

"(ہدایت پانے والے) ایسے گھروں میں ہیں جن کی تعظیم کا اللہ نے اذن دیا ہے اور ان میں اس کا نام لینے کا بھی، وہ ان گھروں میں صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں"۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس آیہ مذکورہ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

هِيَ بُيُوتُ الأَنبِيَآءِ [عَلَيهِمُ السَّلَامُ] وَ بَيتُ عَلِيٍّ [بنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيهِ السَّلَامُ]۔[2]

"یہاں پر بیت سے مراد بیوتِ انبیاء (عَلَيهِمُ السَّلَامُ) اور علی علیہ السلام

1۔ سورہ النور = آیت ۳۶

2۔ تفسیر البرہان = ج ۳، ص ۱۳۷

(ابنِ ابی طالبؑ) کا گھر ہے"۔

چند دوسری روایات میں آیا ہے کہ اصحاب نے سوال کیا: آیا بیتِ علی علیہ السلام و فاطمہ سلام اللہ علیہا ان بیوت کا جزء ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے افضل ترین ہے۔[1]

معرفتِ اہل بیت علیہم السلام کلام امام حسین علیہ السلام میں:۔

امام حسین علیہ السلام نے حاکم مدینہ سے۔ "جب اس نے چاہا"۔ اس بزگوارؑ سے یزید کے لئے بیعت طلب کرے تو آپؑ نے فرمایا:

إِنَّا أَهلُ بَيتِ النُّبُوَّةِ وَ مَعدِنُ الرِّسَالَةِ وَ مُختَلَفُ المَلَائِكَةِ وَمَهبَطُ الرَّحمَةِ وَ بِنَا فَتَحَ اللهُ وَ بِنَا يَختِمُ اللهُ وَ يَزِيدُ رَجُلٌ شَارِبُ الخَمرِ وَ قَاتِلُ النَّفسِ المُحَرَّمَةِ مُعلِنٌ بِالفِسقِ وَ مِثلِي لَا يُبَايِعُ بِمِثلِهٖ۔[2]

"ہم خاندان نبوت و معدن رسالت اور فرشتوں کے آنے کی جگہ اور نزولِ رحمتِ خدا ہیں۔ (رحمتِ خدا پہلے ہمارے گھر میں نازل ہوتی ہے، اس کے بعد اس گھر سے تمام عالم فیضیاب ہوتا ہے)۔ اللہ نے ہمارے وسیلے سے بابِ ہدایت کو اپنی مخلوق پر کھولا اور ہمارے ہی وسیلے اس کو ختم کیا۔ (علوم و کمالات اور معارف سے جو کچھ لازم تھا، ہمارے وسیلے سے لوگوں تک ابلاغ ہوا۔ کوئی بھی چیز باقی نہیں رہی جو

1۔ تفسیر البرہان، ج ۳، ص ۱۳۷

2۔ تاریخ طبری، ج ۷، ص ۲۱۸

ہمارے خاندان کا غیر اس کو بیان کرے)۔ یزید شارب الخمر اور محترم نفس کو قتل کرنے والا ہے اور وہ، وہ ہے جس کا فسق و فجور آشکار ہے۔ میرے جیسا شخص، اس جیسے شخص کی ہرگز بیعت نہیں کرے گا"۔

پس! آلِ محمد علیہم السلام کا گھر ملائکہ کے نازل ہونے اور ان کی بوسہ گاہ ہیں اور یہ وہ گھر ہیں جن کے ساتھ خداوند متعال نے آیہ تطہیر کو مخصوص کیا اور نازل فرمایا ہے۔

جب پنجتن آلِ عباء علیہم السلام چادر کے نیچے جمع ہوئے تو خداوندِ علی اعلاء نے ملائکہ اور ساکنینِ عرش سے فرمایا:

یَا مَلاَئِکَتِی وَیَا سُکَّانَ سَمٰوَاتِی اِنِّي مَا خَلَقْتُ سَمَآءً مَّبْنِيَّةً وَّلَا اَرْضاً مَّدْحِيَّةً وَّلَا قَمَراً مُّنِيراً وَّلَا شَمْساً مُّضِيئَةً وَّلَا فَلَكاً يَّدُورُ وَلَا بَحْراً يَّجْرِي وَلَا فُلْكاً يَّسْرِي اِلَّا فِي مَحَبَّةِ هٰؤُلَآءِ الْخَمْسَةِ الَّذِينَ هُمْ تَحْتَ الْكِسَآءِ)۔

"خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا: اے میرے فرشتو اور اے آسمان میں رہنے والو! بے شک میں نے یہ مضبوط آسمان پیدا نہیں کیا اور نہ پھیلی ہوئی زمین، نہ چمکتا ہوا چاند، نہ روشن تر سورج، نہ اُس فلک کو جو دَورہ کرتا ہے اور نہ دریائے جاری کو اور نہ تیرتی ہوئی کشتی کو مگر یہ کہ یہ سب چیزیں ان پانچ نفوس کی محبت میں پیدا کی ہیں جو اس چادر کے نیچے ہیں"۔

پس! اس پر جبرائیل امینؑ نے عرض کیا= اے پروردگار! اس چادر کے نیچے کون بزرگوارؑ ہیں؟

خدائے عزوجل نے فرمایا:

أَهْلُ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنُ الرِّسَالَةِ هُمْ فَاطِمَةُ وَأَبُوهَا وَبَعْلُهَا وَبَنُوهَا۔

"وہ نبیؐ کے اہل بیت علیہم السلام اور رسالت کا خزینہ ہیں۔ وہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ان کے بابا، ان کے شوہر نامدار علیہ السلام اور ان کے دو بیٹے علیہ السلام ہیں"۔

جبرئیلؑ، اللہ سے اجازت چاہتا ہے کہ ان پانچ نفوس میں متصل ہو، منشور کریمہ تطہیر میں۔ ان کے پاس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتا ہے= اللہ نے آپؐ کی طرف وحی بھیجی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً۔

"اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ ہر طرح کی ناپاکی کو آپؐ کے اہلِ بیت سے دور رکھے اور انؑ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے"۔

یا تو بغض رکھتے ہیں یا جاہل ہیں:۔

وہ جو آئمہ طاہرین علیہم السلام اور رسولِ مکرمِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کو زیرِ سوال لے جاتے ہیں یا تو وہ بغض رکھتے ہیں یا جاہل ہیں۔ وہ لوگ جو بغض رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے منتخب کردہ کے بُرے کاموں کی توجیہ کے لئے یہ تدبیر سوچی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء اور اولیاء اللہ کو گناہ گار ثابت کریں گے تو پھر جو بھی ان سے غلطی صادر ہو گی تو کوئی بھی اعتراض کے لئے زبان نہیں کھولے گا کیونکہ ان کے گناہ کوئی نئی چیز تھوڑی ہے۔

اور افراد جاہل کہ جنہوں نے اپنا علم غیر آل محمد علیہم السلام سے لیا ہے یا پھر ان کے اقوال کو صحیح نہیں سمجھے یا پھر قرآن کے ظاہری الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں، انہوں نے بھی اسی راہِ انحطاط کو سامنے رکھا ہے۔ یہ ایک اصل عقلی ہے کہ اگر کوئی اپنے اعمال و گفتار اور عقائد میں صرف خطاء کا احتمال بھی کرلے تو وہ پیروی کے قابل نہیں ہے۔

جو خود ہی صحیح راہ اور خدا پسند کی طرف ہدایت نہیں ہوا اور اس کے اعمال پیچیدہ ہوں اور معصیت انجام دیتا ہو تو وہ امت کا ہدایت گر نہیں ہوسکتا۔

قرآن فرماتا ہے:

اَفَمَن یَّھدِیٓ اِلَی الحَقِّ اَحَقُّ اَن یُّتَّبَعَ اَمَّن لَّا یَھِدِّیٓ اِلَّآ اَن یُّھدٰی۔[1]

"تو پھر (بتاؤ کہ) جو حق کی راہ دکھاتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود اپنی راہ نہیں پاتا جب تک اس کی رہنمائی نہ کی جائے؟"۔

منطقِ عامّہ اور عامّہ گمراہ جاہل شیعہ کیونکہ انہوں نے آل محمد علیہم السلام سے علم نہیں لیا، وہ ہمیشہ منحرف ہیں۔ قرآن اپنی آیات کو دو دستوں میں تقسیم کرتا ہے۔

۱۔ محکم۔ ۲۔۔متشابہ۔۔۔۔۔اور فرماتا ہے:

فَاَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِھِم زَیغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَہَ مِنہُ ابتِغَآءَ الفِتنَۃِ وَ ابتِغَآءَ تَاوِیلِہٖ۔ وَ مَا یَعلَمُ تَاوِیلَہٗ اِلَّا اللہُ وَ الرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ۔۔۔۔[2]

۱۔ سورہ یونس = آیت ۳۵

۲۔ سورہ آل عمران = آیت ۷

"جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ اور تاویل کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، جب کہ اس کی (حقیقی) تاویل تو صرف خدا اور علم میں راسخ مقام رکھنے والے ہی جانتے ہیں"۔

زیغ ایک قلبی بیماری ہے جو انحراف اور باطل کی طرف مائل ہونے کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ فی الواقع آیات متشابہ اسی آیت شریفہ میں معنی ہوئی ہیں۔

وہ آیات جو ان کے منظور نظر ہیں ان سے اللہ کی یہ بالکل مراد نہیں مگر وہ قدر مسلم! دنیا پرست، ضدِ دین یہی کام کرتے ہیں تا کہ مسلمانوں کے اس دستے سے جو معتقد ہیں، قرآن کی طرف کہ علم و معرفت اور کمال وکافی نہیں ہیں، ان کو وہ آیات اپنے فائدے میں سناتے ہیں کہ جتنا ممکن ہوسکے اس سے بہرہ برداری کریں۔

یزیدیوں کے گھر:۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کی منطق جو وحی کی منطق ہے، فرمایا:

"وہ گھر کہ جس میں آلاتِ لہو ولعب اور جوا کھیلنے اور گمراہ کرنے والی فلمیں ہوں، وہ یزیدی گھر ہیں اور قدر مسلم تجلیاتِ انوارِ جلال و جمالِ حق سے فاقد ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کا عاشورا میں ایک خطبہ کہ جو حقائق کے دریافت کرنے سے مانع ہوتے ہیں، ان کیلئے مالِ حرام کھانے والے اور ان تحفوں میں تصرف جو مال حرام سے دیئے گئے ہوں، ان کیلئے شمار کیا گیا۔ مغرب زدہ لوگ، اہلِ ایمان کو جو حرام، لہو ولعب اور افکار غربی سے استفادہ نہیں کرتے، ان کو عقب ماندہ (جو پیچھے رہ گئے ہوں) مانتے ہیں۔ اس حال میں کہ خود تو بہت زیادہ پیچھے رہ گئے ہیں اور جہل مرکب کے مرتکب ہوئے ہیں۔

هر کس که خواست شام جهالت سحر شود
باید ز نور علم و عمل بهره ور شود
بیچاره احمقی که کند ادعای علم
بگذار عمر او به بطالت هدر شود

"جو بھی چاہتا ہے کہ اس کی شام جہالت کی سحر ہو، اُسے چاہیے کہ وہ نورِ علم وعمل سے بہرہ ور ہو۔ بیچارہ احمق جو علم کا دعویٰ کرے، چھوڑ اُسے اس کی زندگی بطالت کی طرف تباہ ہو"۔

مخلص خیر خواہ:۔

کیوں انسان آلِ محمد علیہم السلام جو مظاہر علم وقدرت اور مظہر امرِ خداوند متعال ہیں، کو رہا کرے اور ان کے مخالفین سے عملاً متصل ہو؟

کیوں انسان کہ اللہ نے اُسے عقل وشعور دیا ہے، بابِ ہدایت کو چھوڑ کر بابِ ضلالت وگمراہی کی طرف پناہ لے؟ کیوں انسان نور کو چھوڑ کر ظلمت کا سہارہ لے۔

پس! آلِ محمد علیہم السلام اللہ کی وحی کے حامل ہیں اور ایک پاک نمونہ اور اللہ کی سب سے بڑی نشانیاں ہیں، آل محمد علیہم السلام خالق اور مخلوق کے درمیان واسطۂ فیض ہیں، اور تمام علومِ الٰہی ان کے مبارک سینوں میں محفوظ اور تمام کتبِ آسمانی کہ جس طرح شروع سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں، اُن سے کامل آشنائی رکھتے ہیں۔

آلِ محمد علیہم السلام امت کے خیر خواہ اور مخلص ہیں اور ان کا اخلاق حسنہ مخلوق کی ہدایت کے لئے بہترین عامل ہے۔ دنیا وآخرت کا بدبخت و بیچارہ وہ ہے جو اِن ذواتِ مقدسہؑ سے منہ موڑ کر ان کے دشمنوں سے متصل ہو۔

فصلِ ہشتم

جب تک میں زندہ ہوں

جب تک میں زندہ ہوں

قال مولانا العباس علیہ السلام:

....وَ أَنتُم وَقَعتُم فِی الغَلطَةِ الَّتِی قَد وَقَعَت فِیهَا القُرَیش لِأَنَّهُم اَرادُوا قَتلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَ آلِهِ وَ أَنتُم تُرِیدُونَ قَتلَ ابنِ بِنتِ نَبِیِّکُم وَ لَا یُمکِنُ لَهُم مَادَامَ اَمِیرُ المُؤمِنِینَ (ع) حَیّاً وَ کَیفَ یُمکِنُ لَکُم قَتلَ اَبِی عَبدِاللهِ الحُسَینِ (ع) مَادُمتُ حَیّاً سَلِیلاً؟...

"اور تم اسی غلطی میں پڑ گئے ہو جس میں قریش پڑے ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور تم اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہو۔ قریش اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام کی ہیبت و جلال کے آگے ان کی ایک نہ چل سکی اور کیسے ممکن ہوگا تمہارے لئے ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کا قتل جبکہ اسی علی علیہ السلام کا بیٹا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے علیہ السلام کی حفاظت پر مامور ہو؟۔۔۔"

قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے ان کا نقشہ سوء

وہ جو مؤرخین کے درمیان مسلم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب تا "عدنان"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکیسویں جدّ بزرگوار ہیں۔ عزیز عالمِ وجود کے تیرہویں جد بنام نضر بن کنانہ کہ جو قریش سے موسوم تھے، جن کی نسبت ان تک پہنچتی ہے، وہ قریشی تھے اور مختصراً ان کو قریش کہتے تھے۔

یہ قول قبیلہ قریش کے بارے میں مشہور ترین اقوالِ پنجگانہ میں سے ہے۔[1]

ان کی (قریش) کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ابنِ اسحاق کہتا ہے:

"قریش، تقرش سے بمعنی تجمع ہے۔ اس وجہ سے نضر کو قریش کہا جاتا ہے کہ اس کی قوم اور قبیلہ کے درمیان جو تفرقہ پڑا ہوا تھا، اُن کو آپس میں جمع کیا"۔[2]

وہ پریشانیاں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنا تھا:۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں رسالت پر مبعوث ہوئے تو کفر اور بت پرستی قریش اور مکہ کے دوسرے قبائل پر عجیب سایہ فگن تھی۔

۱۔ زندگانی حضرت محمد خاتم النبیینؐ، سید ہاشم رسول محلاتی = ص ۳

۲۔ زندگانی حضرت محمد خاتم النبیینؐ، سید ہاشم رسول محلاتی = ص ۴

تعصّباتِ قومی اور قبیلائی اس قدر شدید تھے کہ کوئی بھی ان کو ترک کرنے پر حاضر نہ تھا اور اپنے سر و جان پر گزر جاتے تھے۔

حد سے زیادہ خرافات تھے اور ہر قبیلے میں حکومت ملوک الطوائفی موجود تھی۔

ضعیف طبقہ غلام اور کنیز کی صورت میں حاکموں کی طرف تحفے کی صورت میں بھیجے جاتے اور عورتوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں تھی۔[1]

ایسے ماحول میں جبر پر اور حقائق و معانی سے دور، معلوم ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ ایک جان کے ساتھ ان کی آراء اور افکار و اعمال کے سامنے مبارزہ کے لئے کھڑا ہو تو وہ کون سی مشکلات کے روبرو ہوگا؟ اور اس کے ساتھ کیسی رفتار اختیار کی جائے گی؟

جب تک اس کو قتل نہ کریں تو آرام سے نہیں بیٹھ سکتے۔

وہ جو اعمال کی جزاء کے معتقد نہیں ان کے لئے کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے وہ ضرب شتم قتل سے اجتناب کریں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِزَالَةُ الْجِبَالِ أَهْوَنُ مِنْ إِزَالَةِ قَلْبٍ عَنْ مَوْضِعِهِ۔[2]

"پہاڑوں کو جا بجا کرنا، دلوں کو ان کی جگہ سے ہٹانے سے آسان تر ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقیدہ کی اصلاحِ تبدیلی اور بندوں کے اعمال کی تبدیلی کے لئے اپنی رسالت میں بہت سے صدمات اٹھائے۔

۱۔ مزید اطلاعات کے لئے کتاب "جاہلیت و اسلام" تالیف: علامہ یحییٰ نوری کی طرف رجوع کریں

۲۔ تحف العقول عن آل الرسول علیہم السلام = ج ۱، ص ۳۵۸

رسالت کے پہلے تین سالوں میں مخفیانہ طور پر تبلیغ کی اور اپنے اقربیٰ کو اس آیت کے نزول سے "وَ أَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ"[1] "اور اپنے قریب ترین رشتے داروں کو تنبیہ کیجیے" دعوت اسلام کی اور اس دعوت میں ان سے تین بار سوال کیا:

تم میں سے کون ہے تمہارے درمیان جو میرا وزیر، میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین ہو؟

کسی نے جواب نہ دیا مگر امیر المؤمنین علیہ السلام نے کہ جن کی عمر کی تیرہ بہاریں ابھی نہیں گزری تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کے تین سال گزرنے کے بعد پہلے اپنے اقربیٰ کو اور اس کے بعد دعوتِ عمومی دی۔

ایک دن آپؐ نے کوہِ صفا کے کنارے پر کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف نظر کرتے ہوئے صدائے بلند سے لوگوں کو اپنی طرف طلب کیا اور فرمایا:

اے لوگو! جب بھی میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمہارے دشمنوں نے پناہ لی ہے اور تمہارے مال اور جان کا قصد رکھتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

سب نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپؐ نے فرمایا: اے گروہِ قریش! خود کو آگ سے نجات دو، میں تمہارے لئے خدا کی بارگاہ میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ پس! تمہیں عذابِ دردناک سے ڈراتا ہوں۔

ابولہب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور کفر کے سرداروں میں سے تھا، اس نے لوگوں کے سکوت کو توڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کیا اور کہا: وائے ہو تجھ

۱۔ سورہ الشعراء = آیت ۲۱۴

پر! ہمیں اس کام کی دعوت دے رہے ہو؟۔

پہلے پہلے تازہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی رہبری میں ایک صف میں اور سردارانِ کفر قریش ان کے مقابلے میں کھڑے تھے جو کہ وہ گروہ بہ ترتیب از نظر طاقت سپاہِ اسلام کی طاقت سے قوی تر تھے۔

سردارانِ قریش نے ارادہ کیا کہ ہتھیار اور مختلف وسائل سے ان کو ختم کر دیں گے یا پھر دھمکیوں اور اذیتوں سے ان کے راستے روک لیں گے اور اگر انہوں نے اپنی تبلیغات سے ہاتھ نہ اٹھایا تو انہیں قتل کریں گے۔

قریش کا یہ دس سالوں کا نقشہ تھا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہجرت سے اس پر پانی پھیر دیا۔

اس وقت قبیلہ بنی ہاشم کے سردار جنابِ ابو طالب علیہ السلام تھے جو عرب کے قبائل کے درمیان ایک خاص مقام کے حامل تھے۔

ایک گروہ کی جماعت حضرت ابو طالب علیہ السلام کے پاس آئی کہ وہ اپنے بھتیجے سے کہیں کہ بتوں کی توہین کرنے سے ہاتھ اٹھالیں۔ اور اگر انہوں نے یہ کام نہ کیا تو اس کو ان کے حوالے کر دیں۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام نے یہ موضوع، رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چچا جان خدا قسم! اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر رکھیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ کر یہ کہیں کہ میں اپنے دین کی تبلیغ سے ہاتھ اٹھالوں تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور ہرگز یہ کام نہیں کروں گا۔

میں ہدف کے پیچھے چل رہا ہوں، چاہے مجھ پر مشکلات آئیں اور مقصد تک پہنچ

جاؤں گا یا پھر ہدف کے راستے پر جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی قسم! مَیں تمہاری مدد اور حمایت سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، آپؐ اپنے ہدف کو اختتام تک پہنچائیں۔

تین بار قریش یہ آفر لیکر جنابِ ابو طالب علیہ السلام کے پاس گئے مگر کامیاب نہیں ہوئے، یہاں تک کہ وہ خود میدان میں اُترے۔ انہوں نے ابتداء وعدے اور عطائے اموال سے کی لیکن رسول اللہ ﷺ سے جواب منفی سنا۔ اس کے بعد شکنجہ و آزار کی کوشش کی کہ رسول اللہ ﷺ کو ہدف سے دور کریں مگر ممکن نہ ہوا۔

ابوجہل نے کسی بھی قسم کے آزار و اذیت اور صدمہ رُوحی و جسمی سے دریغ نہ کیا اور اذیتیں اور آسیب جو دوسرے چچا ابولہب اور اس کی بیوی اُم جمیل کی طرف سے پہنچیں، وہ خطرناک تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کا گھر ان کی ہمسائیگی میں تھا اور انہوں نے ہر قسم کا کوڑا کرکٹ آپؐ پر پھینکنے سے دریغ نہ کیا اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اذیتیں دیں۔ یہ سردارانِ قریش کے نقشے میں سے تھا۔

بلال حبشی، اُمیہ بن خلف کا غلام تھا اور اُمیہ رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمنوں میں سے تھا لہٰذا اپنے غلام تازہ مسلمان کو سب کے سامنے اذیتیں دیتا تھا۔

اس کو دن کے وقت باغ کی گرم ترین ریت پر برہنہ بدن سے سلاتا اور بہت سنگین اور گرم پتھر اس کے سینے پر رکھتا اور کہتا= میں تم سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ تُو اسی حالت میں مر نہ جائے۔

یا پھر رسول اللہ ﷺ کے عقیدے سے ہٹ کر لات و عزیٰ کی عبادت کرو

لیکن بلال اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہا۔

عمار یاسرؓ اور اُن کے والدین سابقینِ اسلام میں سے تھے اور سب سے پہلی عورت جو اسلام میں درجہ رفیعہ شہادت پر پہنچی، وہ سمیہ، عمار کی ماں ہے کہ ابو جہل نے نیزہ ان کے دل میں پیوست کر دیا جس سے وہ شہید ہوگئیں اور یاسر یعنی عمار کے والد نے بھی ابو جہل کی اذیتوں سے شہادت پائی۔

اور دوسرے اسلام میں ثابت قدم رہنے والے عبداللہ بن مسعود اور ابوذر ہیں، جنہوں نے جتنی بھی مشکلات کلمہ توحید میں دیکھیں، اُتنے ہی ثابت قدم رہے۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے:۔

ابولہب، اسود بن یغوث، ولید بن مغیرہ، اُمیہ بن خلف، ابی ابن خلف، ابوالحکم بن ہشام، عاص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط۔۔۔۔۔

جعفر ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی حبشہ کی طرف ہجرت:۔

اس کے باوجود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں نے تمام کوششیں کیں کہ اسلام کی ترقی کے لئے دیوار بن جائیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک گروہ جعفر بن ابی طالب علیہ السلام کی سرداری میں تبلیغ کی جہت سے حبشہ بھیجا۔ بزرگانِ قریش جب اس چیز سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے چاہا کہ نجاشی اسلام کی طرف مائل پیدا نہ کرے اور اپنے دو افراد بطورِ نمائندہ ہدایہ و تحائف اور قیمتی اشیاء کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجے۔

اس کام میں ایسے آئے کہ انہوں نے ایک خاص تدبیر کے ساتھ نجاشی کے پاس آئے اور اپنے اقاویل کا اظہار کیا۔

ان کا اظہار سننے کے بعد نجاشی نے حکم دیا کہ جعفر بن ابی طالب علیہ السلام کو دربار میں حاضر کریں۔ ان سے سوال کریں کہ انہوں نے اپنے اجداد کے دین سے کیوں ہاتھ اُٹھایا اور ایک نئے دین میں داخل ہوئے؟

جناب جعفر علیہ السلام نے اپنے اجداد کے عقائد اور ان کی رفتار کے بارے میں جامع توضیح دی اور اسلام کے جدید اعتقاد اخلاقی و عملی کو بیان کیا جو کتب تواریخ میں مسطور ہے[1]۔ اور سورۂ مریم کی کچھ آیات کو تلاوت فرمایا۔

جیسے ہی جناب جعفر علیہ السلام نے اسلام کی تبلیغات کے بارے بادشاہ کو بتایا تو ان کے دو افراد عمرو عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو بادشاہِ حبشہ نے باہر نکال دیا۔

عمرو عاص حیلہ گر اور دھوکہ باز تھا۔ اس کے دوسرے دن ایک اور تدبیر کے ساتھ بادشاہ نجاشی کے پاس آیا کہ وہ بھی ناکام رہی۔

ترویج اسلام کو روکنے کے لئے انہوں نے جو تدبیر اختیار کی وہ محاصرہ اقتصادی تھا جو تین سال تک شعب ابی طالب علیہ السلام میں قرار پایا۔

ان ایام میں جناب ابو طالب علیہ السلام تمام قوتوں کے ساتھ جان فدائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ منتہی! ان کی یہی کوشش تھی کہ کوئی بھی اذیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہ پہنچے۔

اہم حامیوں سے محروم ہونا:۔

بعثت کے دسویں سال ابو طالب علیہ السلام اس فانی دنیا کو الوداع کہہ گئے اور عالم کا

1۔ رجوع کریں: الکامل فی التاریخ = ج ۲، ص ۵۴؛ تالیف ابنِ اثیر، سیرہ رسول اللہؐ = ج ۱، ص ۳۱۹؛ تالیف رفیع الدین اسحاق بن محمد ہمدانی، تاریخ پیغمبر اسلامؐ = ص ۱۴۷؛ تالیف ڈاکٹر ابراہیم آیتی، اعلام الوری؛ تالیف امین الاسلام طبری = ص ۴۳

غم رسول اللہ ﷺ کے قلب پر بیٹھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوگ میں فرمایا: وہ شعب ابی طالب علیہ السلام کے محاصرہ کے دوران راتوں کو مجھے نیند سے اٹھاتے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک دوسری جگہ سلاتے اور اپنے بیٹے علی علیہ السلام کو میرے بستر پر سلاتے۔ ان کی نظر یہ تھی کہ جس وقت قریش اچانک حملہ کریں اور مجھے قتل کرنا چاہیں اور مجھے تیر ماریں تو ان کا ہدف ضائع ہو جائے اور ان کا بیٹا علی علیہ السلام میری زندگی پر فدا ہو جائے اور میری بقاء ہو جائے۔

خلاصۂ مطلب یہ کہ قریش کی تمام کوشیش تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ختم کر دیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تک ابو طالب علیہ السلام زندہ تھے، وہ کامیاب نہ ہوئے کہ میرے خلاف کوئی ناگوار کام انجام دیں"۔[1]

اور خود ابو طالب علیہ السلام نے فرمایا:

وَاللّٰہِ لَنْ یَصِلُوْا اِلَیْکَ بِجَمْعِھِمْ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیْناً [2]

"اے میرے بھتیجے، خدا کی قسم، ہرگز قریش تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے جب تک میں اپنا بستر لحد نہیں کر لیتا اور خاک کے درمیان نہیں سو جاتا"۔

اسی دسویں سال میں جناب ابو طالب علیہ السلام دنیا سے تشریف لے گئے اور پھر

۱۔ سیرۃ ابن ہشام = ج ۱ ص ۲۵

۲۔ تاریخ ابن کثیر = ج ۲ ص ۴۲

اسی سال رسول اللہ ﷺ اپنے دوسرے مددگار جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا سے بھی محروم ہو گئے۔[1]

دوسرے محل سکونت کا انتخاب:۔

جناب ابو طالب سلام اللہ علیہا کی وفات سے قریش کی اذیتوں نے ادامہ پایا اور رسول اللہ ﷺ نے اسی میں بہتر جانا کہ اپنے محل سکونت کو تبدیل کریں۔

آپؐ پہلے پہلے طائف گئے، اس طرف سفر کیا اور وہاں کے لوگوں کا ردعمل دیکھا جو واقعی مقبول نہ ہوا۔ موسم حج میں قبیلہ خزرج کے چھ افراد سے ملاقات کی جو اہل یثرب "مدینہ" سے تھے، اس کے نتیجے میں ایک تعداد مسلمان ہوگئی اور وعدہ کیا کہ جب وہ اپنے شہر جائیں گے تو اسلام کی تبلیغ کریں گے۔ ان کی تبلیغ میں بہت اچھا اثر تھا۔

بعثت کے بارہویں سال بارہ لوگوں کا ایک گروہ مدینہ سے مکہ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کے لئے آیا اور "عقبہ" نامی جگہ پر دوبارہ ان سے دو عہد لئے گئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مددگار اور دین کے مبلغ ہوں گے۔

قریش کو جب اس واقعہ کا پتا چلا تو انہوں نے شدید ردعمل ظاہر کیا۔ انہوں نے سوچا کہ ان کو گرفتار کر لیں مگر اس سے پہلے کہ وہ ان تک پہنچتے انہوں نے شہر مکہ ترک کر دیا اور اس ترتیب سے یہ کام آگے بڑھا۔

بعثت کے بارہویں اور تیرہویں سال مکہ کے لوگوں کو ایک بہت بڑے خطرے کا سامنا ہوا اور وہ یہ تھا کہ مسلمان یثرب میں پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے رسول اللہ

۱۔ ۲۶ رجب سال روز وفات جناب ابو طالبؑ ہے۔ بہتر ہے کہ پیروان قرآن و عترت اس دن کو مدافعت بزرگ رسول اللہ ﷺ کی یاد میں مجالس برپا کریں۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا عہد لیا۔

بعثت کے تیرہویں سال سوائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المؤمنین علیہ السلام اور کچھ دوسرے مسلمین کے علاوہ کوئی بھی مکہ میں باقی نہ رہا کہ سب نے مدینے کی طرف ہجرت کی ہوئی تھی۔

قریش کے پہلے تمام ارادے خاک میں مل گئے اور وہ اب تک اس کے کینہ کی آتش میں جل رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کی دشمنی اور بھی خطرناک ہوگئی تھی۔

وہ "دار الندوہ" میں جمع ہوئے اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کی نظر دی، بالآخر مقرر ہوا کہ تمام قبائل میں سے ایک فرد لیا جائے اور رات کے وقت بطور جماعت ان کے گھر پر حملہ کر کے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور اُن کا خون تمام قبائل کے درمیان تقسیم ہوجائے۔ پس! وہ اس فکر پر متفق ہوئے قتل کرنے کے لئے اور دہشت گردوں کا انتخاب ہوا۔ مقرر ہوا کہ جب رات ہو تو اپنی ماموریت کو انجام دیں۔

وحی کے فرشتے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند متعال کی طرف سے ان کے منحوس نقشے سے آگاہ کیا اور حکم مہاجرت دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المؤمنین علیہ السلام کو اپنے بستر پر سلایا اور اتفاق سے اس رات ابوبکر[1] نے مکہ کو مدینہ کے قصد سے ترک کیا۔

اب ہم پلٹتے ہیں حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کے خطبے کی طرف۔

وَ أَنتُم وَقَعتُم فِي الغَلطَةِ الَّتِي قَد وَقَعَت فِيهَا القُرَيشُ لِأَنَّهُم أَرَادُوا قَتلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَآلِهِ۔

۱۔ مزید معلومات کیلئے ناسخ التواریخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کی طرف رجوع کریں = ج ۱، ص ۱۹ کے بعد

تکرار تاریخ

قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا مصمم ارادہ کیا کیونکہ ان کے دل میں عقیدہ کا ایک ذرّہ بھی نہیں تھا اور وہ اپنے اغراضِ شیطانی کو جانتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ملکات اخلاقی اور فضائل انسانی ونفسانی کی طرف دعوت کر رہے تھے لیکن وہ حاضر نہیں تھے کہ وہ کسی بھی طریقے سے اپنے منحرف عقیدوں اور اپنے اجداد کے اعمال سے ہاتھ اٹھائیں۔

اور تعصب قومی و ملّیتی ہمیشہ ان کے دلوں میں حاکم تھا۔ تاریخ کا تکرار ہوتا ہے کہ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ نے اپنی جگہ یزید اور ابنِ زیاد کو سونپی۔ منافقین نے جو پچاس سالوں سے اپنے دل میں کینہ و دشمنیاں مختلف صورتوں میں ان کے جانشینوں کے حق میں رکھی ہوئی تھیں وہ سب جگر گوشۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و زہرا سلام اللہ علیہا کے قتل پر مصمم ہوئیں تا کہ ان کو درمیان سے ختم کر دیں۔

امام حسن علیہ السلام کی امام حسین علیہ السلام سے وصیت:۔

مرحوم شیخ صدوقؒ لکھتے ہیں:

امام حسین علیہ السلام، جب امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے وقت ان کے پاس آئے اور امام حسن علیہ السلام کی حالت دیکھی تو گریہ کیا۔

امام حسن علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

مَا يُبْكِيكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ۔

"اے اباعبداللہؑ! کیوں گریہ کررہے ہیں"۔

عرض کیا:

أَبْكِي لِمَا يُصْنَعُ بِكَ۔

"گریہ کررہاہوں اس ستم سے کہ جو آپؑ پر وارد ہوا ہے"۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِي يُؤْتِي إِلَيَّ سَمٌّ يُدَسُّ إِلَيَّ فَأُقْتَلُ بِهِ وَ لٰكِنْ لَا يَوْمَ كَيَوْمِكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ يَزْدَلِفُ إِلَيْكَ ثَلَاثُونَ أَلْفَ رَجُلٍ يَدَّعُونَ أَنَّهُمْ مِنْ أُمَّةِ جَدِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ يَنْتَحِلُونَ دِينَ الْإِسْلَامِ فَيَجْتَمِعُونَ عَلَى قَتْلِكَ وَ سَفْكِ دَمِكَ وَ انْتِهَاكِ حُرْمَتِكَ وَ سَبْيِ ذَرَارِيكَ وَ نِسَائِكَ وَ انْتِهَابِ ثِقْلِكَ فَعِنْدَهَا تَحِلُّ بِبَنِي أُمَيَّةَ اللَّعْنَةُ وَ تُمْطِرُ السَّمَاءُ رَمَاداً وَ دَماً وَ يَبْكِي عَلَيْكَ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى الْوُحُوشُ فِي الْفَلَوَاتِ وَ الْحِيتَانُ فِي الْبِحَارِ۔[1]

"جو مجھ پر مصیبت آئے گی وہ ایک زہر ہے جس کے اثر سے قتل کیا جاؤں گا لیکن اے اباعبداللہؑ! آپؑ کے دن جیسا کوئی دن نہیں۔ تیس ہزار افراد جو ہمارے جد کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں گے اور خود کو

۱۔ امالی، صدوق = مجلس: ۲۴، ح ۳

دین واسلام سے منسوب کرتے ہوں گے، وہ تمہارا گھیراؤ کریں گے اور تمہیں شہید کرنے کے لئے متفق ہوں گے اور آپؑ کا خون بہائیں گے اور آپؑ کی حرمت کی ہتک کریں گے۔ آپؑ کی ذریت اور آپؑ کی عورتوں کو اسیر اور آپؑ کے اموال کو غارت کریں گے۔ یہاں پر بنی اُمیہ پر لعنت برسے گی اور آسمان سے خون کی بارش ہوگی۔ تمام اشیاء حتیٰ کہ بیابان کی وحشی اور دریا کی مچھلیاں آپؑ پر گریہ کریں گی"۔

امام حسین علیہ السلام کی فرزدق سے ملاقات:۔

ایک ملاقات میں جو حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے شاعر فرزدق سے "ذاتِ عرق" نامی جگہ پر کی۔ فرزدق نے آپؑ سے پوچھا: یابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ جلدی کیوں ہے کہ آپؑ مکہ سے خارج ہوئے اور حج بھی بجا نہیں لائے؟۔

آپؑ نے فرمایا:

لَوْ لَمْ أَعْجَلْ لَأُخِذْتُ...

"اگر جلدی نہ کرتا تو گرفتار کرلیا جاتا"۔

اس کے بعد فرمایا: کوفہ کے لوگوں کی مجھے خبر دو۔

اُس نے عرض کیا:

قُلُوبُ النَّاسِ مَعَكَ وَ أَسْيَافُهُمْ عَلَيْكَ....[1]

"لوگوں کے دل تو آپؑ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں آپؑ کو قتل کرنے کے لئے ہیں"۔

۱۔ ناسخ التواریخ = ج ۲، ص ۱۳۱

اباہرہ سے ملاقات:۔

کوفہ میں ایک شخص بنام "اباہرہ" امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا، سلام کیا اور عرض کیا:

یابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا چیز باعث ہوئی کہ آپؑ حرمِ خدا اور حرمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خارج ہوئے؟

آپؑ نے فرمایا:

....بَنِی أُمَیَّةَ أَخَذُوا مَالِی فَصَبَرْتُ فَشَتَمُوا عِرْضِی فَصَبَرْتُ وَطَلَبُوا دَمِی فَهَرَبْتُ....

"بنی اُمیہ نے میرا مال لوٹا۔ میں نے صبر کیا، میری آبرو کو گالیاں دیں، میں نے صبر کیا، انہوں نے چاہا کہ میرا خون گرائیں تو میں اُٹھا"۔

اور اس کے بعد فرمایا:

وَاَیْمُ اللهِ لَتَقْتُلُنِی الْفِئَةُ الْبَاغِیَةُ)۔[1]

"خدا کی قسم! یہ ظالم اور گمراہ جماعت مجھے قتل کرے گی"۔

آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ سید الشہداء علیہ السلام کعبہ سے خارج ہو رہے ہیں اس لئے کہ آپؑ جانتے تھے کہ جو لوگ وہاں پر جمع ہیں اسی مکانِ مقدس میں ان کے قتل کے لئے جمع ہیں۔ اور وہ اس لئے کہ اسلام اور حرمتِ کعبہ اس جنگ میں خونریزی کی وجہ سے ضائع نہ ہو، مکہ کو بہ قصد کربلا ترک کرتے ہیں۔

لیکن آپؑ جانتے تھے اور خود فرمایا = جب تک یہ لوگ مجھے "مولا حسین علیہ السلام" قتل نہ کریں گے، سکون سے نہیں بیٹھیں گے۔

۱۔ ناسخ التواریخ = ص ۱۳۳

جب تک علی علیہ السلام زندہ تھے

حضرت قمرِ منیر بنی ہاشم علیہ السلام از نظر قدرت و طاقت، امام حسین علیہ السلام کے بعد اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور وہ اکیلے میدان میں ہزاروں کے حریف تھے اور آپؑ نے شجاعت کو اپنے والد بزرگوارؑ سے ارث میں لیا تھا۔ کہ کوئی بھی ذوالفقار پر غلبہ نہیں رکھتا تھا، جب وہ اللہ اکبر کی صدا دیتے تو میدانوں میں جنگ کی فضاء بن جاتی اور بڑے بڑے پہلوانوں کے دل لرز جاتے تھے۔

آپؑ کا ایک نہیب عمرو بن عبدود کے پاؤں کو سست کر دیتا اور ان کی ایک مٹھی بھر مٹی چہرۂ اشعث بن قیس پر مارے تو جہاں جہاں وہ ریت لگتی اس سے خون نکلتا۔[1]

اور وہ جیسے ابوسفیان کے غلام کو "بنام احمر" کو جنگِ صفین میں زمین پر مار کر اس کے دونوں کاندھوں کی ہڈیاں توڑ دیتے ہیں اور دونوں بازو توڑ دیتے ہیں۔[2]

جنابِ فاطمہ بنتِ اسد سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

"جب علی علیہ السلام متولد ہوئے اور ان کو کپڑے میں مضبوطی سے باندھا تو اس عزیز "امیر المؤمنین علیہ السلام" نے ایک ہی جھٹکے سے وہ سارا کپڑا اپھاڑ دیا۔

۱۔ الغارات = ص ۲۴۵

۲۔ فروغ ولایت = ص ۶۲۶

پھر ان کو دو تین کپڑوں سے مضبوطی سے باندھا مگر اس کو ہر بار پارہ پارہ کر دیتے یہاں تک کہ چھ کپڑوں میں باندھا گیا، پھر بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہاں پر فرمایا:

"ماں! میرے ہاتھوں کو مت باندھیں، میں چاہتا ہوں کہ ان انگلیوں سے ذکرِ خدا کروں اور اس کی بارگاہ میں تضرع کروں"۔[1]

جب خالد نے اپنے لشکر کے ساتھ مولا علی علیہ السلام کو اپنی زمین پر دیکھا تو اس نے جسارت کا ارادہ کیا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس کو گھوڑے سے اتار کر نیچے پھینکا اور ایک پتھر کو طبق بنا کر اس کی گردن میں بطورِ طوق پہنایا۔ اس کے تمام انصار ڈر گئے۔

خالد نے امیر المؤمنین علیہ السلام کو قسم دی کہ مجھے چھوڑیں تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس کو چھوڑ دیا اس حال میں کہ وہ طوق اس کے گلے میں تھا۔ پس! وہ اوّل کے پاس آیا اور اس نے لوہا کاٹنے والوں کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ طوق اس کی گردن سے نکالیں۔

سب نے کہا: ممکن ہی نہیں مگر یہ کہ اس کو آگ سے گرم کر کے نکالا جائے اور اس صورت میں خالد آگ کی تپش کو برداشت نہیں کر پائے گا اور مر جائے گا۔

پس! وہ طوق ایک مدت تک اس کی گردن میں رہا جب تک کہ امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے سفر سے نہ لوٹے۔ پھر لوگوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے خالد کی شفاعت کی اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے وہ طوق اس کے گلے سے خمیر کی طرح کھول دیا۔[2]

ایک وہ ضربت جو مرحب کو امیر المؤمنین علیہ السلام نے خیبر میں ماری تھی پیشانی سے لیکر پاؤں تک۔ "اس کے باوجود کہ اس کا وجود لوہے میں چھپا ہوا تھا اور اس کے بدن

۱۔ منتہی الآمال = ج ۱، ص ۲۹۳۔۲۹۴

۲۔ منتہی الآمال = ج ۱، ص ۲۹۳

پر فولاد تھا۔" دو ٹکڑے کر دیا۔[1]

❖ ۔۔ محدث قمیؒ امیر المؤمنین علیہ السلام کی کچھ فوق العادہ طاقتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

امیر المؤمنین علیہ السلام ان غزوات میں خرق عادات اور معجزات دکھانا نہیں چاہتے تھے بلکہ یہ شجاعت اور طاقت ان کی حقیقتِ بشریت میں تھی۔[2]

غزوۂ احد میں سب لوگ بھاگ رہے تھے اور امیر المؤمنین علیہ السلام اکیلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنوں کو دور کر رہے تھے اور ان کو قتل کر رہے تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کے بدن پر کئی زخم تھے، اس کے باوجود انہیں جنگ سے کوئی خوف نہیں تھا اور بہت سارے پہلوانوں کو دھول چٹا دی اور انہیں خون میں غلطان کر دیا۔

اور جبرئیلؑ سے صدائے: لَا فَتٰی إِلَّا عَلِيٌّ، وَلَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ۔ بلند ہوئی۔

آپؑ تمام جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھے، ایک محافظ کے مانند جو اپنے تمام وجود سے خود کو سپرِ بلا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کرتے حتیٰ کہ ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہا آپؑ دشمنوں کی ضربوں اور جراحات کے اثر میں ایک قدم پیچھے ہٹائیں۔ جب تک علی علیہ السلام زندہ رہے دشمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی قدرت نہ ہوئی۔

حضرت ابا الفضل العباس علمدار علیہ السلام بھی عاشورا کے دن امام حسین علیہ السلام کی

۱۔ منتہی الآمال = ج ۱، ص ۲۹۵

۲۔ منتہی الآمال = ج ۱، ص ۲۹۳

نسبت ایسے تھے کہ ان کی صلابت اور ہیبت فوق تصور تھی۔ ایک نہیب سے ہزاروں لوگ لرز جاتے اور ان کا عاشورا کا رجز بیان گر ہے کہ ان کی تمام کوششیں امام حسین علیہ السلام کی جان کی حفاظت کے لئے تھیں:

وَاللهِ إن قَطعتُمُ يَميني
إنّي أُحامي أَبداً عَن ديني
وَعَن إمَامٍ صَادِقِ اليَقِينِ
نَجلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الأَمِينِ

"خدا کی قسم! اگر میرا دایاں بازو قطع ہو جائے تو پھر بھی جنگ کو جاری رکھوں گا، اپنی آخری سانس تک اپنے دین "یعنی امام حسین علیہ السلام" کا دفاع کروں گا۔ اس امام علیہ السلام سے جو منزل یقین پر پہنچا ہوا اور اولاد پیغمبر علیہم السلام سے ہے اس کی حمایت کروں گا"۔

محدث وفقیہ ربانی مرحوم ملا حبیب اللہ کاشانی لکھتے ہیں:

حضرت عباس علیہ السلام نے اس کے بعد کہ مشک کو پانی سے پُر کیا اور خیام کی طرف روانہ ہوئے اور دشمنوں نے ان کا راستہ روک لیا۔ حضرت عباس علیہ السلام دشمن پر ہر طرف سے حملہ کرتے اور ان کو مور و ملخ کی طرح بھگاتے اور ایسے رجز پڑھتے:

أَذُبُّ عَنْ سِبطِ النَّبِيِّ أَحْمَدِ
أَضْرِبُكُمْ بِالصَّادِمِ المُهَنَّدِ
حَتّٰى تَحِيدُوا عَنْ قِتَالِ سَيِّدِي

إنِّي أنَا العَبَّاسُ ذُو التَّوَدُّدِ
نَجْلُ عَلِيِّ المُرتَضىٰ المُؤَيَّدِ [1]

"آج کامل اطمینان سے تم سے جنگ کروں گا، اور اولاد احمدؐ کے دفاع میں جانفشانی کروں گا، اس قدر تم پر تلوار سے حملہ کروں گا، کہ تم مولاؑ سے جنگ پر ہاتھ اٹھالو، میں عباس علیہ السلام، حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اہل بیتؑ کا عاشق ہوں، میں علی علیہ السلام کا بیٹا اللہ کا ستودہ اور اللہ کا تائید شدہ ہوں"۔

جب تک ان کے والد امیر المؤمنین علیہ السلام زندہ تھے، کسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی طاقت نہ تھی اور جب تک وہ خود زندہ رہے، کسی میں آپؑ کے بھائی امام حسین علیہ السلام تک پہنچنے کی طاقت نہیں تھی۔

اس حصے میں لازم جانتا ہوں کہ ایک جملہ اس موضوع پر صدیقہ کبریٰ سیّدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا سے بھی ذکر ہو۔

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی حمایت امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ:۔

اسی طرح جس طرح امیر المؤمنین علیہ السلام زندہ تھے تو کسی میں طاقت نہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے اور جب تک بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا زندہ تھیں تو کسی میں قدرت نہ تھی کہ طوفانِ مخالفت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے خاندان پر برپا ہوا، امیر المؤمنین علیہ السلام کے سر سے ایک بال بھی کم کر سکے۔

اُس وقت جب امیر المؤمنین علیہ السلام کو مسجد کی طرف لے گئے تو بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا

۱۔ تذکرۃ الشہداء=ص ۲۶۰

مسجد کے درمیان آئیں اور ان کے اور امام علیہ السلام کے درمیان کھڑی ہوئیں اور فرمایا:

وَ اللهِ، لَا أَدَعُكُمْ تَجُرُّونَ ابْنَ عَمِّي ظُلْمًا، وَيْلَكُمْ مَا أَسْرَعَ مَا خُنْتُمُ اللهَ وَ رَسُولَهُ فِينَا أَهْلَ الْبَيْتِ، وَ قَدْ أَوْصَاكُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ بِاتِّبَاعِنَا وَ مَوَدَّتِنَا وَ التَّمَسُّكِ بِنَا؛ وَ قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: قُلْ لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ.[1]

"خدا کی قسم! میں ہرگز نہیں چھوڑوں گی کہ میرے چچا کے بیٹے علی علیہ السلام کو اس ظلم کے ساتھ مسجد میں لے جاؤ۔ وائے ہو تم پر! کتنی جلدی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کر گئے ہو اور اس کی اہل بیت علیہم السلام پر ظلم کر رہے ہو اس کے باوجود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں ہماری مودّت اور پیروی کا حکم دیا تھا اور فرمایا کہ زندگی اور دینی امور میں ہم اہل بیت علیہم السلام سے تمسک کرو۔

اللہ عزوجل نے فرمایا: اے رسولؐ! لوگوں سے کہہ دیں کہ مَیں تم سے اجرِ رسالت نہیں چاہتا سوائے اس کہ میرے اہل بیت علیہم السلام سے مودت کرو"۔

امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اس وقت جب امیر المؤمنین علیہ السلام کو مسجد میں کھینچ کر لے جا رہے تھے تو کوئی بھی اس غربت کے عالم میں ان کا دفاع نہیں کر رہا تھا۔ فقط حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے خود

[1] نہج الحیاۃ = ص ۱۴۱، بہ نقل از بحار الانوار قدیم = ج ۸، ص ۲۳۳؛ سورہ شوریٰ = آیت ۲۳

کو امام علیہ السلام تک پہنچایا اور عمر کو گریبان سے پکڑا اور سختی سے کھینچا اور فرمایا:

أَمَا وَ اللهِ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ لَوْ لَا أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ يُصِيبَ الْبَلَاءُ مَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ لَعَلِمْتَ أَنِّي سَأُقْسِمُ عَلَى اللهِ ثُمَّ أَجِدُهُ سَرِيعَ الْإِجَابَةِ.[1]

"خدا کی قسم: اے ابن خطاب! اگر میں اس چیز کو مکروہ نہ جانتی کہ مدینہ کے بے گناہ لوگ بلائے الٰہی میں گرفتار ہوں تو میں اس طرح بددعا کرتی اور تم اس وقت سمجھتے کہ میری بددعا کتنی جلدی قبول ہوتی ہے"۔

جب امام علیہ السلام کو مظلومانہ ستم کے ساتھ مسجد کی طرف لیکر جا رہے تھے تو حضرت زہراء سلام اللہ علیہا مسجد میں داخل ہوئیں اور فرمایا:

خَلُّوا عَنِ ابْنِ عَمِّي فَوَ الَّذِي بَعَثَ مُحَمَّداً بِالْحَقِّ لَئِنْ لَمْ تُخَلُّوا عَنْهُ لَأَنْشُرَنَّ شَعْرِي وَ لَأَضَعَنَّ قَمِيصَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ عَلَى رَأْسِي وَ لَأَصْرُخَنَّ إِلَى اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى فَمَا نَاقَةُ صَالِحٍ بِأَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنِّي وَ لَا الْفَصِيلُ بِأَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنْ وُلْدِي.[2]

"میرے چچا سے ہاتھ ہٹاؤ اور اس کو چھوڑ دو، اس خدا کی قسم! جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوثِ برحق کیا، اگر تم نے ہاتھ نہ ہٹایا، تو مَیں اپنے بالوں کو پریشان کروں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیراہن سر پر رکھوں گی اور

[1] الکافی = ج ۱، ص ۴۶۰

[2] بحار الانوار، الجامعۃ لدرر اخبار الأئمۃ الأطہار علیہم السلام = ج ۲۸، ص ۲۰۶

خدا کے سامنے فریاد کروں گی۔ پس! یقین جانو کہ ناقہ ءِ صالح خدا کے نزدیک مجھ سے اور میرے بچوں سے زیادہ عزت والی نہیں ہے"۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کو مسجد میں لے جانے کے بعد بعد ثانی اس لوگوں کے ہجوم میں برہنہ تلوار کے ساتھ امیر المؤمنین علیہ السلام کو دھمکیاں دے رہا تھا کہ اگر اوّل کی بیعت نہیں کرو گے تو تمہیں قتل کروں گا۔ اس وقت بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا نے اوّل سے خطاب کیا:

يَا آبَا بَكْرٍ أَتُرِيدُ أَنْ تُرْمِلَنِي مِنْ زَوْجِي وَ اللهِ لَئِنْ لَمْ تَكُفَّ عَنْهُ لَأَنْشُرَنَّ شَعْرِي وَلَأُشُقَّنَّ جَيْبِي وَ لَآتِيَنَّ قَبْرَ أَبِي.[1]

"اے اوّل! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میرے شوہر کو قتل کرو اور مجھے بیوہ کرو؟ خدا کی قسم! اگر ان سے ہاتھ نہ اٹھایا تو مَیں اپنے بالوں کو پریشان کروں گی اور گریبان چاک کر کے اپنے والد بزرگوار کی قبر پر جاؤں گی (اور تم سب کے لئے بددعا کروں گی)"۔

مسجد میں ایک ولولہ سا برپا کیا اور چاہتی تھیں کہ مدینے کو مٹی کے برابر کر دوں لیکن امیر المؤمنین علیہ السلام نے سلمانؓ کو حکم دیا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو میری طرف سے کہیں کہ وہ گھر کی طرف لوٹ جائیں۔

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا گھر لوٹیں اور تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ امام علیہ السلام اور ان کے مظلوم ہمسر نامدارًا کیلے اور مظلومانہ طور پر مسجد سے باہر آرہے ہیں اور گھر کی طرف آرہے ہیں۔ جیسے بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی نظر امیر المؤمنین علیہ السلام پر پڑی تو عرض کیا:

رُوْحِي لِرُوْحِكَ الْفِدَاءُ وَ نَفْسِي لِنَفْسِكَ الْوِقَاءُ يَا آبَا الْحَسَنِ، إِن

---

[1] عوالم العلوم والمعارف والاحوال من الآیات والاخبار والاقوال = ج ۱۱، ص ۵۶۰

كُنتَ فِي خَيْرٍ كُنتُ مَعَكَ وَإِن كُنتَ فِي شَرٍّ كُنتُ مَعَكَ.[1]

"یا علی علیہ السلام! میری جان آپؑ پر قربان اور جان و روح تمہاری بلاؤں کے سپر یا ابا الحسن علیہ السلام! میں ہمیشہ آپؑ کے ساتھ ہوں اور اگر آپؑ سختیوں اور بلاؤں اور مشکلات میں گرفتار ہوئے تو بھی آپؑ کے ساتھ رہوں گی۔

کلام کا خلاصہ:۔

جب تک بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا قید حیات میں تھیں تو کسی میں بھی اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ امیر المؤمنین علیہ السلام کو قتل کر سکتا، سیّدہ نے مثلِ شیر بیشہ ءِ شجاعت، امیر المؤمنین علیہ السلام کی حمایت کی۔

نتیجہ:۔

یہ ایک عالی ترین درس ہے جو یہ چار اُسوۂ ایثار و فداکاری، ولی معصوم علیہ السلام اور اپنے وقت کے امام علیہ السلام پر کرتے ہیں اور ہمیں درس دیتے ہیں:

۱۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں۔

۲۔ امیر المؤمنین علیہ السلام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں۔

۳۔ حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اپنے زمانے کے امام و ولی کی یعنی مولی الموالی امیر المؤمنین علیہ السلام کے مقام میں حمایت کرتی ہیں۔

۴۔ قمرِ منیر بنی ہاشم حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام جو سید الشہداء حضرت امام

---

[1] محمد مہدی حائری کوکب الدرّی = ج ۱ ص ۱۹۴

حسین علیہ السلام کی حمایت کا ہمیں درس دیتے ہیں۔

اور جب ہم اپنی طرف پلٹیں تو ہم اپنے تمام وجود کے ساتھ نہ کہ فقط زبان کے ساتھ اپنے امام عصر والزّمان حضرت بقیۃ اللہ الاعظم حجۃ ابن الحسن علیہ السلام سے عرض کرتے ہیں:

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي وَنَفْسِي لَكَ الْوِقَاءُ وَالْحِمَى۔[1]

"میرے ماں باپ آپؑ پر قربان! میری جاں آپؑ کی محافظ اور تیری ذاتِ پاک کی حامی ہو"۔

[1] دُعائے ندبہ

فصلِ نہم

تحصیل مراد

میرے ہوتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنا ناممکن ہے

قال مولانا العباس علیہ السلام:

....تَعَالَوا أُخبِرُكُم بِسَبِيلِهِ بَادِرُوا قَتلِي وَاضرِبُوا عُنُقِي لِيَحصُلَ مُرادُكُم...

"....آؤ میں تمہیں اس کا راستہ بتاتا ہوں کہ تم میرے قتل کی کوشش کرو اور میری گردن اڑا دو تا کہ تم اپنی مراد پا سکو۔۔۔۔"

"میرے ہوتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنا ناممکن ہے"۔

یہ جملے امام حسین علیہ السلام کی حفاظت کے لئے آخری درجے کے ایثار و جانفشانی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ انسان جب چاہتا ہے کہ وہ کسی ہدف تک پہنچے تو مسلم ہے کہ جو اس کی راہ میں رکاوٹ ہے، پہلے اس کو ہٹائے گا۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے اپنے سینے کو دشمنوں کی طرف سے آنے والے تیروں کو سپر کیا ہوا ہے یعنی امام حسین علیہ السلام کے سامنے حضرت عباس علیہ السلام نے اپنا سینہ ایک محکم قلعہ کی طرح بنایا ہوا ہے کہ کوئی بھی دشمن امام حسین علیہ السلام تک نہ پہنچ سکے

ایک بہت بڑی جمیعت کو جو کنار بیت اللہ میں کھڑی ہے، خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کے لئے اجتماع کیا تھا نہ کہ مراسم حج کو ادا

کرنے کے لئے نہیں۔

اگر یہ چاہتے ہو کہ تم امام حسین علیہ السلام کو قتل کرو تو جب تک میں زندہ ہوں، یہ تمہارے لئے ممکن نہیں ہے۔

پہلے مجھ سے مقابلہ کرو، مجھے قتل کرو کہ تمہاری راہ میں رکاوٹ نہ ہو پھر جا کر تمہاری مراد تمہیں حاصل ہوگی۔

جان سے گزر جانا اس خاندان کی شہامت:۔

یہ خاندان نہ تو اپنے محبوب کی رضا کی راہ میں قتل ہونے سے ڈرتا ہے اور نہ ہی اپنے امام زمان علیہ السلام کی حفاظت اور اس کی حمایت میں چھوٹی سے کوتاہی کرتا ہے کہ جس سے ولی زماں علیہ السلام پر کوئی آنچ آئے۔

اور حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے تو شجاعت جسمی اور روحی کو اپنے والد بزرگوار علیہ السلام سے ورثہ میں لیا ہے۔

اس گھر کی تو عورتیں ہی بزرگوار ایسی ہیں جو اپنے زمانے کے امامؑ کی طرف آنے والے ہر تیر جفا اور ظلم کا منہ توڑ دیتی ہیں۔

ان میں سے شجاع ترین اور با فضیلت ترین جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا ہیں جو بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی سب سے بڑی بیٹی ہیں۔

مرحوم طاؤوس "لہوف" میں لکھتے ہیں:

"اس کے بعد کہ ابن زیاد اپنے تخت پر بیٹھا اور تمام لوگوں کو اندر داخل ہونے کا حکم دیا، سر مقدس امام حسین علیہ السلام کو لا کر اس کے سامنے رکھ دیا گیا اور پھر امام مظلوم علیہ السلام کے اہل بیت علیہم السلام کو لایا گیا۔

حضرت عقیلۂ بنی ہاشم سلام اللہ علیہا بطور ناشناس داخل ہوئیں اور ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئیں۔

ابنِ زیاد نے پوچھا: یہ کون ہیں؟

کہا گیا= وہ بنتِ علی علیہ السلام ہیں۔

عبید اللہ بن زیاد نے بی بی عالیہ سلام اللہ علیہا کی طرف دیکھ کر کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی فَضَحَکُمْ و قَتَلَکُمْ و أَکْذَبَ اُحدُوثَتَکُم۔

"حمد اللہ کے لئے سزاوار ہے کہ جس نے آپؑ کو رُسوا کیا اور آپؑ کے جھوٹ کو آشکار کیا"۔

بی بی عقیلۂ بنی ہاشم سلام اللہ علیہا نے لہجۂ حیدریؑ میں فرمایا:

...اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَکْرَمَنَا بِنَبِیِّہٖ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ و آلِہٖ و سلّم، و طَھَّرَنَا مِنَ الرِّجْسِ تَطْھِیراً، إِنَّمَا یَفْتَضِحُ الْفَاسِقُ، و یَکْذِبُ الْفَاجِرُ، وَ ھُوَ غَیْرُنَا.....

"حمد اس اللہ کے لئے سزاوار ہے جس نے ہمیں اپنے نبیؐ کے وجود سے کرامت بخشی اور پلیدیوں سے بطور کامل پاک کیا۔ بیشک فاسق لوگ رسوا ہوتے ہیں اور اشخاص فاجر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ ہمارے غیر ہیں"۔

ابنِ زیاد نے کہا: دیکھا کہ اللہ نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟

بی بی عالیہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

مَا رَأَیْتُ إِلَّا جَمِیلاً ھٰؤُلَاءِ قَوْمٌ کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقَتْلُ فَبَرَزُوا

إِلٰی مَضَاجِعِھِمْ.....

"سوائے خوبصورتی کے کچھ نہیں دیکھا کیونکہ یہ آلِ محمد علیہم السلام ہیں کہ خداوند نے شہادت کا حکم ان کے لئے لکھ دیا ہے اور وہ اپنی آرامگاہ کی طرف جلدی کرتے ہیں لیکن اللہ اسی جلدی کے ساتھ تمہیں جمع کرے گا اور وہ تم پر احتجاج کریں گے اور اس وقت تم دیکھو گے کہ کامیابی کس کے لئے ہے۔ تمہاری ماں تجھ پر روئے اے مرجانہ کے بیٹے!"۔

اس کلام سے ابنِ زیاد غضبناک ہوا اور اس نے بی بی سلام اللہ علیہا کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ عمر بن حریث جو اس مجلس میں حاضر تھا، اس نے ابنِ زیاد سے کہا:

----إِنَّھَا امْرَأَۃٌ وَلَا تُؤَاخَذُ بِشَیْءٍ مِنْ مَنْطِقِھَا----

"وہ عورت ہے اور کوئی عورت کو اس کے کلام کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا"۔

ابنِ زیاد منصرف ہو گیا اور بی بی سلام اللہ علیہا کی طرف چہرہ کر کے کہا:

لَقَدْ شَفَی اللّٰہُ قَلْبِی مِنْ طَاغِیَتِکِ الْحُسَیْنِ۔

"حسین علیہ السلام کے قتل ہونے سے اللہ نے میرے دل کو شفا دی ہے"۔

بی بی عالیہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: خدا کی قسم! تم نے ہمارے بزرگوں کو قتل کیا اور ہمارے اصل و فرع کو قطع کیا، اگر تیری شفا یہ ہے تو تُو نے شفا پائی۔

ابنِ زیاد نے کہا: زینب سلام اللہ علیہا ایک عورت ہے جو قافیوں کی صورت میں کلام کر رہی ہے، خدا کی قسم! اس کا والد علی علیہ السلام بھی شاعر تھا۔

بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

اے ابنِ زیاد عورت کا قافیہ کے ساتھ کیا کام۔

اس کے بعد ابنِ زیاد نے امام سجاد علیہ السلام کی طرف دیکھا اور کہا: یہ کون جوان ہے؟۔

کہا گیا= وہ علی ابن الحسین علیہ السلام ہے۔

اس نے کہا: مگر علی ابن الحسین علیہ السلام کو کربلا میں اللہ نے قتل نہیں کیا؟

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: میرا بھائی تھا جس کا نام علی علیہ السلام تھا اور تم لوگوں نے اُسے قتل کیا۔

ابنِ زیاد نے کہا: بلکہ اللہ نے اُسے قتل کیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَ الَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا.....[1]

ابنِ زیاد نے کہا: تمہاری یہ جرأت کہ مجھے جواب دے رہے ہو۔

1۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔

(سورہ الزمر= آیت ۴۲)۔

تفسیر کی تلخیص و ترجمہ آیت یہ ہے: "موت کے وقت اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اس کی (روح) نیند میں (قبض کر لیتا ہے) پھر وہ جس کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے اسے روک رکھتا ہے اور دوسری کو ایک وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے، فکر کرنے والوں کے لئے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں"۔

نیند میں روح قبض کرنے اور موت کے وقت روح قبض کرنے میں فرق یہ ہے کہ:

اولاً: پہلی بیداری کی ضد اور دوسری زندگی کی ضد ہے۔ ثانیاً: سوتے وقت اور مرتے وقت قبض روح اللہ کرتا ہے وہ جو موت سے محکوم ہے، اللہ اس کو اپنے پاس محفوظ کرتا ہے اور دوسری وہ ارواح جن پر ابھی موت کا حکم نہیں ہوا، وہ ابدان کی طرف لوٹا دیتا ہے اور وہ روزِ معین پر مرتے ہیں۔

بیشک ان قسموں میں یعنی سوتے وقت قبض روح اور موت کے وقت دلائل و آیات سے روشن ہے ان کے لئے جو دلائل میں تفکر کرتے ہیں کیونکہ قبض نفوس بعض وقت نیند کے ذریعے ہے۔ بعض وقت کے وسیلے سے ہے اور یہ ایک امر ہے جس پر خدا کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے اور یہ اللہ کی وحدانیت پر واضح روشن دلیل ہے۔

اس نے حکم دیا کہ امام علیہ السلام کو باہر لے جا کر اُن کی گردن اُڑا دیں۔

بی بی عالیہ سلام اللہ علیہا نے جیسے ہی یہ سنا تو فرمایا:

يَا ابْنَ زِيَادٍ إِنَّكَ لَمْ تُبْقِ مِنَّا أَحَداً فَإِنْ كُنْتَ عَزَمْتَ عَلَى قَتْلِهِ فَاقْتُلْنِي مَعَهُ۔

"اے زیاد کے بیٹے! تم نے ہم میں سے کسی کو نہیں چھوڑا، اگر تم نے ارادہ کیا ہے کہ اس جوان کو قتل کرو تو اس سے پہلے مجھے قتل کرو"۔

علی بن الحسین علیہ السلام نے پھوپھی زینب سلام اللہ علیہا سے فرمایا: پھوپھی اماں! خاموش رہیے تا کہ میں ابن زیاد سے کلام کروں۔

اس کے بعد ابنِ زیاد کی طرف چہرہ کر کے فرمایا:

أَ بِالْقَتْلِ تُهَدِّدُنِي يَا ابْنَ زِيَادٍ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْقَتْلَ لَنَا عَادَةٌ وَ كَرَامَتُنَا الشَّهَادَةُ۔

"اے ابنِ زیاد! تُو ہمیں موت سے ڈراتا ہے کیا تُو نہیں جانتا کہ قتل ہماری عادت اور شہادت ہماری کرامت ہے"۔[1]

پس! حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام بھی یہی روح رکھتے ہیں اور شہادت کو کرامت سمجھتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کے مخالفین کے ہجوم میں ایسے کلام کیا کہ جس پر تمام مورخین خاصہ و عامہ موافق ہیں۔

وہ امام حسین علیہ السلام کی جان کے لئے سپر ہیں جب تک وہ زندہ ہیں اور ہر بلا کا وہ تیر جو امام حسین علیہ السلام کی طرف پھینکا گیا، وہ تمام وجود کے ساتھ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

1۔ اللهوف علی قتلی الطفوف= ج۱، ص۱۴۹

امام حسین علیہ السلام کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرنا

حقا حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کو ہی امام حسین علیہ السلام کا انصار باوفا کا نام دینا چاہیے کیونکہ حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے زندگی کے تمام لمحات خصوصاً کربلا میں ایسے ارشادات فرمائے اور ایسے بے اختیار قربانیاں دیں کہ صدیاں گزر گئیں۔

اپنوں کو تو کیا ان کی بہادری وشجاعت نے بیگانوں کو بھی اپنی طرف مجذوب کیا ہوا ہے۔

حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام نے حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کی شہادت پر جو مرثیہ پڑھا، اس میں حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کو آنکھوں کا نور شفیق (میوہ دل) اور رکن وثیق (پناہ استوار اور مورد اطمینان) کہا، جس کی طرف عنقریب ہم اشارہ کریں گے۔

خداوندِ کریم سے حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کی راہ دین وقرآن اور ولایت میں قربانیوں کی معرفت کے لئے مدد طلب کرتے ہیں۔

اظہارات حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام شب عاشورا میں :۔

شبِ عاشورا جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے انصار کو اپنے اطراف میں جمع کیا تو اللہ کی حمد وثنا کے بعد ان سے فرمایا:

"میں تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت دیتا ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ، میں کوئی بیعت اور عہد وپیمان تمہارے ساتھ نہیں رکھتا اور میں نے

اپنی بیعت تم سے اُٹھالی ہے۔ ابھی رات ہے اور رات کی تاریکیوں نے جہان کو گھیرا ہوا ہے، اس تاریکیوں کو اپنا مرکب بناؤ اور اس ہولناک وادی سے خود کو نکال کرلے جاؤ۔ اللہ تمہیں بہترین جزا دے گا۔۔۔

تم اپنے شہروں میں جاسکتے ہو کیوں کہ دشمن فقط مجھ سے کام رکھتے ہیں اور اگر وہ مجھے پالیں تو پھر وہ کسی اور سے کام نہیں رکھتے"۔

سب سے پہلے جس نے کلام کی ابتدا کی، وہ قمرِ منیر بنی ہاشم ابا الفضل العباس علیہ السلام علمدارِ کربلا تھے، انہوں نے عرض کیا:

لِمَ نَفْعَلُ ذٰلِكَ لِنَبْقٰى بَعْدَكَ لَا أَرَانَا اللّٰهُ ذٰلِكَ أَبَداً...[1]

"کیوں ایسا کریں؟ اس لئے کہ آپؑ کے بعد زندہ رہیں؟ خداوند ہرگز ہمارے اندر ایسی چیز نہ دکھلائے"۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کے بعد زندگی نہیں چاہتے تھے اور ان کی ساری کوششیں امام حسین علیہ السلام کی جان بچانے کے لئے تھیں جو اپنے قول سے بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اپنے فعل سے بھی۔

عاشورا کے دن اپنے مادری بھائیوں سے جن کے نام عبداللہ وجعفر وعثمان ہیں، "فرزندان اُمّ البنین سلام اللہ علیہا" فرمایا:

يَا بَنِي أُمِّي تَقَدَّمُوا حَتّٰى أَرَاكُمْ قَدْ نَصَحْتُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ۔[2]

"اے میرے ماں جائے بھائیو! آگے بڑھو تاکہ تمہاری خیر وخوبی

---

[1] الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد = ج ۲، ص ۹۱

[2] اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ = ج ۱، ص ۴۵۸

اللہ ورسول ﷺ کی نسبت دیکھوں"۔

بھائی جس ترتیب میں ذکر ہوئے ہیں، اسی ترتیب سے میدان میں گئے اور دشمنوں سے جنگ کی اور میدان سے نہیں پلٹے اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا:

تَقَدَّمُوا بِنَفسِي اَنتُم فَحَامُوا عَن سَيِّدِكُم حَتّٰى تَمُوتُوا دُونَهُ ![1]

"مقدم رہو تم پر! میری جان قربان ہو! اپنے آقا اور سردار حسین علیہ السلام کی حمایت کرو یہاں تک کہ اس کی راہ میں قتل ہو جاؤ"۔

وداع ونبرد:۔

تذکرۃ الشہداءؑ میں آیا ہے کہ عاشور کے دن امام حسین علیہ السلام نے ابا الفضل العباس علیہ السلام سے فرمایا: "اپنے خانوادے کے افراد کے پاس جاؤ اور ان سے آخری وداع کرو۔ ایسا وداع کہ جس میں واپس پلٹنا نہیں ہے"۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام اپنے خیمہ میں آئے اور خیمہ میں ان کی زوجہ اور دو بیٹے تھے، ان کو وداع کیا اور ان کو خدا کے سپرد کیا۔

وہ سخت پیاسے تھے انہوں نے پانی طلب کیا اور عرض کیا: پیاس کی شدت نے تو آنکھوں کے آگے اندھیرا کر دیا۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے فرمایا:

تھوڑا سا صبر کرو تا کہ تمہارے لئے پانی لاؤں۔ اسی وقت امام حسین علیہ السلام کی صدا سنی تو اپنے گھر والوں کو چھوڑا، اور جلدی سے امام حسین علیہ السلام کی آواز پر ان کے پاس گئے۔

۱۔ منتہی الآمال = ج ۱، ص ۷۰۲

دیکھا کہ پورا لشکر خیام کے نزدیک آ گیا ہے اور امام حسین علیہ السلام ان سے جنگ کر رہے ہیں اور ان کو مور وملخ کی طرح جدا کر رہے ہیں اور قتل ہونے والے تو گروہ در گروہ مر رہے تھے۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام اپنے بھائی کے پاس آئے اور ان دونوں بھائیوں نے شدت کے ساتھ ان سے جنگ کی اور ایک بہت بڑی جماعت کو قتل کیا۔

جب آپؑ، امام مظلوم علیہ السلام کی جان پر خطرہ محسوس کرتے تو خود کو ان تک پہنچاتے تا کہ دشمنوں کے حملے کو ختم کریں۔

جب امام حسین علیہ السلام نے پانی لانے کی ماموریت ان کو دی تو انہوں نے خود کو فرات تک پہنچایا، مشک کو پانی سے پُر کیا اور تھوڑا سا پانی چلو میں لیکر پھینک دیا اور اپنے نفس کو اس طرح خطاب کیا:

يَا نَفسُ مِن بَعدِ الحُسَينِ هُونِي وَبَعدَهُ لَا كُنتِ أَن تَكُونِي

هٰذَا حُسَينٌ شَارِبُ المَنُونِ وَتَشرَبِينَ بَارِدَ المَعِينِ

هَيهَاتَ مَا هٰذَا فِعَالُ دِينِي وَلَا فِعَالُ صَادِقِ اليَقِينِ ![1]

"اے نفس (عباسؑ) حسین علیہ السلام کے بعد زندگی خوار وذلت ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ان کے بعد میں زندہ رہوں۔ یہ حسین علیہ السلام جو جامِ شہادت نوش کر رہے ہیں اور تم ٹھنڈا پانی پی رہے ہو، ھیھات اس کام سے (بے وفائی پیاس کے باوجود ان کے تصور سے بھی دور ہے)، یہ میرے آئین میں نہیں نہ ہی کوئی صادق الیقینی ہو گا ایسا"۔

۱۔ تذکرۃ الشہداءؑ = ص ۲۶۶

مرحوم ملا حبیب اللہ کاشانی "تذکرہ الشہداء" ص ۲۶۰ میں لکھتے ہیں:

جب عباس علیہ السلام نے مشک کو پانی سے بھرا تو دشمنوں نے ان کو گھیر لیا اور جس طرف سے دشمن اُن پر حملہ کرتا تو وہ ان کو بھگا دیتے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

أَذُبُّ عَنْ سِبْطِ النَّبِيِّ أَحْمَدِ
أَضْرِبُكُمْ بِالصَّارِمِ الْمُهَنَّدِ
حَتَّى تَحِيدُوا عَنْ قِتَالِ سَيِّدِي
إِنِّي أَنَا الْعَبَّاسُ ذُوا التَّوَدُّدِ
نَجْلُ عَلَى عَلِيِّ الْمُرْتَضَى الْمُؤَيَّدِ

"آج میں کاملِ اطمینان سے تم سے جنگ کروں گا
اور اولاد احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں جانفشانی کروں گا
اس قدر تم پر تلوار سے حملہ کروں گا کہ تم مولاؑ سے جنگ پر ہاتھ اٹھا لو
میں عباس علیہ السلام حسین علیہ السلام اور اس کے اہل بیت علیہم السلام کا عاشق ہوں
میں علی علیہ السلام کا بیٹا اور اللہ کا ستودہ اور اللہ کا تائید شدہ ہوں"

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام اپنے خطبے کے ضمن میں کعبہ کی چھت پر فرماتے ہیں:

تَعَالَوا اُخْبِرُكُم بِسَبِيلِهِ بَادِرُوا قَتْلِي وَاضْرِبُوا عُنُقِي لِيَحْصُلَ مُرَادُكُم۔

"آؤ میں تمہیں اس کا راستہ بتاتا ہوں کہ تم میرے قتل کی کوشش کرو اور میری گردن اڑا دو تاکہ تم اپنی مراد پا سکو"۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کا یہ قول ان کے وقت کے امام کے لئے ان کے

ایثار اور فدا کاری کو ظاہر کرتا ہے، جن کو اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں۔

جب حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام شہید ہوئے تو امام علیہ السلام کے چہرے پر آثارِ شکستگی ظاہر ہوئے اور سخت گریہ کر کے فرمایا:

"آہ میرے بھائی! آہ اے میری روح اور میرے دل کے میوے! تیرے بعد بینوائی سے وائے ہو، عباسؑ! اب میری کمر ٹوٹ گئی میرا چارہ کم ہو گیا اور میری امید قطع ہو گئی"۔

ملا حبیب اللہ کاشانی نقل فرماتے ہیں:

جب امامؑ اپنے بھائی کے جنازے پر بیٹھے تو ان کا سر اپنے سینے سے چسپاں کیا اور اس طرح گریہ کیا حتیٰ کہ دشمنوں نے بھی گریہ کرنا شروع کیا، اس وقت خطاب فرمایا:

جَزَاكَ اللهُ خَيْراً يَا أَخِي لَقَدْ جَاهَدْتَ فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ).[1]

"اے میرے بھائی! اس کے عوض اللہ آپؑ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ تُو نے اللہ کی راہِ جہاد کرنے کا حق ادا کر دیا ہے"۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کی شہادت پر امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ:۔

جب امام حسین علیہ السلام کو بھائی کی شہادت کی خبر ملی تو عباس علیہ السلام کو خیمہ میں لائے تو بانوانِ حرم نے صدائے گریہ بلند کیا اور امام حسین علیہ السلام نے بہ شدت گریہ کیا اور اس طرح مرثیہ پڑھا:

أَخِي يَا نُورُ عَيْنِي يَا شَقِيقِي
فَلِي قَدْ كُنتَ كَالرُّكْنِ الْوَثِيقِ
أَيَا قَمَراً مُنِيراً كُنتَ عَوْنِي

۱۔ تذکرۃ الشہداء = ص ۲۷۰

عَلٰی کُلِّ النَّوَائِبِ فِی المَضِیقِ
فَبعَدُكَ لَا تَطِیبُ لَنَا حَیَاةٌ
سَنَجتَمِعُ فِی الغَدَاةِ عَلَی الحَقِیقِ
أَلَا لِلّٰہِ شِکوَائِی وَ صَبرِی
وَ مَا القَاہُ مِن ظَمَاء وَضِیقِ [1]

"اے میرے بھائی! اے میری آنکھوں کے نور! اے میرے میوہء قلب! تم تو میری مضبوط پناہ تھے، اے چمکتے ہوئے چاند جو تمام سخت حوادث اور شدید غموں میں میرے مددگار تھے، تیرے بعد زندگی ہمارے لئے گوارا نہیں ہے، بہت جلد ہم اللہ کی بارگاہ میں ملاقات کریں گے، میں دشمنوں کی شکایتیں اور پیاس اور مصیبتیں اور سختیوں کے مقابلے میں تحمل اللہ کی طرف لے جاتا ہوں اور اس سے پناہ لیتا ہوں"۔

ایک جملہ:

"فَلِی قَد کُنت کَالرُّکنِ الوَثِیقِ" بہت اہم ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے ابا الفضل العباس علیہ السلام کو رکنِ وثیق اور محکم اور اپنا قابل اعتماد بنایا حالانکہ وہ خود اہلِ عالم کے لئے رکنِ وثیق ہیں۔ جو تمام مخلوق کے لئے خود ایک محکم پناہ ہے، وہ حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کو محکم پناہ کہہ رہا ہے۔

..بِأَبِی أَنتَ وَ أُمِّی یَا بَابُ الحَوَائِجِ یَا أَبَا الفَضلِ العَبَّاسِ یَا کَاشِفَ الکَربِ عَن وَجهِ الحُسَینِ اِکشِف کَربِی بِحَقِّ أَخِیكَ الحُسَینِ۔

[1] معالی السبطین = ج ۱، ص ۴۴۴

فصلِ دہم

منحوس مجمع اور لعنت

مجمع سے مراد دشمن

قال مولانا العباس علیہ السلام:

...لَا بَلَغَ اللهُ مَدارَكُم وَ بَدَّدَ اَعمارَكُم وَ اَولَادَكُم وَ لَعَنَ اللهُ عَلَيكُم وَ عَلى اَجدادِكُم...

"اللہ تمہارے مقصد کو کبھی پورا نہ کرے اور تمہارے آباء اور اولاد کو تباہ کرے اور لعنت کرے تم پر اور تمہارے آباء واجداد پر"۔

مکہ میں دخول اور اس میں توقف:۔

حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام جمعہ کے دن تین شعبان ۶۰ ہجری قمری کو مکہ میں داخل ہوئے اور آٹھ ذوالحج تک وہیں اسی شہر میں رہے۔

اس ترتیب سے اس شہر مکّہ میں چار ماہ پانچ دن رہے۔

اس دوران اس مدت میں حاکمِ شام کے مطالب اور حزب اموی کے واقعات اور یزید کا مقام خلافت کے قابل نہ ہونا اور عراق و کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کو دعوت اور متعدد خطبات دیئے اور لوگوں کو یزید کے خلاف قیام کے لئے دعوت دی اور ان کو حقائقِ دین سے آگاہ کیا۔

ابنِ عساکر لکھتا ہے:

" جب امام حسین علیہ السلام مکہ گئے تو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو گھیر لیا۔ امام حسین علیہ السلام کی مجلس اصحاب و تابعین اور علم روایت کے عالموں سے پُر تھی جب کہ پیر مرد اور جوان ان کے گرد جمع ہو رہے تھے اور امام علیہ السلام کے خطاب کو سن رہے تھے۔

گویا امام حسین علیہ السلام کا خطاب سن کر ان کا پتھر دل بھی پانی ہو رہا تھا اور جو سنتے تھے، وہ ایک دوسرے کے لئے نقل کرتے تھے۔[1]

ان خطبات کے اثر میں اشرافِ قریش نے مکہ میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بیعت کی اور یزید مکہ کی ایک ایک خبر سے باخبر تھا۔

جب اس کو یہ خبریں ملیں تو اُسے خطرہ ہوا کہ کہیں امام حسین علیہ السلام اپنے محبوں کی مدد سے اس پر فتح نہ حاصل کرلیں تو اس نے حدوداً ایک سو پچاس (تین سو تک بھی ذکر ہوئے ہیں) افراد کو مخفیانہ طور پر بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی تلواریں لباسوں کے نیچے چھپائیں اور امام حسین علیہ السلام کو کعبہ کے کنارے مسجد الحرام میں شہید کردیں۔[2]

اس ترتیب سے کعبہ کا احترام بھی چلا جائے گا اور پھر اس گھر کو منہدم کرنے کی کوشش میں رہے۔

اس منحوس نقشے سے آگاہی:۔

امام حسین علیہ السلام نے اس واقعہ کی اطلاع کے بعد حرمِ الٰہی کی حرمت کے حفظ کے لئے مکہ سے حرکت کی اور یہ دن بہت ہی اہم تھا کیوں کہ اس دن تمام مسلمان (در

۱۔ تاریخ کبیر، ابن عساکر= ج ۴۳، ص ۳۲۲

۲۔ زندگانی امام حسینؑ، عمادزادہ= ص ۲۸۲

صورت استطاعت و امکان) اقصیٰ سے نقاطِ جہان کو درک کرنے کے لئے موسم حج میں مکہ آتے تھے۔

وقت کے امامؑ کو قتل کرنے کی حرکت یزید کی کوئی نئی حرکت نہیں تھی بلکہ غاصبانِ حقوقِ مولا امیر المؤمنین علیہ السلام اس میں پیش پیش تھے اور امیر المؤمنین کے حق کے مدافع اول یعنی وجود مقدس حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو شہید کیا۔ اس کے بعد خود امیر المؤمنین علیہ السلام کو محراب عبادت میں اس حال میں کہ آپؑ سجدے سے اُٹھ رہے تھے، شہید کیا۔ اس کے بعد جگر گوشۂ بتول سلام اللہ علیہا یعنی امام حسن علیہ السلام کو شہید کرنے کے لئے کمر باندھی اور ان کی لالچی اور خائن زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کے ذریعے ان کا جگر پارہ پارہ کیا گیا۔

ابھی بھی انہیں آرام نہیں آیا تو انہوں نے انؑ کے تیسرے فرد یعنی امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ بنایا کہ وہ ایک شیطانی اغراض کے خلاف ایک محکم قلعہ تھے، اس کو درمیان سے ہٹائیں۔

اصولاً تمام خلفائے بنی اُمیہ و بنی عباس کا پہلا ہدف امام الصادقینِ علیہ السلام اسلام کا قتل تھا اور ان میں سے ہر ایک فرد کی یہی خواہش تھی۔ حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام بھی ان تمام واقعات پر مکمل نظر رکھے ہوئے تھے تو ان خائن نامردوں سے فرمایا:

لَا بَلَّغَ اللّٰهُ مِدَادَكُم....

"اللہ عزوجل اس مقصد کے لئے کہ جس کیلئے تم جمع ہوئے ہو، تمہیں نہ پہنچائے"۔

کتنے گھٹیا لوگ ہو کہ حلقۂ ظلم وستم کو تم نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بیٹے کے قتل کے لئے تشکیل دیا ہے اور وہ بھی صرف ایک شخص کی رضایت وخوشنودی کے لئے کہ جس کا نام

یزید ہے تم تو سعادتِ دنیا و آخرت سے محروم ہو گئے ہو۔ انسان جب کسی ظلم میں شریک ہو تو وہ خود بھی ظالم ہے جو بھی کسی بھی طریقے سے اس ظلم میں شریک ہو، اگرچہ مستقیماً ظلم کرنے میں شریک نہیں لیکن پھر بھی ظالم ہے۔ خداوندِ متعال ظالموں کو شدید عذاب دے۔

لوگوں کی گستاخی کے عوامل:۔

اس قدر گستاخ کیوں ہیں کہ زہر میں تلوار بھرے نیام سے نکال کر ان کے دروازے پر کھڑے ہیں کہ ان سے جنگ کا قیام کریں؟

اس کے تین سے زیادہ جواب نہیں۔

ایک جہل۔ دوسرا حُبِّ دنیا اور تیسری حرامزادگی۔

یا تو جاہل ہیں کہ اپنے امام علیہ السلام کی معرفت نہیں رکھتے اور دشمن نے بھی ان کی جہالت اور نادانی سے سوء استفادہ کیا۔

یا پھر ان کو امام مفترض الطاعہ مانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ان کے بارے میں اتنا کچھ سن چکے ہیں لیکن محبت دنیا نے ان کے دلوں کو پُر کیا ہوا ہے۔ جو چاہتے ہیں کہ یزید ان کی جھولی میں ڈالتا ہے اور جیسی زندگی چاہتے ہیں، گزارتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام وصیتیں جو انہوں نے اپنے خاندان کے بارے میں کیں تھیں، وہ پاؤں تلے روند دیتے ہیں اور بالآخر تیسرا امور بھی غیر قابل انکار ہے۔

وہ مامور ہیں خداوندِ متعال کی طرف سے کہ وظیفہ انجام دیں، اب لوگ چاہیں یا نہ چاہیں۔ جابر ابنِ عبداللہ انصاری سے اظہار کیا کہ کوفیوں نے ان کے بھائی امام

حسن علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا۔

فرمایا:

...قَدْ فَعَلَ اَخِی ذٰلِكَ بِأَمْرٍ مِنَ اللهِ تَعَالٰی وَ رَسُولِهِ وَ اَنَا اَيْضاً اَفْعَلُ بِأَمْرِ اللهِ وَ رَسُولِهِ)۔ [1]

"یقیناً میرے بھائی حسن علیہ السلام نے بھی امر اللہ اور اس کے رسولؐ کے امر پر عمل کیا، میں بھی وہی کروں گا"۔

مجمع سے مراد وہ دشمن ہیں جنہوں نے بیت اللہ میں اسی مقصد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد اجتماع کیا ہوا ہے اور سقیفہ بنی ساعدہ کی پیروی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کو پاؤں تلے روندنے کے لئے اور احکام و سنن الٰہی اور لوگوں کو ولایت امیر المؤمنین علیہ السلام سے منحرف کرنا، یہ ان کا ہدف اور مقصود ہے۔ جو دعائے ندبہ میں بھی آیا ہے:

وَ الْأُمَّةُ مُصِرَّةٌ عَلٰى مَقْتِهِ مُجْتَمِعَةٌ عَلٰى قَطِيعَةِ رَحِمِهِ وَ إِقْصَاءِ وُلْدِهِ إِلَّا الْقَلِيلَ مِمَّنْ وَفٰى لِرِعَايَةِ الْحَقِّ فِيهِمْ۔

"اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی پر شدید مصر (اصرار کرنے والے) تھے اور ان کی پاک نسل کی نابودی اور ان کی اولاد طاہرہؑ کو دور کرنے کے لئے (ان کی مسندِ خلافت اور اس کی جانشینی سے) متفق ہو گئے۔ مگر بہت سے کم لوگوں نے (جو مومن حقیقی تھے) ان کی اولاد کے حقوق کی رعایت کی"۔

1۔ مناقب، ابن شہر آشوب = ج ۳، ص ۲۱۲

اور آخر میں:

فِيهِمْ فَقُتِلَ مَنْ قُتِلَ وَ سُبِيَ مَنْ سُبِيَ وَ أُقْصِيَ مَنْ أُقْصِيَ۔

"قتل ہو گیا، (بہت ہی ظلم و ستم سے) وہ شہید ہوا، وہ جو اسیر ہوا، اپنے وطن سے دور ہوا اور وہ جو اپنے دیار سے نکالا گیا"۔

یہ جو تھوڑا سا گروہ ہے جس نے اپنے عہد و پیمان سے وفا کی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد علیہم السلام کے حقوق کے بارے میں رعایت کی سقیفہ کے جریان میں۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے جنازے میں شرکت کی (وہ سات لوگوں سے زیادہ نہ تھے) اور یہ تعداد عاشورا کے دن ۶۱ ہجری اپنے خاندان کے افراد کے علاوہ حدوداً ۵۴ افراد تھے (اور ۱۸ افراد ان کے اہلِ بیت علیہم السلام سے تھے جو جمعاً ۷۲ افراد تھے) جو سفاک ترین لوگوں کے ہاتھوں خاک و خون میں غلطان ہوئے۔

=====❖=====

عمر میں کوتاہی اور اولاد کی تباہی

حضار کنارِ بیت کو شیر بیشۂ شجاعت حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے مخاطب کر کے فرمایا:

وَبَدَّدَا اَعْمَارَکُمْ وَاَوْلَادَکُمْ.

"اور تمہارے آباء اور اولاد کو تباہ کرے"۔

بدد لغت میں جدا کرنا اور اعمار جمع عمر ہے۔ اور نفرین رحمتِ خداوند سے طلبِ دوری اور ظالم کے ظلم سے بیزاری ہے۔ کون سا ظلم امام علیہ السلام کو قتل کرنے سے اور کون سا واقعہ ان کے اہداف کے مخالف انجام دینے سے بڑھ کر ہے۔

اگر کوئی ظالم کے ظلم سے اظہار تنفر نہ کرے اور تقیہ میں بھی نہ ہو تو وہ ظالم ہے۔

ظلم اور ظالم کی قسمیں:۔

ممکن ہے کہ انسان ان چھ صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں ظالم مانا جائے اور خدا کی لعنت کا مستحق بنے۔

اَوّل: خود ظالم ہو۔

اس کی بھی تین قسمیں ہیں:

الف: یاد خدا اور آیاتِ خدا سے اعراض کرنا ظلم ہے۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا [1]

"اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مساجد میں اس کا نام لینے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے؟"

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ [2]

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے یا اس کی آیات کو جھٹلائے؟"۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا [3]

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی نشانیاں سمجھا دی گئی ہوں پھر وہ ان سے منہ موڑ لے؟"

جو بھی مسجد خالی ہونے کا سبب بنے یا پھر خدا پر کوئی جھوٹ باندھے یا پھر اس کی آیات کی تکذیب کرے یا پھر جب نصیحت کے لئے اُسے آیات سنائی جائیں جس میں پروردگار کی نشانیاں ہوں اور وہ ان سے منہ موڑ لے تو وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔

درواقع نفس کے اوپر جن آیات کی طرف اشارہ ہوا ہے اگر اُن آیات خداوند سے اعراض کرے تو شیطان اس کے لگام کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتا ہے۔

اور پھر نفس امارہ اسے اسفل السافلین کی طرف کھینچتا ہے۔

۱۔ سورہ البقرہ = آیت ۱۱۴

۲۔ سورہ الانعام = آیت ۲۱

۳۔ سورہ السجدہ = آیت ۲۲

ب: نفس پر ظلم:۔

قرآن فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔[1]

"اللہ یقیناً لوگوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ لوگ ہیں جو اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں"۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ أَهْمَلَ الْعَمَلَ بِطَاعَةِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔[2]

"اگر کوئی اللہ کی اطاعت میں سستی کرے تو اس نے خود پر ظلم کیا"۔

یا دوسری جگہ فرمایا:

مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهُ كَانَ لِغَيْرِهِ أَظْلَمَ۔[3]

"جو خود پر ظلم کرتا ہے وہ دوسروں کی نسبت بھی ظالم ہے"۔

ج: دوسرے پر ظلم:۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ ظَلَمَ الْعِبَادَ كَانَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ خَصْمَهُ۔[4]

"جو دوسروں پر ظلم کرے تو اللہ اس کا دشمن ہے"۔

۱۔ سورہ یونس = آیت ۴۴

۲۔ غرر الحکم، آمدی = ج ۵، ص ۳۱۶، ح ۸۵۴۱

۳۔ غرر الحکم، آمدی = ج ۵، ص ۳۳۰، ح ۸۶۰۶

۴۔ غرر الحکم، آمدی = ج ۵، ص ۳۳۷، ح ۸۶۳

اور دوسری جگہ پر فرمایا:

بِئْسَ الزَّادُ إِلَى الْمَعَادِ الْعُدْوَانُ عَلَى الْعِبَادِ۔[1]

"قیامت کے لئے بدترین ذخیرہ، بندوں کے ساتھ دشمنی ہے"۔

اگر کوئی کسی کی نسبت ظلم کرے اگرچہ اس کے ظلم کا اثر جلد ہی ختم ہو جائے لیکن ظالم کے لئے اس وقت تک اثر باقی رہے گا جب تک اس سے انتقام نہیں لیا جاتا۔

إِيَّاكَ وَالظُّلْمَ فَإِنَّهُ يَزُولُ عَمَّنْ تَظْلِمُهُ وَيَبْقَى عَلَيْكَ۔[2]

"ظلم کرنے سے پرہیز کرو کیوں کہ مظلوم پر ظلم کا اثر ختم ہو جاتا ہے لیکن تم پر اس کا اثر باقی رہے گا"۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنی وصیتوں کے ضمن میں امام سجاد علیہ السلام سے فرمایا:

إِيَّاكَ وَظُلْمَ مَنْ لَا يَجِدُ عَلَيْكَ نَاصِراً إِلَّا اللَّهَ۔[3]

"اس پر ظلم کرنے سے پرہیز کرو کہ جس کا مددگار سوائے خدا کے کوئی نہ ہو"۔

دوم: جو ظالم کی بطورِ مستقیم یا غیرِ مستقیم مدد کرے۔

آئمہ شیعیان نے ظالم بادشاہوں کے پاس جانے یا پھر حکومتی عہدے سنبھالنے ـ مگر موارد استثنائی میں ـ کو حرام شمار کیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

۱۔ غرر الحکم، آمدی = ج ۳، ص ۲۵۷، ح ۴۴۱۵

۲۔ غرر الحکم، آمدی = ج ۲، ص ۴۰

۳۔ ابو الحسن حرانی، تحف العقول = ص ۲۴۶

"میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ظالموں لئے ایک گانٹھ بھی باندھوں یا پھر ان کے لئے ایک مشک کا منہ بند کروں یا پھر مرکب قلمی کو آمادہ کروں۔ بیشک ظالم اوران کی مدد کرنے والے قیامت کے دن آگ کے خیموں میں ہوں گے اس وقت تک جب تک اللہ بندوں کے فیصلے نہیں کر لیتا"۔ ۱

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے زیاد بن ابی سلمہ سے فرمایا:

"اے زیاد! اگر میں بلندی سے گروں اور میرا بدن پارہ پارہ ہوجائے، میرے لئے محبوب تر ہے اس کام سے کہ ان (ظالموں) کا عہدہ لوں یا پھر ان کے لئے کوئی قالین بچھاؤں"۔ ۲

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

شَرُّ النَّاسِ مَنْ يُعِينُ عَلَى الْمَظْلُومِ۔ ۳

"بدترین ہے وہ، جو ظالم کی ظلم میں مظلوم پر مدد کرے"۔

یا پھر دوسرے جملے میں فرمایا:

دَعُوا طَاعَةَ الْبَغْيِ وَ الْعِنَادِ وَ اُسْلُكُوا سَبِيلَ الطَّاعَةِ وَ الاِنْقِيَادِ تَسْعَدُوا فِي الْمَعَادِ۔ ۴

"سرکش اور دشمن شخص کی پیروی مت کرو اور اللہ کی اطاعت کا راستہ

۱۔ تحلیلی از زندگانی امام کاظمؑ، تالیف: محمد باقر شریفی = ج ۲، ص ۱۹۸
۲۔ تحلیلی از زندگانی امام کاظمؑ، تالیف: محمد باقر شریفی، = ج ۲، ص ۱۹۸
۳۔ غرر الحکم، آمدی = ج ۴، ص ۱۷۵، ح ۵۷۳۶
۴۔ غرر الحکم، آمدی = ج ۴، ص ۱۲، ح ۵۱۱۹

اختیار کرو تا کہ روز قیامت کامیاب ہو جاؤ"۔

زیارتِ عاشورا میں پڑھتے ہیں:

لَعَنَ اللهُ اُمَّةً أَسْرَجَتْ وَ أَلْجَمَتْ وَ تَهَيَّأَتْ وَ تَنَقَّبَتْ لِقِتَالِكَ۔

"خدا لعنت کرے اس امت پر جس نے گھوڑوں کو امام حسین علیہ السلام سے جنگ کے لئے زین و لجام لگائی"۔

احیاناً یہ لوگ مستقیماً جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن انہوں نے جنگجوؤں کے لئے وسائلِ جنگ فراہم کئے۔

کاتب بنی اُمیہ اور امام صادق علیہ السلام:۔

علی ابن حمزہ کہتا ہے کہ میرا ایک دوست تھا جو بنی اُمیہ کے کاتبوں میں سے تھا اور اُس نے مجھ سے تقاضہ کیا کہ میں اُس کے لئے امام علیہ السلام سے اجازت لوں اور وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں آئے، ہم نے اجازت لی اور ساتھ داخل ہوئے۔

اس نے امام علیہ السلام کو سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ اس نے وہاں پر عرض کیا = ایک مدت سے بنی اُمیہ کے دفترِ حساب کا عہدہ مجھ پر تھا اور اس عہدے پر فائز رہ کر میں نے بہت زیادہ دولت کمائی۔ پس! اس دولت کی جمع آوری میں اس کے حلال یا حرام ہونے کی اہمیت نہیں جانتا؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اگر بنی اُمیہ کو تم جیسے لوگ نہ ملتے کہ بعض ان کے لئے لکھیں اور ایک دستہ ان کے اموال جمع کرے اور ایک گروہ ان کا سپاہی بنے یا پھر ان کے اجتماعات میں شرکت کریں تو کبھی بھی وہ ہمارا حق غصب

نہیں کر سکتے تھے۔

اگر لوگ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ صرف حادثاتی طور پر ہی مال حاصل کر سکتے تھے اور ان کے پاس کوئی طاقت نہ ہوتی کہ ظلم کے ساتھ وہ لوگوں کے حقوق لے سکیں"۔[1]

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ فَقَدْ أَجْرَمَ۔[2]

"جو ظالم کے ساتھ چلے، وہ بھی گناہگار ہے"۔

سوم: دل سے ظلم پر راضی ہو۔

ممکن ہے انسان خود تو ظلم نہ کرے اور عملاً ظالم کی مدد بھی نہ کرے لیکن قلباً ظالم کے ظلم سے راضی ہو تو ایسا فرد بھی ظالم کے زمرے میں آئے گا کیونکہ:

مَنْ رَضِیَ بِعَمَلِ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔

"اگر کوئی کسی قوم کے عمل پر راضی ہو تو وہ بھی اس میں شریک محسوب ہوگا"۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

..الرَّاضِی بِفِعْلِ قَوْمٍ کَالدَّاخِلِ فِیهِ مَعَهُمْ۔[3]

"اگر کوئی ایک قوم کے فعل سے راضی ہو تو بھی اس کام میں ان کا مددگار ہے"۔

---

[1]۔ موسیٰ خسروی، پند تاریخ = ج ۴، ص ۹۴، بہ نقل از فروع کافی جزء پنجم = ص ۱۰۶

[2]۔ ملا مہدی نراقی، علم اخلاق اسلامی، ترجمہ ی جامع السعادات = ج ۲، ص ۲۹۶

[3]۔ آمدی، غرر الحکم = ج ۲، ص ۱۳۱، ح ۲۰۸۵

چہارم: ظالم اور ظلم کے درمیان کوئی فرق نہ کرنا:۔

انسان حیوان کے ساتھ فرق کرتا ہے۔

حیوانات ہیں کہ جب ان پر حملہ ہوتا ہے یا اس کو قتل کرتے ہیں تو دوسروں کو کوئی فرق نہیں پڑتا (تمام حیوانات ایسے نہیں ہیں)۔

انسان ایک ایسی موجود ہے جس کو چاہیے کہ ظالم کے عمل کی نسبت اور مخصوصاً مظلوم کی مدد کے لئے اسے متحرک ہونا چاہیے۔

اگر انسان عملاً ظالم کے سامنے نہیں کھڑا ہو سکتا کہ مظلوم کے حق کا دفاع کرے تو کم از کم دلی طور پر تو ظالم سے نفرت کرتا ہو۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

کُنْ لِلْمَظْلُومِ عَوْناً وَلِلظَّالِمِ خَصْماً۔[1]

"مظلوم کے ناصر اور ظالم کے دشمن رہو"۔

سعی کن در زمانہ عالم باش
بری از عیب بودہ، سالم باش
طبق فرمودہ ی امیر المؤمنینؑ
یار مظلوم و خصم ظالم باش

"کوشش کرو کہ زمانے میں عالم رہو، عیبوں سے پاک و سالم رہو، امیر المؤمنین علیہ السلام کے فرمان کے مطابق، مظلوم کے ناصر اور ظالم

---

[1]۔ غرر الحکم = ج ۴، ص ۲۰۳، ح ۱۵۳۷

کے دشمن رہو"۔

کس طرح ممکن ہے کہ ایک شیعہ ان تمام مظالم کے مقابلے میں جو بنی اُمیہ اور بنی عباس نے آلِ محمد علیہم السلام اور ان کے محبوں پر طول تاریخ میں کئے ہیں، کوئی فرق نہ کرے؟

آلِ محمد علیہم السلام کی نگاہ میں یہ مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ اگر کوئی شخص ان کی مظلومیت سے متاثر ہو تو وہ تسبیح کا ثواب حاصل کرتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

..نَفَسُ الْمَهْمُومِ لَنَا الْمُغْتَمِّ لِظُلْمِنَا تَسْبِيحٌ.[1]

"جو ہم پر ظلم وستم ہوئے ان پر غمگین ہو کر سانس لینا بھی تسبیح ہے"۔

جب غم حد سے گزرتا ہے تو انسان گریہ کرتا ہے ممکن ہی نہیں کہ ایک شیعہ مخلص محب ان مصائب کی وجہ سے جو آلِ محمد علیہم السلام پر ڈھائے گئے ہیں، ان کے لئے گریہ نہ کرے اور آنسو نہ بہائے۔

خصوصاً حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور امام حسین علیہ السلام کے مصائب میں امام جعفر صادق علیہ السلام خود امام حسین علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ فرمایا:

أَنَا قَتِيلُ الْعَبْرَةِ لَا يَذْكُرُنِي مُؤْمِنٌ إِلَّا اسْتَعْبَرَ.[2]

"مجھے رُلا رُلا کر قتل کیا گیا، مجھے کوئی بھی مومن یاد نہیں کرے گا مگر یہ کہ اس کی آنکھیں گریہ سے تر ہو جائیں"۔

---

[1] اصول کافی = ج ۳، ص ۳۲۰، ح ۱۶

[2] کامل الزیارات = ج ۱، ص ۱۰۸

ایک اَشک کا قطرہ جو جہنم کی خاموشی کے لئے کافی ہے:۔

ایک مفصل خبر کے ضمن میں جو مسمع بن عبد الملک کردین بصری نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل فرمائی ہے:

....مَا بَكَىٰ أَحَدٌ رَحْمَةً لَنَا وَ لِمَا لَقِينَا إِلَّا رَحِمَهُ اللهُ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ الدَّمْعَةُ مِنْ عَيْنِهِ فَإِذَا سَالَتْ دُمُوعُهُ عَلَىٰ خَدِّهِ فَلَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنْ دُمُوعِهِ سَقَطَتْ فِي جَهَنَّمَ لَأَطْفَأَتْ حَرَّهَا حَتَّىٰ لَا يُوجَدَ لَهَا حَرٌّ وَ إِنَّ الْمُوجَعَ لَنَا قَلْبُهُ لَيَفْرَحُ يَوْمَ يَرَانَا عِنْدَ مَوْتِهِ فَرْحَةً لَا تَزَالُ تِلْكَ الْفَرْحَةُ فِي قَلْبِهِ حَتَّىٰ يَرِدَ عَلَيْنَا الْحَوْضَ....[1]

"جو بھی دلسوزی سے جو کچھ (ظلم وستم اور ہتکِ حرمت و۔۔) ہم پر وارد ہوا اس پر گریہ نہ کرے مگر یہ کہ اللہ عزوجل اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے سے پہلے اس کو اپنی رحمت کا مورد قرار دیتا ہے۔

جب اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو اگر اس کا ایک قطرہ بھی جہنم میں ڈال دیا جائے تو اس کی تمام حرارت ختم ہو جائے گی۔

اگر کسی کا دل ہماری وجہ سے دکھے، جب اس جہاں میں آئے گا تو وہ ہمیں دیکھ کر مسرور ہوگا۔ یہ سُرور اس کے دل میں ہوگا یہاں تک کہ ہمارے پاس حوض (کوثر) پر داخل ہوگا"۔

---

[1] کامل الزیارات = ج ۱، ص ۱۰۱

پنجم: بغیر کسی شرعی عذر کے ظالم کے مقابلہ میں سکوت کرنا:۔

یہ بھی ظلم کے موارد میں سے ایک ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ بہت سے موارد میں انسان سکوت پر مامور ہے مگر اس طرح نہیں کہ ہر جگہ پر سکوت ممدوح اور پسندیدہ ہو۔

باآن کہ بود سکوت بہتر ز کلام   در وقت ضرورت کلام است حرام

از ظالم جانی تبہکار و پلید   باید کہ کنی برائت خود اعلام

"باوجود اس کے کہ سکوت کلام سے بہتر ہے اور ضرورت کے وقت کلام حرام ہے لیکن ظالم سے برأت کا اعلان کرنا چاہیے"۔

مولا علی علیہ السلام نے ابن قیس سے فرمایا:

اَلسَّاکِتُ أَخُو الرَّاضِي۔[1]

"سکوت رضایت کا بھائی ہے"۔

اس جملے کا مضمون ایک ضرب المثل میں اس طرح ہے کہ (سکوت رضایت کی علامت ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلسُّکُوتُ عِنْدَ الضَّرُورَةِ بِدْعَةٌ۔[2]

"جہاں پر کلام کرنے کی ضرورت ہو وہاں پر سکوت کرنا بدعت ہے"۔

---

[1]۔ بحارالانوار الجامعة لدرر اخبار الأئمة الاطہار علیہم السلام = ج ۷۴، ص ۴۲۱، ح ۴۰

[2]۔ بحارالانوار الجامعة لدرر اخبار الأئمة الاطہار علیہم السلام = ج ۷۴، ص ۱۶۴، ح ۱

علی بن یقطین بھی عہدہ رکھتے ہیں:۔

ان افراد میں سے جو بنی عباس کی حکومت میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حکم پر محبانِ امیرالمؤمنین علیہ السلام کی خدمت کرتا تھا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جس کی طرف بہت زیادہ توجہ کرتے تھے وہ علی ابن یقطین ہے کہ اس کا باپ یقطین امام جعفر صادق علیہ السلام کے مخالفوں میں سے تھا اور منصور سفاک کے مقربین میں سے تھا۔[1]

صاحب "مجالس المومنین" لکھتے ہیں:

"جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام عراق میں آئے تو علی بن یقطین امام علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور بنی عباس کی طرف سے ملامتی کا ذکر کیا۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

...یَا عَلِيُّ إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی أَوْلِيَاءُ مَعَ أَوْلِيَاءِ الظَّلَمَةِ لِيَدْفَعَ بِهِمْ عَنْ أَوْلِيَائِهِ وَ أَنْتَ مِنْهُمْ يَا عَلِيُّ...[2]

یا علی (بن یقطین)! ارباب ظلم کے کنارے میں اللہ کے اولیاء ہیں جن کے ذریعے اللہ اپنے اولیاء کا دفاع کرتا ہے اور ان میں سے ایک تُو بھی ہے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

"تُو میرے لئے ایک چیز کے ضامن بنو تو میں تین چیزوں کا تمہارے لئے ضامن ہوتا ہوں۔

---

[1]۔ اصول کافی، باب کراھیة التوقیت = ح ٦

[2]۔ مجالس المومنین = ج ۱، ص ۳۸۸

علی بن یقطین نے عرض کیا: وہ ایک اور وہ تین کون سی ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ جو میں تمہارے لئے ضمانت کرتا ہوں وہ یہ ہیں =

۱۔ ہرگز دشمن کی طرف سے تمہیں کوئی اذیت نہیں پہنچے گی۔

۲۔ تُو اور تمہاری اولاد بلاؤں میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

۳۔ ہرگز نامردوں کے محتاج نہیں ہو گے۔

لیکن وہ چیز جو تم سے ضمانت چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو بھی ہمارے دوستوں میں سے تمہاری طرف رجوع کرے اس کا احترام کرو اور اس کی مشکل دور کرنے کے لئے اقدام کرو۔

علی ابن یقطین نے دل وجان سے قبول کیا"۔[1]

ششم: اللہ سے ظالم کی حیات چاہنا اور اس کی نسل کا انقطاع خدا سے نہ چاہنا:۔

اگر کوئی راضی ہو کہ ایک ظالم _ اگرچہ ایک گھنٹے کیلئے _ زندہ رہے تو وہ خود ظالم ہے ۔اس خصوص میں صفوان جمال اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی داستان بہت معروف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ صفوان کہتا ہے کہ مَیں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا تو امام کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

"صفوان! تمہارے سب کام اچھے ہیں سوائے ایک کے۔

میں نے عرض کیا: آپؑ پر قربان جاؤں! وہ کون سا ہے؟

انہوںؑ نے فرمایا: اپنے اونٹ اس مرد (ہارون) کو کرایہ پر دیتے ہو۔

۱۔ مجالس المومنین = ج۱، ص ۳۸۸

میں نے عرض کیا: مَیں نے لالچ یا دولت کی زیادتی یا شکار یا لہو ولعب کے لئے کرایہ پر نہیں دیئے بلکہ حج کے لئے چاہتا تھا تو میں نے یہ کام کیا۔ اور میں خود بھی اس کے پاس نہیں گیا بلکہ ایک غلام کو اس کے ساتھ بھیجا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا اونٹوں کا کرایہ اس کے یا اس کے خانوادے نے دینا ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں!۔

آپؑ نے فرمایا: کیا اس چیز کو پسند کرتے ہو کہ ہارون یا پھر اس کا خانوادہ زندہ رہے اور سفر سے لوٹ کر تمہارا کرایہ ادا کرے؟

میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! بالکل ایسا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

فَمَنْ أَحَبَّ بَقَاءَهُمْ فَهُوَ مِنْهُمْ وَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ فَهُوَ وَرَدَ النَّارَ۔

"اگر کوئی ان کی بقاء کو پسند کرتا ہو تو وہ بھی ان میں سے ہے اور اس کی جگہ بھی جہنم میں ہے"۔

صفوان کہتا ہے = پس میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا یہ فرمان سننے کے بعد ہارون جیسے ہی واپس لوٹا تو میں نے اپنے اونٹ بیچ دیئے۔

یہ خبر جب ہارون تک پہنچی تو مجھ سے کہا:

يَا صَفْوَانُ بَلَغَنِي أَنَّكَ بِعْتَ جِمَالَكَ۔

"اے صفوان! میں نے سنا ہے کہ تو نے اپنے اونٹ بیچ دیئے ہیں"۔

میں نے کہا: جی ہاں! اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور اب اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان کا خیال رکھ سکوں اور غلاموں کا بھی کچھ یہی حال ہے۔

ہارون نے کہا: ہرگز ہرگز یہ وجہ نہیں! تم نے موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کے اشارے پر یہ کام کیا ہے۔

میں نے کہا: میرا موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام سے کیا کام؟

اس نے کہا: جھوٹ بول رہے ہو!

فَوَاللهِ لَوْ لَا حُسْنُ صُحْبَتِكَ لَقَتَلْتُكَ.

"خدا کی قسم! اگر تمہارا احسن صحبت اور حقِ ہم نشینی نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا"۔[1]

پس! اب پلٹتے ہیں حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام کے اس فرمان کی طرف کہا آپؑ نے فرمایا:

..وَبَدَّدَا أَعْمَارَكُم وَأَولَادَكُم..

"اور تمہارے آباء اور اولاد کو تباہ کرے"۔

ہم نے دیکھا کہ اگر کوئی ظالم کی بقاء کا خواہ ہو تو وہ بھی ان کے ساتھ سخت عذاب میں ہوگا لیکن اولاد کی نابودی کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ منظور وہ اولاد ہیں جو راہِ حق سے روکتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ نسل کافر میں مومن بھی موجود ہوں تو پھر یہ لعنت ان کے شامل حال نہ ہوگی۔

۱۔ بحار الانوار الجامعۃ لدرر اخبار الائمۃ الاطہار علیہم السلام =، ج ۷۲، ص ۳۷۶

لعنت کا طلب کرنا [1]

مخالف اور اس کے اجداد کے لئے:۔

وَلَعَنَ اللهُ عَلَيكُم وَعَلَى أَجدَادِكُم..)۔

"اللہ لعنت کرے تم پر اور تمہارے آباء و اجداد پر"۔

لعنت کے لغوی معنیٰ:۔

راغب اصفہانی (المفردات) میں لکھتا ہے:

اللعن: الطرد والإبعاد على سبيل السخط، وذلك من الله تعالى في الآخرة عقوبة، وفي الدنيا انقطاع من قبول رحمته وتوفيقه.

"لعنت یعنی غضب ناک حالت میں دور کرنا ہے اور آخرت میں اس کے مشمول وہ ہیں جو معذب ہوں گے اور دنیا میں رحمت اور توفیق الٰہی سے محروم ہیں"۔

۱۔ مؤلف کی ایک کتاب بنام (چرا نفرین؟) جو ایک کاملاً تحقیق قرآنی ہے (لعنت اور لعنت کرنے والے اور لعنت ہونے والوں کے بارے میں) یہ کتاب انسان کے عقیدہ کے لئے (لعن اور بددعا) کے بارے میں بہت مفید ہو سکتی ہے۔

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ ظالمین کو لعنت اور اپنی رحمت سے دنیا و آخرت میں دور کرنا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۔[1] ... "ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو"۔

قرآن میں کلمہ لعن اپنے مشتقات کے ساتھ حدوداً چالیس بار استعمال ہوا ہے اور بائیس آیتوں میں لعنت کا فاعل خود خدا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الۡكٰفِرِيۡنَ وَاَعَدَّ لَهُمۡ سَعِيۡرًا ۔[2]

"بلاشبہ اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے"۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا ۔[3]

"یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے اس کے لئے آپ کوئی مددگار نہیں پائیں گے"۔

یہ آیت اس آیت کے بعد ہے جو آسمانی کتاب سے کچھ بہرہ ور ہیں اس حال میں وہ جبت وطاغوت پر ایمان رکھ کر کہتے ہیں =

راہِ کفار صحیح تر اور وہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو رسول اللہ ﷺ اور وہ جو کچھ لائے ان پر ایمان لائے۔

ایک گروہ جو اللہ اور تمام ملائکہ کی طرف سے ملعون ہوا ہے، آیۂ ذیل میں اس کی

1۔ سورہ الاعراف = آیت ۴۴؛ سورہ ہود = آیت ۱۸
2۔ سورہ الاحزاب = آیت ۶۴
3۔ سورہ النساء = آیت ۵۲

شناخت کرائی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ مَآ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالۡهُدٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الۡكِتٰبِۙ اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ۔[1]

"جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم کتاب میں انہیں لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر چکے ہیں، تو ایسے لوگوں پر اللہ اور دیگر لعنت کرنے والے سب لعنت کرتے ہیں"۔

وہ جو حق کی راہ ہو واضح ہونے کے بعد۔ ہزاروں روشن دلیلوں کے بعد۔ منحرف ہو جائیں اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے بعد بعنوانِ اسلام ایک اور راستہ کھولیں تو وہ خدا و رسولؐ اور مقربان درگاہِ الٰہی کے نزدیک ملعون ہیں حتیٰ کہ موجوداتِ عالم کے ملعون ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ آیہ کے ذیل میں فرمایا:

... »مَنۡ سُئِلَ عَنۡ عِلۡمٍ يَعۡلَمُهُ فَكَتَمَهُ، اُلۡجِمَ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنۡ نَارٍ، وَ هُوَ قَوۡلُهُ: اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلۡعَنُهُمُ اللَّاعِنُوۡنَ«۔[2]

"کسی سے علم کے بارے میں سوال ہوا اور وہ اس کو جانتا ہو مگر اس کو

1۔ سورہ البقرہ = آیت ۱۵۹
2۔ البرہان فی تفسیر القرآن = ج ۱، ص ۳۶۶

چھپائے تو ایک آگ کی لجام اس کے منہ میں دی جائے گی اور یہ اللہ کا قول ہے: تو ایسے لوگوں پر اللہ اور دیگر لعنت کرنے والے سب لعنت کرتے ہیں"۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کتمان کو اپنے فرمان سے مشخص کیا:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ ما أَنْزَلْنا مِنَ الْبَيِّناتِ وَ الْهُدىٰ فِي عَلِيٍّ "عليه السلام"۔[1]

"وہ جنہوں نے علی علیہ السلام کے بارے واضح دلائل کو چھپایا تو ایسے لوگوں پر اللہ اور دیگر لعنت کرنے والے سب لعنت کرتے ہیں"۔

خداوند متعال نے قرآن کریم میں ہدایت کے بارے میں روشن اور واضح بیان میں فرمایا: "وہ حقانیت و ولایت امیر المومنین علیہ السلام ہے"۔

اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کا خصوصاً اس بارے میں انکار کرے تو وہ ملعون ازل و ابد ہے۔

تمام اہل ایمان پر واجب ہے کہ سنتِ خدا اور رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے تمام وجود سے لعنت کریں۔

امیر المومنین علیہ السلام کو اذیت دینا:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک مفصل حدیث میں بریدہ اسلمی سے فرمایا:

أَمَا سَمِعتَ اللهَ تَعالىٰ يَقُولُ=

"إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللهَ وَ رَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيا وَ الْآخِرَةِ

۱۔ البرہان فی تفسیر القرآن=ج۱،ص۱۷۰

وَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذاباً مُهِيناً" أَمَا عَلِمتَ أَنَّ عَلِيًّا مِنِّي وَ أَنَا مِنهُ؟ إِنَّ مَنْ آذىٰ عَلِيّاً فَقَدْ آذانِي وَ مَنْ آذانِي فَقَدْ آذَى اللهَ وَ مَنْ آذَى اللهَ فَحَقٌّ عَلَى اللهِ أَنْ يُؤْذِيَهُ بِأَلِيمِ عَذابِهِ فِي نارِ جَهَنَّمَ۔[1]

"کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے=

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے ان کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ کیا نہیں جانتے کہ علی علیہ السلام مجھ سے ہے اور میں علی علیہ السلام سے ہوں؟

بیشک جس نے علی علیہ السلام کو اذیت دی، اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی، اس نے اللہ کو اذیت دی اور وہ خدا پر حق ہے کہ وہ اس کو اپنا دردناک ترین عذاب دے"۔

لعنت ہو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام کے دشمنوں پر۔ یہ صرف ایک اخلاقی و عاطفی وظیفہ نہیں ہے بلکہ ایک شرعی تکلیف ہے کہ اگر تقیہ کی گنجائش نہ ہو تو اس کا افشاء کرنا اعظم عباداتوں میں سے ہے۔ اگر تقیہ کی گنجائش ہو تو بصورت پنہاں و قلبی اس کا واجب ہونا معرض ہے۔

کافر کی صلب میں مومن:۔

علی ابن یقطین کہتا ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا:

۱۔ البرہان فی تفسیر القرآن=ج۳،ص۳۳۸

....إِنِّي قَدْ أَشْفَقْتُ مِنْ دَعْوَةِ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى يَقْطِينٍ وَ مَا وَلَدَ فَقَالَ يَا أَبَا الْحَسَنِ لَيْسَ حَيْثُ تَذْهَبُ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُ فِي صُلْبِ الْكَافِرِ بِمَنْزِلَةِ الْحَصَاةِ فِي اللَّبِنَةِ يَجِيءُ الْمَطَرُ فَيَغْسِلُ اللَّبِنَةَ وَ لَا يَضُرُّ الْحَصَاةَ شَيْئاً....[1]

"میں اس لعنت سے جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے یقطین اور اس کی اولاد کے حق میں کی ڈرتا ہوں؟۔امام علیہ السلام نے فرمایا: ویسا نہیں ہے جیسا تم سوچ رہے ہو۔ بیشک! کافر کی صلب میں مومن ایسے ہوتا ہے جیسے کنکر مٹی کے بیچ میں ہوتا ہے اور جب بارش برستی ہے تو وہ اس مٹی کو دھو دیتی ہے لیکن اس کنکر کو کوئی نقصان نہیں ہوتا"۔

ستر پشتوں تک نظر:۔

جنگِ صفین میں ایک دن امیر المؤمنین علیہ السلام اور مالکِ اُشتر کے درمیان دوستانہ گفتگو ہوئی اس صورت میں مالکِ اُشتر نے عرض کیا: میں نے آج لشکر دشمن سے پانچ سو افراد کا قتل کیا ہے اور آپؑ نے پانچ سو ایک کا۔

اور یہ چیز مالک نے بہت بڑی شمار کی تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں چاہتا تھا کہ کسی کو قتل کروں تو مَیں اس کی ستر پشتوں تک دیکھتا تھا۔ اگر اس کی ستر پشتوں میں ایک بھی مومن ہوتا تو اُسے قتل نہیں کرتا تھا۔ پس! تم نے اس طرح کے کتنے لوگوں کو قتل کیا؟

۱۔ الکافی = ج ۲، ص ۱۳

مالک نے عرض کیا: ایک کو بھی نہیں۔

صاحبِ کتاب "ثمرات الحیات" لکھتے ہیں:

"امام حسین علیہ السلام عاشورا کے دن دشمن کی ستر پشتیں دیکھتے تھے، اگر ان میں ایک بھی مومن ہوتا تو آپؑ اس کو قتل نہ کرتے"۔[1]

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے مروان بن حکم جو کہ خاندانِ رسالت کا سخت ترین دشمن تھا، سے فرمایا:

....وَ لٰكِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَعَنَكَ وَ لَعَنَ أَبَاكَ وَ أَهْلَ بَيْتِكَ وَ ذُرِّيَّتَكَ وَ مَا خَرَجَ مِنْ صُلْبِ أَبِيكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ....[2]

"لیکن اللہ عزوجل اور رسولؐ نے تجھ پر تیرے باپ پر اور تیرے اہل بیت و ذریت پر جو بھی قیامت تک تیری صلب سے آئے گا ان کو ملعون قرار دیا ہے"۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام جو عالمِ ما کان و ما یکون ہو، کائن ہیں تا روز قیامت جانتے ہیں کہ حکم یعنی مروان کے باپ کی صلب میں ابد تک ایک بھی مومن کا وجود نہیں ہے لہٰذا بغیر کسی تصریح اور و شرط و قید کے اس کی تمام ذریت کو لعنت کا مستحق قرار دیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

....إِنَّ نُطْفَةَ الْمُؤْمِنِ لَتَكُونُ فِي صُلْبِ الْمُشْرِكِ فَلَا يُصِيبُهُ

۱۔ سید محمود اصفہانی، ثمرات الحیات = مجلس ۲۷

۲۔ بحار الانوار الجامعة لدرر اخبار الأئمة الاطهار علیہم السلام = ج ۴۴، ص ۷۰

مِنَ الشَّرِّ شَیْءٌ حَتّٰی یَضَعَهُ فَإِذَا صَارَ بَشَراً سَوِیّاً لَمْ یُصِبْهُ مِنَ الشَّرِّ شَیْءٌ حَتّٰی یَجْرِیَ عَلَیْهِ الْقَلَمُ....[1]

"مومن کا نطفہ صلب مشرک میں ٹھہرتا ہے تو کوئی بھی بدی و آلودگی اس تک نہیں پہنچتی جب تک مشرکہ کے رحم میں ٹھہر جائے۔ جب انسان میں بدل جاتا ہے تو پھر بھی اسے کوئی بدی نہیں پہنچتی اس وقت تک جب تک کہ اس پر قلم تکلیف جاری نہ ہو"۔

لعنت کے بارے میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث:۔

....مَنْ ضَعُفَ عَلَى نُصْرَتِنَا أَهْلَ الْبَیْتِ وَ لَعَنَ فِی خَلَوَاتِهِ أَعْدَاءَنَا بَلَّغَ اللّٰهُ صَوْتَهُ إِلَى جَمِیعِ الْمَلَائِکَةِ فَکُلَّمَا لَعَنَ أَحَدُکُمْ أَعْدَاءَنَا صَاعَدَتْهُ الْمَلَائِکَةُ وَ لَعَنُوا مَنْ لَا یَلْعَنُهُمْ فَإِذَا بَلَغَ صَوْتُهُ إِلَى الْمَلَائِکَةِ اسْتَغْفَرُوا لَهُ وَ أَثْنَوْا عَلَیْهِ وَ قَالُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى رُوحِ عَبْدِكَ هَذَا الَّذِی بَذَلَ فِی نُصْرَةِ أَوْلِیَائِهِ جُهْدَهُ وَ لَوْ قَدَرَ عَلَى أَکْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَفَعَلَ فَإِذَا النِّدَاءُ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ تَعَالَى یَقُولُ یَا مَلَائِکَتِی إِنِّی قَدْ أحببت [أَجَبْتُ] دُعَاءَکُمْ فِی عَبْدِی هَذَا وَ سَمِعْتُ نِدَاءَکُمْ وَ صَلَّیْتُ عَلَى رُوحِهِ مَعَ أَرْوَاحِ الْأَبْرَارِ وَ جَعَلْتُهُ مِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْأَخْیَارِ....[2]

"اگر کوئی ہم اہل بیت علیہم السلام کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن

1۔ المحاسن = ج۱، ص ۱۳۸

2۔ بحار الانوار = ج ۵۰، ص ۳۱۶

تنہائی میں ہمارے دشمنوں ۔ پر لعنت کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کی صدا فرشتوں کے کانوں تک پہنچاتا ہے۔

پس! تم میں کوئی بھی ایک جب لعنت کرتا ہے تو فرشتے اس کی لعنت اوپر لے جاتے ہیں اگر کوئی ہمارے دشمنوں۔ پر لعنت نہ کرے تو وہ اس پر لعنت کرتے ہیں۔

جب لعنت کرنے والے کی صدا فرشتوں کے کانوں تک پہنچتی ہے تو وہ اس کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اور عرض کرتے ہیں: بار الٰہا! اس بندے کی روح پر صلوات بھیج، اگر وہ اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا تو کوتاہی نہ کرتا۔

اس وقت اللہ کی طرف سے آواز آتی ہے: اے ملائکہ! میں نے تمہاری دعا کو اس بندے کے بارے میں قبول کیا اور تمہاری نداؤں کو سنا اور اس کی روح پر ارواح نیک کے ساتھ صلوات بھیجی اور اس کو اپنے چنے ہوئے لوگوں میں قرار دیا"۔

پس! وہ جو دشمنِ علی علیہ السلام و آلِ علی علیہم السلام کے لئے کمربستہ ہیں اور اپنی آگ کو دن بدن بڑھا رہے ہیں، اب وہ خانہ کعبہ کے کنارے میں امام علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ اس گھر کی حرمت اور حرمتِ دین خدا کو بھی ضائع کر رہے ہیں۔

حضرت ابا الفضل العباس علیہ السلام نے اپنی تمام شجاعت کے ساتھ اتمامِ حجت اور امام حسین علیہ السلام کی تمام جانب سے حمایت کرنے کے بعد یزید اور اس کے طرف داروں

اوراس کے آباء واجداد پر لعنت فرمائی بغیر اس کے تھوڑا سا بھی خوف رکھتے ہوں۔

اب میں ان سطروں کو ختم کرتا ہوں آج خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب مبعوث ہے اس یگانہ ہستیؐ نے تمام عالم وجود سے پہلے دینِ اسلام کی مبانی اعتقادی کی تحکیم میں یعنی ولایت مولی الموالی امیر المؤمنین علیہ السلام اور ان کی اولاد طاہرین علیہم السلام کی راہ میں زحمتیں برداشت کیں اور مخالفوں کی طرف سے اذیتیں دی گئیں اور کئی بار ان کی شہادت کا نقشہ تیار کیا گیا لیکن ہر بار ان کی امیدوں پر پانی پھر جاتا۔

لیکن آخر میں ان ہی اشرار دشمنانِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[1]

تمام مصنفین و مترجمین اور ذاکرین وخطبائے اہلِ بیت عصمت علیہم السلام، اپنے قلم پر زبان پر "رحلت" کے کلمے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "شہادت" استعمال کریں تاکہ ان کا یہ حق اس خصوص میں۔ کہا آپؐ امیرِ ولایتِ عوالم امیر المؤمنین علیہ السلام کے پہلے شہید ہیں۔ ضائع نہ ہو۔

1۔ علامہ ہاشم بحرانی اپنی تفسیر البرہان کی جلد اول ص ۳۲۰ سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۴۴ کے ذیل میں عبد الصمد بشیر سے نقل کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: عَنْ مولانا الإمام جعفر الصادق صلوات الله عليه قَالَ: تَدْرُونَ مَاتَ النَّبِيُّ صلوات الله عليه وآله أَوْ قُتِلَ إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ « فَسَمَّ قَبْلَ الْمَوْتِ إِنَّهُمَا سَقَتَاهُ قَبْلَ الْمَوْتِ فَقُلْنَا إِنَّهُمَا وَأَبُوهُمَا شَرُّ مَنْ خَلَقِ اللهُ.

"کیا جانتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی یا قتل ہوئے؟ بیشک اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ (اگر رسول اللہؐ فوت ہو گئے یا قتل ہو گئے تو پیچھے پلٹ جاؤ گے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبیعی وفات سے پہلے مسموم ہوئے اور ان دونوں عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا اور ہمارے عقیدے کے مطابق وہ دونوں اور ان کے باپ بدترین مخلوق ہیں"۔

اگر ہر مومن پر یہ حقیقت روشن نہیں ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنی تاریخی اور روائی تحقیق میں اضافہ کرے تاکہ اس پر حجت تمام ہو۔

اور تمام دیندار افراد جو سال کا کیلنڈر پرنٹ کرواتے ہیں، وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بجائے رحلت یا وفات کے شہادت کا لفظ استعمال کریں۔

شبِ مبعث میں امیر المؤمنین علیہ السلام کی زیارت کیوں آئی ہے؟:۔

شبِ مبعث امیر المؤمنین علیہ السلام کی زیارت کیوں آئی ہے؟

دلیل روشن ہے، بعثت ونبوت، مقدمہ اور مبلغِ امامت وولایت ہے۔

اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی اتباع کی ہدایت ثابت ہوگی۔

اسی زیارت کے جملے ہیں:۔۔فَمَنِ اتَّبَعَكَ فَقَدِ اهْتَدىٰ۔۔

"یا علی علیہ السلام! اگر کوئی آپؑ کی پیروی کرے تو یقیناً اس نے ہدایت پائی"۔

اعْتَدَلَ بِكَ الدِّينُ. "دین تیرے وجود سے اعتدال پاتا ہے"۔

پس! یہ ہم شیعیان کا مسلم عقیدہ ہے کہ جو امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولایت کا منکر ہو اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولایت نہ رکھتا ہو، اس کا دین معتدل نہیں۔

اسی طرح قمر منیر بنی ہاشم علیہ السلام اپنے خطبہ کو آلِ محمد علیہم السلام کے دشمنوں پر تمام کرتے ہیں اور ہم بھی امیر المؤمنین علیہ السلام کی زیارت، مخصوص مبعث پر تمام کرتے ہیں جو امیر المؤمنین علیہ السلام کے مخالفوں پر لعنت کی تصریح کرتی ہے اور اپنے مطالب کو تمام کرتے ہیں۔

۔۔۔۔لَعَنَ اللهُ مَنْ قَتَلَكَ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ خَالَفَكَ، وَلَعَنَ اللهُ مَنِ افْتَرىٰ عَلَيْكَ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ ظَلَمَكَ وَغَصَبَكَ حَقَّكَ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ بَلَغَهُ ذٰلِكَ فَرَضِيَ بِهِ، إِنَّا إِلَى اللهِ مِنْهُمْ بُرَآءُ، لَعَنَ اللهُ

أُمَّةً خالَفَتْكَ، وَجَحَدَتْ وِلَايَتَكَ، وَتَظَاهَرَتْ عَلَيْكَ وَقَتَلَتْكَ وَحَادَتْ عَنْكَ وَخَذَلَتْكَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی جَعَلَ النَّارَ مَثْوَاهُمْ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودِ..... [1]

”خدالعنت کرے اس پر جس نے آپؑ کو شہید کیا۔

خدالعنت کرے اس پر جس نے آپؑ کی مخالفت کی۔

خدالعنت کرے اس پر جس نے آپؑ پر جھوٹ باندھا۔

اور خدالعنت کرے اس پر جس نے آپؑ پر ظلم کیا اور آپؑ کا حق غصب کیا اور خدالعنت کرے اس پر جب اس کے پاس یہ اخبار پہنچیں تو وہ راضی و خوشنود ہوا۔ ہم آپؑ کے شیعیان ان سے بیزاری اختیار کرتے ہیں۔

خدالعنت کرے اس سے امت پر جس نے آپؑ کے ساتھ مخالفت کی اور آپؑ کی ولایت کا انکار کیا اور آپؑ کے خلاف متفق ہوئے، اور آپؑ کے قتل کے لئے اٹھے اور راہ خلق کو آپؑ پر بند کیا اور آپؑ کو خوار کیا۔ اور پھر شکر ہے اس اللہ کا جس نے آتش دوزخ کو ان کا ماوی قرار دیا اور بہت ہی بدمنزل گاہ ہے داخل ہونے والوں کے لئے“۔

الحمدللہ! توفیقِ الٰہی اور امامِ زمانہ علیہ السلام کی توجہات سے کتاب ”خطیبِ کعبہ“ خطیبِ درِ بتول سید فواد حیدر کاظمی کے قلم سے ۲۲ جمادی الثانی بوقت سحر تمام ہوئی۔

1۔ مفاتیح الجنان، چاپ لندن = ص ۶۹۷

یادداشت

خطیب کعبہ

تالیف
استاد علی اصغر یونسیان



تُراب پبلیکیشنز

دوکان نمبر 8 فرسٹ فلور الحمد مارکیٹ

38-غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

0345-8512972 / 042-37112972